غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ
عاشق رسول اللہ
علامہ محمد عاطف قادری

بسم اللہ الرحمن الرحیم
غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ

ملنے کے پتے

مکتبہ رحمانیہ اقرأ سنٹر اردو بازار لاہور 37355743
مکتبہ العلم 17 اردو بازار لاہور 37211788
اسلامی کتب خانہ فضل الٰہی مارکیٹ لاہور 37223506
مشتاق بک کارنر اردو بازار لاہور 37230350
علم و عرفان پبلی کیشنز اردو بازار لاہور 37232336
منیر برادرز مین بازار جہلم
سعید بک بینک اسلام آباد
احمد بک کارپوریشن اقبال روڈ راولپنڈی
بخش بک ڈپو اردو بازار سیالکوٹ
چوہدری بک ڈپو مین بازار دینہ
ضیاء القرآن پبلشرز گنج بخش روڈ لاہور
کتاب گھر علامہ اقبال روڈ راولپنڈی
نیو الیاس کتب محل کچہری بازار گوجرانوالہ
ادریس کتاب محل مین بازار منڈی بہاؤ الدین
عمر بک سنٹر جی ٹی روڈ سرائے عالمگیر 653057
چغتائی بک ڈپو پودھڑیال آزاد کشمیر
اتفاق بک ڈپو پھلوال
کوالٹی ڈیپارٹمنٹل سٹور کالج روڈ بورے والا 3355889
شاہین بک ہاؤس منڈی بہاؤ الدین
بخار سنز قصہ خوانی بازار پشاور
بلال بک ڈپو گجرات
الفضل کتاب گھر میرپور آزاد کشمیر
مسٹر بکس سپر مارکیٹ اسلام آباد 2278843-5
جہانگیر بک ڈپو لاہور 37220897
سعد پبلی کیشنز فسٹ فلور اردو بازار لاہور 37122943
مسلم بک لینڈ بینک روڈ مظفر آباد
یونائیٹڈ بک ہاؤس کچہری روڈ منڈی بہاؤ الدین
نیو وہاڑی کتاب گھر جناح روڈ وہاڑی 62310
الکریم نیوز ایجنسی گول چوک اوکاڑہ
شاکلہ بک ایجنسی محلہ چوہدری پارک ٹوبہ ٹیک سنگھ
ڈار برادرز تحصیل بازار جہلم
فضلی سنز اردو بازار کراچی
کھوکھر بک سٹال مسلم بازار، گجرات
مکتبہ رشیدیہ چکوال
بٹ بک ڈپو جہلم
اشفاق بک ڈپو پاڑیاں والہ

بلال کاپی ہاؤس لیاقت روڈ میاں چنوں 662650
میاں ندیم مین بازار جہلم 0544-621126
دار الادب تلمبہ روڈ میاں چنوں الرحمت سٹیشنری ڈسکہ
اشرف بک ایجنسی مٹی چوک راولپنڈی
شیخ بک ایجنسی فیصل آباد
رضا لائبریری شاہ کوٹ
ہاشمی برادرز کتب و رسائل گوردت سنگھ روڈ کوئٹہ
الیاس بک ڈپو جلال پور جٹاں
کارواں بک سنٹر بہاولپور
الاخوان القادری، سندی کارنر اندرون بوہڑ گیٹ ملتان
اسلامی کتب خانہ حافظ آباد
خان بک ڈپو حافظ آباد
نظامی کتب خانہ پاکپتن شریف
شکیل بک ڈپو سمندری
خالد کتاب محل اوگرگی سیالکوٹ روڈ
لاثانی لائبریری ربوہ
زمان لائبریری ربوہ
سلیمی بک ڈپو احمد پور شرقیہ
جالندھر بک ڈپو ڈسکہ
بک ٹاؤن ایف-10 مرکز اسلام آباد 2299604
پاکستان بک ڈپو مین بازار جلال پور جٹاں
کارنر سٹیشنری مارٹ مین بازار کھاریاں 510274
کتاب نگر حسن آرکیڈ ملتان کینٹ 061-510444
صابر بک سٹال نسبت روڈ لاہور 37230780
کارواں بک سنٹر ملتان کینٹ
گل قریب پبلی کیشنز لاہور 37320318
عالمی بک ہاؤس لاہور
عزیز سٹیشنری مارٹ مین بازار کھاریاں
کتاب سرائے الحمد مارکیٹ اردو بازار لاہور
سلطان بک پیلس گجرات، پنجاب بک ڈپو سرکلر روڈ گجرات
حافظ بک ایجنسی اقبال روڈ سیالکوٹ
وارث سنز بک ڈپو صرافہ بازار پنڈ دادنخان جہلم
کارواں بک سنٹر بہاولپور۔
ملک بک سنٹر جلال جٹاں
مکتبہ کشمیر لالہ موسیٰ
رائل بک سنٹر چوک نواب گجرات

ختم نبوت ﷺ زندہ باد

عظمت صحابہ زندہ باد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

معزز ممبران: آپ کا وٹس ایپ گروپ ایڈ من "**اردو بکس**" آپ سے مخاطب ہے۔

آپ تمام ممبران سے گزارش ہے کہ:

- گروپ میں صرف PDF کتب پوسٹ کی جاتی ہیں لہذا کتب کے متعلق اپنے کمنٹس / ریویوز ضرور دیں۔ گروپ میں بغیر ایڈ من کی اجازت کے کسی بھی قسم کی (اسلامی و غیر اسلامی، اخلاقی، تحریری) پوسٹ کرنا سختی سے منع ہے۔
- گروپ میں معزز، پڑھے لکھے، سلجھے ہوئے ممبرز موجود ہیں اخلاقیات کی پابندی کریں اور گروپ رولز کو فالو کریں بصورت دیگر معزز ممبرز کی بہتری کی خاطر ریمو و کر دیا جائے گا۔
- کوئی بھی ممبر کسی بھی ممبر کو انباکس میں میسیج، مس کال، کال نہیں کرے گا۔ رپورٹ پر فوری ریمو و کر کے کاروائی عمل میں لائے جائے گی۔
- ہمارے کسی بھی گروپ میں سیاسی و فرقہ واریت کی بحث کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔
- اگر کسی کو بھی گروپ کے متعلق کسی قسم کی شکایت یا تجویز کی صورت میں ایڈ من سے رابطہ کیجئے۔
- سب سے اہم بات:

گروپ میں کسی بھی قادیانی، مرزائی، احمدی، گستاخِ رسول، گستاخِ امہات المؤمنین، گستاخِ صحابہ و خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسنین کریمین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین، گستاخ اہلبیت یا ایسے غیر مسلم جو اسلام اور پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا میں مصروف ہیں یا ان کے روحانی و ذہنی سپورٹرز کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا ایسے اشخاص بالکل بھی گروپ جوائن کرنے کی زحمت نہ کریں۔ معلوم ہونے پر فوراً ریمو و کر دیا جائے گا۔

- تمام کتب انٹرنیٹ سے تلاش / ڈاؤنلوڈ کر کے **فری آف کاسٹ** وٹس ایپ گروپ میں شیئر کی جاتی ہیں۔ جو کتاب نہیں ملتی اس کے لئے معذرت کر لی جاتی ہے۔ جس میں محنت بھی صَرف ہوتی ہے لیکن ہمیں آپ سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے۔
- عمران سیریز کے شوقین کیلئے علیحدہ سے عمران سیریز گروپ موجود ہے۔
- **لیڈیز کے لئے الگ گروپ کی سہولت موجود ہے جس کے لئے ویریفکیشن ضروری ہے۔**
- اردو کتب / عمران سیریز یا سٹڈی گروپ میں ایڈ ہونے کے لئے ایڈ من سے وٹس ایپ پر بذریعہ میسیج رابطہ کریں اور جواب کا انتظار فرمائیں۔ برائے مہربانی اخلاقیات کا خیال رکھتے ہوئے موبائل پر کال یا ایم ایس کرنے کی کوشش ہر گز نہ کریں۔ ورنہ گروپس سے تو ریمو و کیا ہی جائے گا بلاک بھی کیا جائے گا۔

نوٹ: ہمارے کسی گروپ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ سب فی سبیل اللہ ہے

0306-7163117	0343-7008883	0333-8033313
محمد سلمان سلیم	پاکستان زندہ باد	راؤ ایاز

پاکستان زندہ باد

پاکستان پائندہ باد

اللہ تبارک تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ

علامہ محمد عاطف قادری

خزینہ علم و ادب
الکریم مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
فون: 37314169 - 37211468

دیدہ زیب اور
خوبصورت کُتب کا
واحد مرکز

تزئین واہتمام

نذیر محمد، طاہر نذیر

نام کتاب : غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ

مصنف : علامہ محمد عاطف قادری

سن اشاعت: 2012ء

اہتمام : محمد نذیر، طاہر نذیر

مطبع : ریاض شہباز پرنٹرز، لاہور

ہدیہ :

حسن ترتیب

حرفِ آغاز

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اے ہمارے پیارے رب! اپنی بارگاہ سے ہم پر رحمتیں اور شفقتیں نازل فرما اور ہمارے معاملہ میں ہمیں راہ راست پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔ اللہ تعالیٰ ہر خوبی کا سزاوار ہے جس نے اپنے اولیاء پر اپنی بادشاہت کے اسرار کھولے اور اپنے اصفیاء کے لیے اپنی حیثیت و جبروت کے راز منکشف فرمائے اور اپنی شمشیر عظمت و جلال سے محبوبوں کا خون بہایا اور عارفین کو اپنے وصال کی چاشنی کا مزہ چکھایا۔ وہی اپنی بے نیازی اور کبریائی کے انوار سے ادراک سے مردہ دلوں کو زندہ گانی عطا فرماتا ہے اور اپنے اسماء مبارکہ کی مہک کے ساتھ معرفت الٰہی کی خوشبو سے انہیں لطف و اندوز ہونے کے مواقع فراہم کرتا ہے اور اس کی کروڑہا عنایاتِ کریمانہ میں سے ایک عنایت ہم جیسے نااہل مسلمانوں پر یہ بھی ہے کہ اس نے ہمیں اپنے پیارے حبیب، شفیع المذنبین، خاتم النبیین، آقائے دوجہاں حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا اُمتی بنایا۔ اُس آقائے دوجہاں پر کروڑوہا درود وسلام۔

محبت کا مفہوم کسی شے کی جانب طبیعت کا مائل ہونا ہے اور اگر اس شے کی جانب مائل ہونے میں طبیعت میں شدت پائی جائے تو وہ ترقی کر کے ''عشق'' کہلاتا ہے۔

قرآن مجید میں سورۃ البقرہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:

''کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو شریک

جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی مانند ان سے محبت کرتے
ہیں لیکن ایمان والے ایسے ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ سے ہی محبت
کرتے ہیں۔''

برصغیر پاک و ہند کی سرزمین پر جب مسلمان آباد ہوئے اور انہوں نے آقائے دوجہاں حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر غیر مسلمانوں کو اپنے اخلاق و آداب سے اس قدر مجبور کر دیا کہ وہ اسلام کے دین کی طرف مائل ہونا شروع ہو گئے لیکن جب انہی مسلمانوں نے آقائے دوجہاں حضرت سیّدنا محمد مصطفےٰ ﷺ کی تعلیمات کو چھوڑ دیا اور دنیاوی عیش و عشرت میں زندگی بسر کرنے لگے تو اُن پر زوال آنا شروع ہو گیا اور اسی زوال کی وجہ سے انگریز برصغیر جیسی عظیم الشان سلطنت پر قابض ہو گئے اور مسلمان اُن کے غلام بن گئے۔ یہاں تک کہ دوسری قومیں بھی اُن پر مسلط ہو گئی۔ ان اقوام کا آپس میں اس بات پر اس قدر اتحاد تھا کہ وہ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں۔

انگریزوں جب مکمل طور پر برصغیر پاک و ہند پر قابض ہو گے تو انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ ایک نئی جنگ کا آغاز کر دیا جو جغرافیائی سرحدوں کی بجائے نظریاتی بنیادوں پر استوار کی گئی تھی۔ جس کے نتیجے میں انہوں نے برصغیر میں بسی ہوئی دوسری قوموں کو بھی اپنے ساتھ ملا کر مسلمانوں کے مقدس دین اور مقدس ہستی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی ذات کو نشانہ بنانا شروع کر دیا اور متعدد من گھڑت کتابیں اور رسائل تحریر کئے جن سے مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا گیا۔

ہندوؤں نے انگریزوں کے ایماء پر تبلیغ کا کام سنبھالا اور مسلمانوں کے خلاف عجیب و غریب ہتھکنڈے استعمال کرنے شروع کر دیے اور اس کے لئے انہوں نے رسول پاک ﷺ کی شان میں گستاخیاں شروع کر دیں جگہ جگہ خاتم نبی جنم لینے لگے ان کا قلم زہر اگلتا، زبان ناقابل برداشت بکواس بکتی ان کی زبانیں ناپاک اور

الفاظ غلیظ ہوتے۔ بالآخر انہوں نے ایک اور قدم اٹھایا اور اکتوبر ۱۹۲۴ء میں مجوں میں ایک آریہ پرچارک سینہ دیو نے قرآن حکیم کو نعوذ باللہ ریاکاری اور منافقت کا مجموعہ قرار دے دیا نیز حضور رسول کریم ﷺ کی جناب میں ہرزہ سرائیاں شروع کر دیں۔

اس کام کو انہوں نے اس حد تک ترقی دی کہ (نعوذ باللہ) حضور رسول کریم ﷺ کی حیات مبارکہ پر ''رنگیلا رسول'' کے نام سے ایک کتاب چھاپی جس کے مندرجات بے انتہا غلیظ، اور شرمناک تھے جس سے مسلمانوں کے جذبات سلگ اٹھے لیکن مرکزی قیادت نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان بالکل بے بس تھے انگریز حکومت مسلمانوں کو ذلیل کرنے پر تلی ہوئی تھی ایسے میں بعض باغیرت مسلمانوں نے اسلاف کی روایات کو زندہ کرنے کا عزم کیا۔ان باغیرت مسلمانوں نے ایک نام غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے جس نے کتاب ''رنگیلا رسول'' کے ناشر گستاخِ رسول راجپال کو دن دہاڑے کفرِ کردار تک پہنچایا اور خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر کے یہ ثابت کر دیا کہ مسلمان کبھی بھی عشقِ رسول ﷺ سے پیچھے نہیں ہٹیں گے خواہ اس کے لیے انہیں کتنی ہی بڑی قربانی ہی کیوں نہ پیش کرنی پڑے۔

یہ داستان حیات اس مرد غازی کی ہے جس نے معمولی پڑھا لکھا ہونے کے باوصف مصلحت پرست سیاست دانوں کی انگریزی خوشامدی، ہندوؤں کی مکاری اور انگریزوں کی فریب کاری کا پردہ چاک کیا اور عشق رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنی سچی محبت کا علی الاعلان واشگاف میں ثبوت پیش کیا اور ببانگ دہل کیا۔

اس کتاب کی تالیف کا مقصد ہمارے پیش نظر یہی ہے کہ آج کا دور بھی ایسا دور ہے جس میں کئی گستاخ رسول آقائے دوجہاں، شفیع المذنبین حضرت سیّدنا محمد مصطفےٰ ﷺ کی مقدس شخصیت پر حملہ آور ہو رہے ہیں، اس لیے اِن گستاخوں کو یہ پتہ چل جائے کہ ناموسِ رسالت مآب ﷺ کے بارے میں مسلمان کیا جذبات رکھتے ہیں اور وہ اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتے اس کے ساتھ ساتھ آج

کے مادیت پرست دور میں ہم لوگ اپنے بزرگوں کے کارناموں کو بھلاتے جا رہے ہیں جنہوں نے اسلام جیسے مقدس دین کے فروغ و اشاعت کے لیے بے دریغ قربانیاں دی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری اس عاجزانہ کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول منظور فرمائے اور ہمیں اپنے اور اپنے پیارے محبوب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تعلیمات پر صدقِ دل سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور
موت کیا شے ہے؟ فقط عالم معنیٰ کا سفر

از خاکپائے اولیاء

علامہ محمد عاطف قادری

حمد باری تعالیٰ

اوّل حمد ثناء الٰہی جو مالک ہر ہر دا
اُس دا نام چتارن والا ہر میدان نہ ہردا
کام تمام میسر ہوندے نام اوہدا چت دھریاں
رحموں سکے سادے کردا قہروں ساڑے ہریاں
قدرت تھیں جس باغ بنائے جگ سنسار تمامی
رنگ برنگی بُوٹے لائے کُجھ خاصی کُجھ عامی
اِکناں دے پھل مِٹھے کیتے پت انہاندے کوڑے
اکناں دے پھل کاری آون نفے پھلاندے تھوڑے
ایس عجائب باغے اندر آدم دا رُکھ لایا
معرفت دا میوہ دے کے واہ پھلدار بنایا
رحمت دا جد پانی لگاتاں ہویا ایہہ ہریا
ہر ہر ڈالی نے پھل پایا سر دھرتی جد دھریا
واہ دا خالق سر جہارا ملکاں جن انساناں
اربع عناصر تھیں جس کیتا گونا گون حیواناں
مُن اُوہدی نوں کوئی نہ پُہتا عاقل بالغ دا ناں
در جس دے بر سجدے سُٹے لوح قلم آسماناں

حکم اوہدے بن ککھ نہ ہلدا واہ قدرت دا والی
جیا جون نگاہ اوہدی وِچ ہر پتر ہر ڈالی
آپ مکانوں خالی اُس تھیں کوئی مکان نہ خالی
ہر ویلے ہر چیز محمدؐ رکھدا دا نت سنبھال
جون ہزار اٹھاراں اُس نے دیناں وِچ بنائی
صورت سیرت تے خاصیت وکھو وکھری پائی
جُدا جُدا ہر جوگے جگ تے کیتے کھانے
اُنھے لُولے ماڑے موٹے ہرنوں نت پچانے
جو جو رزق کسے دا کیتوس لکھیا کدے نہ ٹالے
لاکھ کروڑ تکے بُریائیاں پھر بھی اونویں پالے
آدم تھیں لے اِس دم توڑی لاکھ ہوئے مرمٹی
صورت جُدا جُدا سبھس دی علم اوہدے وِچ مٹی
وکھو وکھرے لیکھ سبھس دے لکھ چھڈیوس اکواری
جمن مرن نہ گھٹن دیندا ساعت اڈھی ساری
اِکو فرش زمین دا سارا اِکو مینہ تراوت
بوٹے رُکھ زمن پر جتنے سبھناں وچ تفاوت
سے ناڑیں اِک پترا اندر جوڑ کئی وِچ جوڑے
علم اوہدے وِچ ککھ نہ بُھلا سبھ معلم بن لوڑے
صنعت دا کجھ انت نہ لبھدا نظر کرو جس جائی
دھن اوہ قادر سر جہار جس سبھ چیز بنائی

جے ہک مچھر دا پَر بھجے توڑے جو جگ لگے
ہر گز راس نہ ہوندا مُڑ کے جیونکر آہا اگے

اتنا کم نہیں کرسک دے دانشمند سیانے
حکمت پاک حکیم سچے دی کون کوئی سبھ جانے

آپے داناں آپے بیناں ہَر کم کردا آپے
واحد لا شریک الٰہی صفتاں نال سیہاپے

رَبّ جبار قہار سُنیدا خوف بھلا اِس بالوں
ہے ستار غفار ہمیشہ رحم اُمید جنابوں

بادشہاں تھیں بھیکھ منگاوے تخت بہاوے گھاہی
کُجھ پرواہ نہیں گھر اُس دے دائم بے پروائی

صمٌ بکمٌ رہن فرشتے کس طاقت دم مارے
دَر اُس دے پر عاجز ہو کے ڈھیندے بزرگ سارے

ہر ڈھٹھے نوں ہتھے دیندا بخشنہار خطائیاں
دیتوس سُخن زباناں اندر سُخناں وِچ صفائیاں

ہَر درتوں دَرکارن ہوندا جو اُس دَر تھیں مُڑیا
اوّسے دا اُس شان ودہایا جو اُس پاسے اڑیا

بادشہاں دے شاہ اُس اَگے منہ ملدے وِچ خاکاں
اوگنہار کہایا اوتھے چنگیاں صافاں پاکاں

مغروراں نوں پکڑ نہ کردا اوسے وقت شتابی
معذوراں نوں چھڈے ناہیں کر کے قہر خرابی

جے کر خفگی کرے اَساں پر تک کے کماں بُریاں
بخشش کر کے مہریں آوے پھیر اوہدے دَر اُڑیاں

ماوَ پیوَدی بے فرنانی جو بیٹا نت کردا
فرزندگی دا پیار نہ رہندا گھن کویں ایہ مَردا

بجّن بھین بھرا نہ ہوون راضی جس بھراوَں
گھر آئے دا کرن نہ آورکپّن اوہدیاں واوَں

دوست یار کسے دا ہکدن آور بھاء نہ ہووے
فیرا وہ مُکھ دکھاندا ناہیں یاری تھیں ہتھ دھوے

نفر غلام کِسے دا ہووے خدمت اندر ڈِھلا
خاوند نُوں کد چنگا لگ دا جھڑکے کر کر کلاّ!

میر وزیر مصاحب شاہ دے حکموں باہر ہوون
شاہ کھدیڑے غصہ کر کے ہور بھی نوکر روون۔

واہ وہ صاحب بخشنہار تک تک ایڈ گناہاں
عزت رزق نہ گھٹے ساڈ دیندا فیر پناہاں

دوئے جہاناں اسماناں زِ میاں جووا فربے اوڑے
وِچ سُمندر علم اوہدے دے ہِک قطرے تھیں تھوڑے

کھانے پا بہائیوں چوکی ڈاہ زمین دا پلاّ!
بجّن دشمن چنگے مندے دیندا ناں رِدھر کلاّ!

جے اوہ قہر کماون لگ دا کون جو چُھٹ دا
رحمت اُس دی جگ وسائی ہریک نعمت لُٹ دا

بندگی دی پرواہ نہ اُس نوں گھاٹا نہیں گناہوں
زُہد عبادت تاہیں ہوندے جاں کھلے درگاہوں

سدا سلامت راج اوسے دا اُس دَر سبھ سلامی
آدم جن ملائک ہر شے جِیا جُون تمامی

مان کریندیاں مان تروڑے مسکیناں دا ساتھی
کوہ قافاں وِچ روزی دیندا سُیمر غاں نوں ہاتھی

لُطف کریندا کرم کنندہ ہر دے کام سنوارے
سبھ خلقت داراکھا اوہو بھیت پچھانے سارے

سبھ وڈیائی اُس نوں لائق بے پرواہ ہمیشہ
ہکناں تاج سعادت دیندا ہکناں بداندیشہ

عیب میرے پر پلّا دیندا ہنر کریندا ظاہر
جدوں کرم دا واڑا کردا کوئی نہ رہندا باہر

ہر عاجز پر رحمت کردا کرے قبول دعائیں
مَن منگے لکھ دان دوائے محرم دل دا سائیں

ہَر کوئی محتاج اوسے دا منگن ہارا دَردا
ہرگز کیتی اُس دی اُتے اُنگل کوئی نہ دھردا

دائم نیکوکاری کردا نیکی اُس نوں بھاوے
بَدیاں بھی پھر بخش گیذردا جاں رحمت پر آوے

سورج تارے اُوٹھ قطارے مشرق مغرب جاندے
خاک زمین دی ثابت رکھدا پانی تے تھر باندے

دھرتی پونڈ ڈولاندی آہی ایدھرا اودھر ہوکے
حکمت نال لگائیوس محکم کوہ قافاں دے کوکے
قطرے ہِک منی دے تائیں کہہ کُجھ جوبن دیندا
پانی اُتے صورت لکھے حکمت عجب کریندا
اوس صورت وِچ سیرت پاوے اہل بصیرت تکدے
اُنہیں لوک اسمتھر بھائی قدر پچھان نہ سکدے
وَٹّے دے وِچ لعل ٹِکاندا جانن قیمت پاندے
سادی شاخوں ویکھ نکالے گُل پھُل رنگ رنگاندے
سِپّاں اندر موتی کردا رکھ کے قطرہ پانی!
شِکماں وچّوں باہر آنے صورت بی بی رانی
اگا پچھا اُس نوں معلم ناں چھپیا ہِک ذرّہ
داناں بیناں کشف قلوبی حی قیوم مقررہ!
کناں باجھوں سُننے والا تکدا ہے بن نیناں
باجھ زبان کلام کریندا ناں اُس بھائی بھیناں
غالب امر مبارک اُس دے ناں ہَویاں نُوں کیتا
ہویاں نُوں نابُود کریسی آپ ہمیشہ جیتا
خاک ہویاں نُوں دوجی واری مُڑ کے زندے کرسی
وِچ میدان قیامت والے ہر کوئی لیکھا بھرسی
سبھ جہان کو کیندا ایہو ہے تحقیق الٰہی
لیکن کُہنہ مبارک اُس دی کِسے نہ لدھی آہی

صفت اوہدی نوں فہم نہ پہتا ذاتی وہم نہ پاندے
اس ڈابے کئی بیڑے ڈبے تختہ ہویا نہ باندے
اس میدان نہ چلے گھوڑا شینہہ حیرت دا گجے
خاص پہلے لا انحضی کہکے اس دوڑوں سن رجے
ہرجائی نہیں چلدی بھائی جتھے دی چترائی
کن ڈورے جھ گونگی ہوندی جاں کوئی جاگہ آئی
اس مجلس دا محرم ہو کے پھیر نہ مُردا کوئی
جو ایہہ مست پیالہ پیندا ہوش کھڑاندا سوئی
اس خونی دریاؤں ڈر دے عقل فکر دے سائیں
کِس دی بیڑی باہر آئی پہنچ اجنہیں جائیں
جے کر تینوں طلب محمدؐ اس رستے ٹر اُڑیا
مُڑ آون دی رکھ نہ ہکھی ایتھوں کوئی نہ مُڑیا
نال ریاضت کریں صفائی سان فکر دی کہس توں
مَت خوشبو دی کرسی طالب عہد الستوں
پَیر طلب دے گھڑ سن اوتھے اوڈیں حُبّ دے بالوں
اگوں پکڑ یقین لنگھاسی پڑدے پار جنابوں
ایہہ دریا موہانے باجھوں لنگھن مول نہ ہوندا
رُھڑ مردا یا ڈبدا جیہڑا آپ دھکلا پوندا
جیہاں ملاح منایا ناہیں بیڑی چڑنے نہ اُس دی
راہوں پَرت پئے وچ باراں مفت نکری مُسدی

رستہ چھوڑ نبیؐ دا ٹریاں کوئی نہ منزل پگ دا
جے لکھ محنت ایویں کریئے کلّر کول نہ اُگ دا

رستہ صاف نبیؐ دے پچھے ہور نہ جانوں کوئی
اوہو کرے شفاعت ساڈی تائیں ملسی ڈھوئی

(حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ)

نعت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

واہ کریم اُمت دا والی مہر شفاعت کردا
جبرائیل جیہے جس چاکر نبیاں دا سَر کردا

اوہ محبوبؐ حبیبؐ ربانا ں حامی روز محشر دا
آپ یتیم یتیماں تائیں ہتھ سرے پر دھردا

جے لکھ واریں عطر گلابوں دھوئیے نت زباناں
نام اُنہاں دے لائق نائیں کی قلمے دا کاناں

نعت اُنہاں دی لائق پاکی کدا ساں نادا ناں
میں پلیت ندی وچ وڑیا پاک کرے تن جاناں

نال اشارت ٹکڑے کیتا جس نے چن اسمانی
سنکروڑاں تھیں جس پڑھایا کلمہ ذکر زبانی!

معجزیوں اُس بہت وڈیائی تھوڑی سی مہمانی
لشکر تسّا سبھ رجایا ہکسے کاسے پانی!

صدر نشین دیوان حشر دا افسر وِچ اماماں
کُل نبی محتاج اُنہاندے نفراں وانگ غلاماں

دُنیاں تے جد ظاہر ہویا گُھریا دین دماماں
کوہ قافاں نے سیس نمایا کوٹ کفار تماماں

تخت چبارے شاہی کنبے ڈھٹھے کُفر مُنارے
چھیک دِتے قرآن اوہدے نے اگلے دفتر سارے

سبھو نُور اُوسے دے نُوروں اُس دا نُور حضوروں
اُس نوں تخت عرش دا مِلیا موسےٰ نوں کوہ طُوروں

لَوْلَاكَ لَمَاخَلَقْتُ الْكَوْنُ آیا شان اُنہاندے
جن انسان غلام فرشتے دوئے جہاں اُنہاندے

نور محمدؐ روشن آہا آدم جدوں نہ ہویا
اوّل آخر دوئے پاسے اُوہو مَل کھلویا

پاک جمال اوہدے نُوں سِکدے رُوح نبیاں سندے
حُوراں مَلک اُنہاندی خاطر خدمت کارن بندے

ولی جہاں دی اُمت سندے نبیاں نال برابر
اُمت اُس دی بنیا لوڑن مُرسل ہورا کابر

حسن بازار اوہدے سے یوسفؑ بردے ہووکاندے
ذوالقرنین سلیمان جیسے خدمت گار کہاندے

عیسےٰؑ خاک اُنہاں دے دردی گھن تمیم کردا
تاہئیں دست مبارک اُس دا شافی ہر ضرر دا

خال غلامی اُس دی والا لایا پاک خلیلؑ
جانی نوں قربانی کیتا مہتر اسماعیلؑ

موسےٰؑ خضر نقیب اُنہاندے اگے بھجن راہی
اوہ سلطان محمدؐ والی مُرسل ہور سپاہی

ده سی سدجہناں نوں ہویا نیڑے آ پیارا
نعت اُنہاں دی کیہ کُجھ لکھے شاعر اوگنہارا

(حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ)

میاں اج دو رنگیاں ویکھیاں نیں
نالے غم سانوں، نالے عید وی اے

علم دین دی ایس بہادری دی
دید وی اے تے نالے شنید وی اے

جنت وچ رضواناں نے پچھنائیں
کول خط اودھے تے نال رسید وی اے

عشقِ لہر محمد ﷺ دا اوہ عاشق
غازی مرد، وی اے تے شہید وی اے

باب 1:

بیانِ محبت

قرآن مجید میں سورۃ المائدہ میں فرمانِ الٰہی ہوتا ہے:

''اے ایمان والو! تم میں سے جو بھی حق تعالیٰ کے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لے آئے گا جو اللہ کو محبوب رکھے گی اور اللہ ان کو محبوب رکھے گا۔''

محبت کا مفہوم کسی شے کی جانب طبیعت کا مائل ہونا ہے اور اگر اس شے کی جانب مائل ہونے میں طبیعت میں شدت پائی جائے تو وہ ترقی کر کے ''عشق'' کہلاتا ہے۔

اہل لغت کہتے ہیں کہ محبت ''حبہ'' سے ماخوذ ہے اور حبہ کے معنی تخم کے ہیں جو زمین پر گرتا ہے لہٰذا حب کا نام حُب رکھا گیا۔ چنانچہ اصل حیات اسی میں ہے جس طرح اشجار و نباتات میں ہے۔ حب یعنی تخم ہے جس طرح میدان میں بیج کو بکھیرا جاتا ہے اور پھر مٹی میں چھپا دیا جاتا ہے۔ بعدازاں اس پر پانی ڈالا جاتا ہے، سورج کی شعاعیں اس پر پڑتی ہیں، گرم و سرد موسم سے اس کو واسطہ پڑتا ہے لیکن زمانے کے تغیرات اس کو نہیں بدلتے یہاں تک کہ وہ پھل دیتا ہے اسی طرح محبت کا بیج جب دل میں جگہ پالیتا ہے تو پھر کوئی شے اسے نہیں بدل سکتی۔ محب کے دل میں جب مالک حقیقی کی محبت کا بیج جگہ پالیتا ہے تو پھر اس کے دل میں محبوب کے کلام کے سوا کوئی جگہ باقی نہیں رہتی۔

محبت کی دو اقسام ہیں۔ ایک جنس کی محبت دوسرے ہم جنس کے ساتھ اور ایسی محبت نفس پرستی کہلاتی ہے اور ایسا طالب محبوب کی ذات کا عاشق اور اس پر فریفتہ ہوتا

ہے۔ دوسری قسم کی محبت غیر جنس کے ساتھ ہوتی ہے اور ایسی محبت اپنے محبوب کی کسی صفت پر سکون و قرار حاصل کرنے کا نام ہے تاکہ وہ اس خوبی سے سکون پائے اور انسیت حاصل کرے۔

قرآن مجید میں سورۃ البقرہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے:

"کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو شریک جانتے ہیں اور خدا کی محبت کی مانند ان سے محبت کرتے ہیں لیکن ایمان والے ایسے ہیں جو صرف اللہ سے ہی محبت کرتے ہیں۔"

چنانچہ اللہ عزوجل سے محبت کرنے والوں کی بھی دو اقسام ہیں۔ اول وہ جنہوں نے اپنے اوپر حق تعالیٰ کا انعام و احسان دیکھا اور اس کے دیکھنے کی وجہ سے اس سے محبت کے متقاضی ہوئے اور دوم وہ جو تمام احسانات و انعامات کو غلبہ محبت میں مقامِ حجاب تصور کرتے ہیں اور نعمتوں پر نظر کرنے کی بجائے ان کا طریقہ نعمت دینے والے کی طرف ہوتا ہے اور یہ مقام نہایت ارفع و اعلیٰ ہے۔

آئمہ عظام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ عاشق کی صداقت تین خصلتوں میں نظر آتی ہے:

① دوسروں کے کلام کی بجائے محبوب کے کلام کو پسند کرتے ہیں۔

② دوسروں کی ہم نشینی کی بجائے محبوب کی ہم نشینی کو پسند کرتے ہیں۔

③ محبوب کی رضا کو دوسروں کی رضا پر ترجیح دیتے ہیں۔

آئمہ عظام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ عشق حقیقت میں پردہ داری کا نام ہے، راز کھول دینا، حلاوت ذکر کے باعث غلبہ وشوق طاری ہونا اور روح کا عاجز آنا حتیٰ کہ اگر جسم کا کچھ حصہ اس کیفیت میں کاٹ بھی دیا جائے تو درد محسوس نہ ہو۔

محبت کے مفہوم و معنی میں مختلف آئمہ عظام رحمہم اللہ کے مختلف اقوال ہیں۔

حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ محبت راہِ خدا کی اساس و بنیاد ہے اور اسی پر تمام

احوال و مقامات اور منازل کی بنا ہے اور حق تعالیٰ کی محبت میں زوال ممکن نہیں ہے۔

حضرت عمرو بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے قلوب کو ان کے اجسام سے سات ہزار سال قبل پیدا فرمایا اور انہیں اپنے قربِ خاص میں رکھا۔ اس کے بعد محبت کے درجہ میں رکھا۔ پھر ان کے باطن کو ان کے اجسام سے سات ہزار سال قبل پیدا کیا اور انہیں وصل کے درجہ میں رکھا اور روزانہ تین سو ساٹھ مرتبہ ظہورِ جمال سے باطن کو تجلی بخشی اور تین سو ساٹھ مرتبہ نظر کرامت ڈالی۔ پھر محبت کا کلمہ سنایا اور تین سو ساٹھ مرتبہ دلوں پر انس و محبت کے لطائف ظاہر کئے یہاں تک کہ انہوں نے ساری کائنات پر نظر ڈالی تو کسی مخلوق کو اپنے سے زیادہ صاحب کرامت نہ پایا اسی بناء پر ان میں فخر و غرور پیدا ہوا۔ اس وقت اللہ عزوجل نے ان سب کا امتحان لیا اور باطن کو جسم میں مقید کر کے روح کو دل میں محبوس کیا اور دل کو جسم میں رکھا۔ پھر عقل کو ان میں شامل کیا اور انبیاء علیہم السلام کو بھیج کر انہیں حکم دیا۔ اس کے بعد وہ اپنے مقام کی تلاش میں نکلا اور اللہ عزوجل نے اسے نماز کا حکم دیا تاکہ جسم تو نماز میں ہو اور دل محبت الٰہی میں غرق ہو۔ جان قربت کا مقام حاصل کرے اور باطن وصالِ حق سے سکون پائے۔

حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کو اٹھارہ دن تک قید میں رکھا گیا۔ حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ، آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ سے محبت کے بارے میں دریافت کیا: حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آج نہیں میں تمہیں کل بتاؤں گا۔ چنانچہ دوسرے دن آپ رحمۃ اللہ علیہ کو قید سے نکال کر فردِ جرم عائد کرتے ہوئے قتل کرنے کا حکم دیا گیا۔ حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے ابوبکر (رحمۃ اللہ علیہ)! محبت کا آغاز جلنا اور انجام قتل ہے۔

حضرت ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محبت وہ ہے جو اپنی تمام صفات کو محبوب کی طلب اور اس کی ذات کے اثبات میں فنا کر دے۔ یعنی صرف محبوب باقی

رہ جائے اور محبّ فانی ہو جائے اور محبوب کی بقاء کے لئے محبت کی غیرت کی اس حد تک نفی کرے کہ محبت کا فقط تصرف رہ جائے اور محبّ کے اوصاف کی فنا ذاتِ محبوب کے اثبات کے سوا کچھ نہ رہے۔

سلطان الاولیاء حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ محبت یہ ہے کہ اپنے زیادہ کو کم جانے اور محبوب کے کم کو زیادہ جانے۔ یعنی اللہ عزوجل نے جو دنیاوی نعمتیں اسے عطا کی ہیں ان کو کم جانا جائے اور اس کی کم روحانی نعمتوں کو زیادہ جانا جائے۔ چنانچہ قرآن مجید میں سورۃ النساء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے:

"اے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کہہ دیجئے کہ یہ دنیاوی نعمتیں تو بہت تھوڑی ہیں۔"

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا ریاضت، عبادت و معرفت کے اعتبار سے ممتاز حیثیت رکھتیں تھیں۔ اپنے دور کی نامور قلندر تھیں۔ علم عبادت اور ریاضت میں آپ رحمۃ اللہ علیہا کا نام اولیاء کرام میں نہایت عقیدت و احترام سے لیا جاتا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہا اللہ عزوجل کی عبادت میں ہمہ وقت مشغول رہتیں۔ اللہ عزوجل سے آپ رحمۃ اللہ علیہا کی محبت کا یہ عالم تھا کہ دنیا کی کسی چیز کا لالچ آپ کے دل میں موجود نہیں تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہا صرف رضائے الٰہی کی طالب تھیں۔ ایک مرتبہ بارگاہ الٰہی میں مناجات کرتے ہوئے کہا کہ اے اللہ! اگر میں تیری عبادت جہنم کے خوف سے کرتی ہوں تو تو مجھے جہنم میں پھینک دے اور اگر میں تیری عبادت جنت کی خاطر کرتی ہوں تو تو مجھے جنت سے محروم کر دے لیکن اگر میں صرف تیری ہی خاطر تیری عبادت کرتی ہوں تو مجھے اپنے دیدار سے محروم نہ کرنا۔

سلطان الاولیاء حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ سالک اس حقیقت کو جان لے کہ حقیقی محبوب اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ صفت کسی غیر کے لئے کسی بھی طور موزوں نہیں ہے اور اللہ عزوجل کی جانب سے سالک کو جو پہنچتا ہے وہ کم نہیں ہو سکتا اور سالک کی جانب سے جو اللہ عزوجل کی جانب پہنچتا ہے وہ بہت کم ہے۔ محی الدین

حضور سیدنا غوث الاعظم حضرت سیّدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ عاشق الٰہی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے نہ تو اپنا کوئی ارادہ رکھے اور نہ ہی اس کی کوئی خواہش باقی رہے۔ عاشق کے لئے ماسوائے اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ و وصال کے کچھ طلب نہ ہو اور وہ ہر وقت صرف خالق حقیقی کا طلبگار رہے۔

حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عاشق اپنے محبوب کی تلاش میں شہروں اور ویرانوں میں بھٹکتا رہتا ہے بالآخر اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے محبوبِ حقیقی کا ٹھکانہ تو اس کے دل کے اندر ہے۔ عاشق بظاہر میلا کچیلا ہوتا ہے مگر اس کے اندر آبِ حیات موجزن ہوتا ہے اور اس کے سوکھے لب اس کے پیاسا ہونے کی نشاندہی کر رہے ہوتے ہیں اور اس کی روح آبِ حیات کی ندی میں نہا رہی ہوتی ہے۔

کتب سیر میں منقول ہے کہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ مسجد حرام میں داخل ہوئے اور اسطوانہ کے نیچے ایک ننگا اور بیمار پڑا نوجوان دیکھا۔ اس کے قلب حزین (غمگین) سے آہیں نکل رہی تھیں۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے قریب ہو کر اسے سلام کیا اور پوچھا: اے لڑکے تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا: میں غریب عاشق ہوں۔ میں سمجھ گیا جو کچھ وہ کہہ رہا تھا اور فوراً کہا کہ میں بھی تمہاری طرح عاشق ہوں۔ اس نے رونا شروع کر دیا اور میں بھی اس کی وجہ سے رو پڑا۔ اس نے پوچھا: کیا تو بھی رو رہا ہے؟ میں نے کہا: میں بھی تیری طرح ہوں۔ اس نے باآوازِ بلند رونا شروع کر دیا۔ ایک بہت ہی بلند چیخ ماری اور اسی وقت اس کی روح پرواز کر گئی۔ میں اس پر کپڑا ڈال کر کفن لینے کے لئے وہاں سے نکلا۔ میں نے کفن خریدا اور جب واپس وہاں پہنچا تو وہ اپنی جگہ پر نہیں تھا۔ میں نے کہا: سبحان اللہ۔ اور پھر ایک غیبی آواز سنی جو کہہ رہی تھی: اے ذوالنون! اس غریب کو دنیا میں شیطان نے تلاش کیا لیکن نہ پا سکا۔ تیرے مال نے اسے تلاش کیا لیکن تیرا مال اسے نہ دیکھ سکا۔ رضوان (بہشت کا نگہبان) نے جنت میں اسے تلاش کیا اس کو بھی نہ ملا۔ تو میں نے

عرض کی: وہ کہاں ہے؟ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے غیبی آواز سنی جو کہہ رہی تھی:

''بڑی پسندیدہ جگہ میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے پاس (بیٹھے) ہوں گے۔''

سلطان الاولیاء حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اپنے عشق کے متعلق فرماتے ہیں میں نے چالیس برس تک عام انسانوں کی غذا کو نہیں چکھا۔ اس کے بعد جب غور کیا تو ہر سمت بندگی اور خدائی نظر آئی۔ اس کے بعد تیس سال اللہ عزوجل کی جستجو میں گزار دیئے۔ پھر میں نے اللہ کو طالب اور خود کو مطلوب پایا۔ اب تیس سال سے یہ کیفیت ہے کہ جب بھی اللہ عزوجل کا نام زبان سے لینا چاہتا ہوں تو پہلے تین مرتبہ زبان کو اچھی طرح دھولیتا ہوں۔

ایک بزرگ سے عاشق کے بارے میں پوچھا گیا: انہوں نے فرمایا: اختلاط کم رکھے، زیادہ تر تنہائی اختیار کرے، ہر وقت متفکر رہے، خاموشی اختیار کرے، آنکھ اٹھائے تو دیکھے نہیں، آواز دی جائے تو سنے نہیں، بات کریں تو سمجھے نہیں، جب کوئی مصیبت آئے غم نہ کرے، بھوک آئے تو محسوس نہ ہو، برہنہ ہو تو پتہ نہ چلے، گالی ملے تو سمجھے نہیں، لوگوں سے ڈرے نہیں، خلوت میں اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان رکھے اور اس سے مانوس ہو، اس کے ساتھ مناجات کیا کرے، دنیا کے معاملے میں دنیا سے نہ الجھے۔

غنیمت داں اگر عشق مجازیست
کہ از بہر حقیقی کار سازیست

سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ظاہری طالب یا عاشق وہ ہوتا ہے جس کو ہر شے میں صرف اور صرف اپنا محبوب ہی نظر آتا ہے اور اس کے علاوہ اسے کچھ نظر نہیں آتا اور حقیقی عاشق الٰہی وہ ہوتا ہے جو اپنا ہر معاملہ محبوب حقیقی سے طے کرتا ہے اور وہ اپنے محبوب کے ہر فعل سے شاد و خرم ہوتا ہے اور اس کا دل اس

قدر صاف شیشہ کی مانند ہوتا ہے کہ اس میں اپنے محبوب کے جمال کا عکس بالکل روزِ روشن کی مانند نظر آتا ہے۔

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سوائے عاشقوں کے جسم و روح کے جو اپنے محبوب کے گرد پروانہ وار رقص کناں ہوتے ہیں باقی دنیا میں گردش بغیر غرض کے نہیں ہوتی۔ یہ عاشق ذات کل کا ہوتا ہے اور یہ جزوی چیز کے عاشق نہیں ہوتے کیونکہ جو جزو کا عاشق ہوا وہ کل سے دور ہو گیا۔ جب کوئی جزو کسی جزو کا عاشق ہوا تو اس کا معشوق جلد ہی اپنے کل کی طرف چلا جاتا ہے یعنی ہر چیز کو فنا ہے اور سب کو اسی حق کی طرف رجوع ہونا ہے مثلاً اس احمق کی داڑھی نے غیر حق کا غلام بننا چاہا۔ کمزور کا سہارا لیا اس لئے ڈوبا اور یہ مجازی معشوق اس لائق نہیں ہیں کہ بیمار کی تیمارداری کر سکیں یا اپنے عاشق مالک کی خدمت کر سکیں اسی لئے کہا گیا ہے کہ برا کام کرنا ہے تو بلند ہمتی سے کام لے کر آزاد عورت کے ساتھ کرو اور چوری کرنی ہو تو کم از کم موتی کی چوری کرو۔ مجازی عشق کا انجام یہ ہے کہ کوئی معشوق غلام جب اپنے مالک سے جا ملا تو اس عاشق کی حالت زار یہ ہوتی ہے کہ اس کی جوانی پھول کی خوشبو کی طرح اڑ جاتی ہے اور وہ کانٹے کی طرح سوکھ جاتا ہے۔ اس احمق کی مثال ایسی ہے جو شمع حقیقت کی روشنی دیوار پر دیکھے اور حیران ہو جائے پھر وہ اس دیوار کا عاشق ہو جائے کیونکہ اسے اس میں نور کی تجلی نظر آئی۔ اب اسے یہ معلوم نہیں کہ یہ مجازی ہے اور سورج کا عکس ہے۔ جب یہ روشنی اپنے اصل یعنی سورج سے جا ملی اور دیوار سیاہ ہو گئی تو پھر وہ احمق اپنے مطلوبِ حقیقی سے دور ہو گیا جس سے اس کی ساری محنت برباد ہو گئی۔ پس اگر تم کہو کہ چونکہ جزو کل سے ملا ہوا ہے تو عشق مجازی بھی عشق حقیقی ہے تو پھر پھول کی بجائے کانٹا کیوں نہیں کھا لیتے کیونکہ کانٹا بھی تو پھول سے جڑا ہوا ہے۔ اب یہ کہ جزو تو پوری طرح کل سے متصل ہے مگر ملا ہوا نہیں ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو رسولوں کو مخلوق کی ہدایت کے لئے بھیجنا بے کار ہوتا جبکہ رسول مخلوق کو حق سے واصل کرانے کے لئے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک ایسے نوجوان کے نزدیک سے گزرے جو باغ میں پانی لگا رہا تھا اس نے آپ سے کہا کہ بارگاہِ الٰہی میں دعا فرمایئے کہ اللہ رب العزت اپنے عشق کا ایک ذرہ مجھے مرحمت فرما دے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ایک ذرہ تو بہت زیادہ ہے تم اس کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس نے کہا: تو پھر نصف ذرہ ہی عطا فرما دے۔ اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پروردگارِ عالم سے دعا مانگی: یا اللہ! اسے اپنے عشق کا نصف ذرہ مرحمت فرما دے۔ یہ دعا مانگنے کے بعد آپ وہاں سے تشریف لے گئے۔ کافی عرصہ کے بعد ایک دن پھر اسی راستہ سے آپ کا گزر ہوا اور اس جوان کے بارے میں دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا کہ وہ تو دیوانہ ہو گیا ہے اور پہاڑوں پر چلا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پروردگارِ عالم سے دعا مانگی: یا اللہ! اس جوان سے میرا سامنا کرا دے۔ پھر آپ نے دیکھا کہ وہ جوان پہاڑ کی ایک چوٹی پر کھڑا ہو کر آسمان کی طرف دیکھے جا رہا ہے۔ آپ نے اسے سلام کیا لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ تم مجھے نہیں جانتے میں عیسیٰ (علیہ السلام) ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے عیسیٰ (علیہ السلام)! جس کے دل میں میری محبت کا نصف ذرہ بھی موجود ہو وہ کس طرح انسانوں کی بات سن سکتا ہے۔ مجھے قسم ہے اپنی عزت و جلال کی! اگر اسے آرے سے چیر کر دو ٹکڑے بھی کر دیا جائے تو اسے احساس تک نہ ہو گا۔

عشق کی راہ میں بے شمار مقامات آتے ہیں اور کئی مقامات ایسے بھی ہوتے ہیں جہاں عشق کمزور پڑ جاتا ہے اور ایمان مضبوط ہو جاتا ہے جبکہ کئی مقامات ایسے بھی ہوتے ہیں جہاں عشق مضبوط اور ایمان کمزور ہو جاتا ہے اور اللہ کے اولیاء کی یہ خاصیت ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی نفس امارہ کی دسترس میں نہیں جاتے کیونکہ اللہ عزوجل خود ان کے احوال کا نگہبان ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے غیبی ندا سنی کہ کب تک اسم ذات کے

ساتھ وابستہ رہو گے۔ اگر طلب صادق ہے تو مسمی کی جستجو کرو۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ندا سنی تو عشق الٰہی میں ایسے غرق ہوئے کہ دریائے دجلہ میں چھلانگ لگا دی۔ دریا کی ایک موج نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اٹھا کر کنارے پر پھینک دیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اس کیفیت کے ساتھ آگ میں کود پڑے لیکن آگ بھی گلزار ہوگئی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کیفیت میں کئی مرتبہ اپنی جان دینے کی کوشش کی لیکن کوئی بھی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔

اللہ عزوجل جس دل میں اپنی محبت بڑھ دیتا ہے اس پر دوسری محبتیں خودبخود ہی زائل ہو جاتی ہیں۔ محبت بڑھ کر عشق کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور عشق دل میں ہجر وفراق کی آگ کو بھڑکاتا ہے۔ تمام خواہشاتِ نفسانیہ کو روند ڈالتا ہے اور عاشق فراقِ محبوب میں شب و روز گریہ وزاری کرتا ہے۔ یہاں تک کہ دل کا شیشہ صاف چھلکنے لگتا ہے اور چہرۂ مقصود نظر آ جاتا ہے۔ وہ معرفت و عرفان کے ساتھ نئی زندگی پاتا ہے۔ سالک آغاز میں خود کو غیر خدا سمجھتا ہے اور حصولِ عرفان کے بعد خود کو عین خدا سمجھتا ہے۔ یہ ایک نئی اور عجوبہ زندگی ہے اور عاشقوں کو اگر وصالِ الٰہی کی امید نہ ہو تو وہ تڑپ تڑپ کر مر جائیں۔ بلوغِ اجل سے مراد اجلِ فنا ہے اور مومن کو ملے بغیر راحت نصیب نہیں ہوتی۔ عاشقانِ الٰہی ہر وقت ہجر وفراق میں گریہ وزاری کرتے ہیں اس لئے اللہ عزوجل ان پر مہربان ہو کر ان کو اپنے انعامات اور قرب کی بشارت دیتا ہے یہاں تک کہ وقت معین آن پہنچتا ہے اور انہیں قربِ الٰہی کی دولت نصیب ہو جاتی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے: "مرنے سے پہلے مر جاؤ۔"

جب تک سالک اپنی ہستی سے فانی نہ ہو۔ ذاتِ حق تبارک وتعالیٰ کے ساتھ باقی نہیں ہو سکتا۔ اللہ رب العزت تبارک وتعالیٰ دولت وصال حاصل ہونے سے پہلے عاشقوں کو قرب و وصال کی خوشخبری اس لئے دیتا ہے کہ شاید شوقِ الٰہی کے سبب ان کی محبت حد سے گزر ے اور ان کی قوتیں منقطع ہو جائیں اور وہ ہلاک ہو جائیں۔

حضرت شمعون محب رحمۃ اللہ علیہ حج بیت اللہ شریف سے فارغ ہوئے تو

آپ رحمۃ اللہ علیہ اہل فید کے اصرار پر ان کے ہاں وعظ کے لئے تشریف لے گئے۔
آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جب وعظ کیا تو اہل فید پر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے وعظ کا کچھ اثر نہ ہوا۔
آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ دیکھا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے قندیلوں کو مخاطب کر کے اپنا خطاب شروع کر دیا اور فرمایا کہ اے قندیلو! میں تمہیں محبت کا مفہوم سمجھاتا ہوں اور جب آپ رحمۃ اللہ علیہ نے محبت کا مفہوم بیان کرنا شروع کیا تو قندیلوں پر ایسی وجدانی کیفیت طاری ہوئی کہ باہم ٹکرا کر پاش پاش ہوگئیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ محبت کا مفہوم بیان کر رہے تھے کہ ایک کبوتر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی آغوش میں آ کر اتر گیا۔ پھر وہ کبوتر زمین پر بیٹھ گیا اور اپنی چونچ سے زمین کو کھودنا شروع کر دیا یہاں تک کہ اس کی چونچ لہولہان ہوگئی اور اس نے وہیں دم توڑ دیا۔

سچے عاشق کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ وہ محبوبِ حقیقی کی خاطر اپنی جان کو بھی خاک میں ملا دیتا ہے اور اگر محبوب کی جانب سے تقاضا ہو کہ وہ اپنی قربانی پیش کرے تو وہ اپنا سر بھی محبوب کی خاطر کٹوا دیتا ہے۔ عاشق حقیقی اپنے محبوبِ حقیقی کے تقاضے پر کبھی کسی بات پر حیل و حجت کا اظہار نہیں کرتا۔ چنانچہ اس کے اس فعل کی بدولت محبوبِ حقیقی اس سے راضی ہو جاتا ہے اور اسے اپنے دیدار و قرب سے نوازتا ہے۔

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ''مثنوی مولانا روم'' میں فرماتے ہیں کہ عاشق لوگ خوشی کے جام اس وقت پیتے ہیں جب وہ اپنے محبوب کے ہاتھوں قتل ہو جاتے ہیں۔
اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نفس کی دغابازیوں اور فریب کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کرتے تھے کیونکہ وہ اپنے نفس کے عیبوں کو ختم کرنا چاہتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں ان کے عیوب سے آگاہ کریں اور وہ اپنے باطن کی اصلاح کریں اور نفس کے مکروفریب سے بچ سکیں اور ان کے عشق میں دنیا کے میلان کی وجہ سے کسی قسم کی کوئی کمی نہ آنے پائے۔ محی الدین حضور سیّدنا غوث الاعظم حضرت سیّدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عاشق مولا کے لئے دنیا ہی

جنت ہے کیونکہ وہ خلق کو اپنا محبوب دیکھتا ہے اور خلق کو دیکھ کر اس کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی ہے۔ جس دل میں عشق الٰہی سما جاتا ہے وہ دل غیر اللہ کے خس و خاشاک سے پاک ہو جاتا ہے۔ سلطان عشق وقلب سے ہر چیز کو باہر نکال دیتا ہے اور اس قلب میں صرف اللہ ہی اللہ باقی رہ جاتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے:

"اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔"

عاشقوں کے دل عشق الٰہی کے باعث موم کی طرح نرم و ملائم ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کا محبوب جس طرف چاہتا ہے ان کے دل کو موڑ دیتا ہے۔ عشق الٰہی کی تپش ہی اس قدر ہوتی ہے کہ عاشق کا دل پگھل جاتا ہے اور وہ خود کو مکمل طور پر محبوب کے حوالہ کر دیتا ہے۔ عاشق خود کو محبوب کے حوالے اس طرح کرتا ہے جس طرح مردہ کو غسال کے حوالے کیا جاتا ہے کہ غسال جس طرح چاہتا ہے مردے کو اِدھر اُدھر موڑتا رہتا ہے۔

ہر معشوق اپنے عاشق کے دل کی غیرت کرتا ہے وہ نہیں چاہتا کہ اس کے دل میں سوائے اپنے معشوق کے کسی چیز کی بھی محبت ہو۔ اگر اس کی محبت اپنے معشوق کے سوا کسی اور شے کے ساتھ بھی ہو تو معشوق اس شے کو ہلاک کر دیتا ہے اور معدوم کر دیتا ہے تاکہ عاشق کے دل میں صرف اپنے معشوقِ حقیقی کی محبت باقی رہ جائے۔

عشق سے متعلق ایک جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ بندہ کو حق تعالیٰ کا عشق ہو سکتا ہے لیکن حق تعالیٰ کو کسی سے عشق ہو یہ کہنا جائز نہیں ہے۔ اس جماعت کا یہ بھی قول ہے کہ عشق ایسی صفت ہے جو اپنے محبوب سے روکا گیا ہو اور بندہ کو حق تعالیٰ سے روکا گیا ہے اور حق تعالیٰ بندہ سے رکا ہوا نہیں ہے اس لئے بندہ پر تو عشق کا استعمال جائز ہے لیکن حق تعالیٰ پر اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔

حضرت شیخ ابوبکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ نے کم سنی میں ہی حج کا ارادہ کیا اور والدہ سے

اس کی اجازت طلب کی۔ والدہ نے اجازت دے دی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ حج کے لئے روانہ ہوگئے۔ دورانِ سفر آپ رحمۃ اللہ علیہ کو غسل کی حاجت پیش آئی چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بیداری کے بعد یہ خیال کیا کہ میں والدہ سے چونکہ بغیر کسی عہد و پیماں کے نکل کھڑا ہوا ہوں اس لئے آپ رحمۃ اللہ علیہ گھر واپس لوٹ آئے۔ گھر پہنچے تو والدہ کو دروازہ میں کھڑے دیکھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے والدہ سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے مجھے اجازت نہ دی تھی؟ والدہ نے کہا کہ بے شک میں نے تمہیں اجازت دی تھی لیکن تمہارے بغیر میرا دل نہیں لگتا تھا اس لئے میں نے خود سے یہ عہد کیا کہ جب تک تم گھر واپس نہیں آجاتے میں دروازے پر کھڑی ہو کر تمہارا انتظار کروں گی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو جب والدہ کے اس ارادے کا پتہ چلا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حج کا ارادہ ترک کر دیا۔ والدہ کے وصال کے بعد حضرت شیخ ابوبکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ پھر حج کے لئے روانہ ہوئے تو راستہ میں حضرت شیخ ابوبکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ کا گزر ایک قبر سے ہوا جس میں موجود مردہ ہنس رہا تھا۔ حضرت شیخ ابوبکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ نے سوال کیا کہ تو مرنے کے بعد کیوں ہنستا ہے؟ مردہ نے جواب دیا کہ عشق خداوندی میں یہی کیفیت ہوا کرتی ہے۔

خواجہ خواجگان، سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے عارفوں کے ذکر کے سلسلہ میں فرمایا کہ عارف وہ شخص ہے جس پر عالم غیب سے ہر روز سو ہزار تجلیاں عکس فگن ہوں۔ ایک ہی وقت میں کئی ہزار جلوے اور کئی ہزار کیفیتیں ظاہر ہو جائیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عارف تمام عالم کی خبر رکھتا ہے۔ محبت کی باریکیوں کی اچھی طرح تصریح و تشریح جانتا ہے۔ عارف وہ ہے جو ہر وقت عشق کے دریا میں تیرتا رہتا ہے۔ اسرار سرمدی اور انوار الٰہی کے موتی نکال کر لاتا ہے اور پرکھنے والے جوہریوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ جو دیکھتا ہے وہ پسند کرتا ہے اور اس کے عارف ہونے کی گواہی دیتا ہے۔ عارف کے دل پر عشق ہر وقت جوش مارتا رہتا ہے اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ہر وقت دوست کی یاد میں مستغرق رہتا ہے۔ کھڑا ہو تو دوست کی یاد

میں ،بیٹھا ہو تو دوست کے تصور میں، سوئے تو دوست کے خیال میں۔ حتی کہ عالم بیداری میں عظمت الٰہی کے گرد طواف کرتا ہے اور وہ دم بھر کیلئے بھی دوست کی یاد سے غافل نہیں رہتا۔

حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی عاشق بننے کا خواہش مند ہے تو اسے چاہئے کہ وہ محبوبِ حقیقی کا دامن مضبوطی سے تھام لے اور محبوب اس سے جان کا بھی متقاضی ہو تو جان دینے سے بھی دریغ نہ کرے۔ عاشق کو کبھی ناامید نہ ہونا چاہئے اور جیسے جیسے اس کا عشق پروان چڑھتا جائے اس کی امید اتنی ہی بڑھتی جانی چاہئے۔محبوب اس کو ہزار بار بھی دھتکارے مگر وہ پھر بھی اس کی امید کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دے۔

اولیاءعظام رحمہم اللہ کی ایک جماعت کا قول ہے کہ اللہ عزوجل کی ذات کا عشق دونوں جہان میں درست نہیں البتہ ادراکِ ذات کا عشق ممکن ہے مگر حق تعالیٰ کی ذات مدرک نہیں ہے لہٰذا اس کی کسی صفت کے ساتھ ہی عشق و محبت درست ہو سکتا ہے اس کی ذات کے ساتھ درست نہیں ہو سکتا۔

ایک مرتبہ ایک محفل میں ہر شخص عشق کے بارے میں اپنے تجربات بیان کر رہا تھا۔ حضرت شیخ غوث بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے عشق کی حقیقت کے بارے میں فرمایا کہ دوستو! عشق میں ہر شخص کے تجربات نئے نئے اور انداز جدا جدا ہوتے ہیں مگر حقیقی عشق وہی ہے کہ عارف حق تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ دیکھے۔ ابھی آپ رحمۃ اللہ علیہ اس قدر ہی کہہ پائے تھے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ پر حیرت غلبہ عشق طاری ہو گیا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے ذیل کی رباعی جاری ہو گئی اور اسی حالت میں آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنی نشست سے اٹھ کھڑے ہوئے:

آں کس کہ شناخت جاں راچہ کند
فرزند و عیال و خانماں راچہ کند

دیوانہ کنی ہر دو جہانش بدہی
دیوانہ تو ہر دو جہاں راچہ کند

”جو تجھے پہچان گیا ہے وہ اس جان کا کیا کرے گا۔ بیوی بچوں اور گھر کا کیا کرے گا۔ تو نے اسے اپنا دیوانہ بنا کر دونوں جہان بخش دیے مگر تیرا دیوانہ دونوں جہان کا کیا کرے گا؟“

سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عشق کی حقیقت کو پانا آسان نہیں ہے۔ جس نے عشق کی حقیقت کو پا لیا اس نے ساری کائنات کو پا لیا۔ جس طرح مجازی عاشق کی آنکھیں ہر وقت خون سے رنگی ہوتی ہیں اور سرخ رنگ بے نور ہوتا ہے۔ اس کا چہرہ اجاڑ ہوتا ہے اور وہ ہر وقت خیالوں میں کھویا رہتا ہے۔ مجازی عاشق کے مقابلہ میں اللہ والوں کی یہی کیفیات قدرے فرق کے ساتھ موجود ہوتی ہیں۔ مثلاً اس کی آنکھیں بھی سرخ مگر خاص چمک لئے ہوئے ہوتی ہیں۔ اس کا دل بھی کھویا رہتا ہے مگر یار کی تلاش میں اور یہی عشق حقیقی کی نشانی ہے۔

بقول مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ!

چوں تو کردی ذات پیری را قبول
ہم خدا آمد وہم ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی جان و دل قربان کر دیجئے اور ان کے فرمان پر دل و جان سے ایمان لایئے کیونکہ اللہ عزوجل خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہے پس جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں کامل ہو گیا وہ منزلِ مقصود کو پا گیا۔ اسے مالک حقیقی کی محبت بھی مل گئی اور وہ مالک حقیقی سے اپنے عشق کے دعوی میں سچا ہے۔

عقیدہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیان یہ ہے کہ اولاً ہیولا بے عالم حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جانے یعنی عالم نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور تسلیم کرے اور کلامِ پاک یعنی قرآن مجید

کو سچا مانے۔ پس جیسے توحید الٰہی ہے اسی طرح توحید محمدی ﷺ ہے اور ہر چیز کا ظہور نور محمدی ﷺ کے ظہور کے سبب ہے۔

حضرت سمنون محب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محبوبانِ خدا تو دنیا و آخرت کی شرافت کے ساتھ واصل بحق ہوتے ہیں کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آدمی بروزِ محشر اس کے ساتھ ہوگا جس سے اسے زیادہ محبت ہوگی۔

قربتوں نے بھی اٹھائے ہیں نگاہوں سے حجاب
دوریوں سے بھی دلوں کا فاصلہ کچھ کم ہوا
دل وہی دل ہے جو سوزِ عشق سے ہو بے قرار
سر وہی سر ہے جو تیرے آستاں پر خم ہوا

باب 2:

تحریکات نفرت و تنگ نظری

۱۸۵۷ء عیسوی کی جنگ آزادی یا غدر سے لے کر ۱۹۴۷ء عیسوی تک کا عرصہ تاریخ برصغیر میں بہت ہی سخت' حوصلہ شکن' خونریزیوں کا مجموعہ اور روح فرسا ہے' مسلمانوں کے لئے یہ دور سخت ترین مصائب و مشکلات کا دور تھا' ان کا ستارہ آزادی ڈوب چکا تھا اور اغیار کے ساتھ ساتھ اپنوں کے کارناموں نے رہی سہی ہمت بھی توڑ دی تھی' مذہب سے برانگیختی کی جو تحریکیں ہندوؤں نے اپنے مذموم ارادوں کے تحت شروع کی تھیں مسلمان کی بدقسمتی اور بدبختی سے اپنوں ہی کے ہاتھوں پروان چڑھ کر تناور درخت بنیں اور مسلمانوں کے جذبات کو انتہائی حد تک ٹھیس پہنچانے کا باعث بنیں۔

نظریاتی جنگ کا آغاز۔

جنگ آزادی ہارنے کے بعد مسلمانوں کے لئے ایک ایسی جنگ کا آغاز ہوا جو جغرافیائی سرحدوں کی بجائے نظریاتی بنیادوں پر لڑنا پڑی عیسائیت اور اسلام کی روز اول سے چلی آئی آویزش نے نیا رخ اختیار کیا اور ہندوؤں نے اپنی مکارانہ ذہنیت سے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور ہندو عیسائی اتحاد سے یہ بات ناگریز نظر آنے لگی کہ کہیں ہسپانیہ کی طرح برصغیر سے بھی مسلمانوں کا نام و نشان نہ مٹ جائے لیکن شاید قدرت کو یہ منظور نہ تھا اور نہ صرف عیسائی بلکہ ہندو بھی اپنے مذموم عزائم میں کامیاب نہ ہو سکے اور انہیں مجبوراً مسلمانوں کو بھی آزادی دینا پڑی کیونکہ ان کی تمام تر ذہنی' مادی' سیاسی' معاشرتی کوششیں ناکام ہو گئیں تھیں۔

اسلام کی سربلندی کے بارے میں کسی مغربی مفکر نے کیا خوب کہا ہے کہ۔

ایک تبصرہ:۔

''گو مختلف ادوار میں مختلف میدانوں پر مسلمانوں نے دوبدو لڑائی میں منہ کی کھائی اس کے تذکرے بھی ملتے ہیں کہ رزم گاہوں میں کئی بار ان کے قدم اکھڑ گئے مگر ان تمام شکستوں، ناکامیوں اور پسپائیوں کے باوجود اسلام ہمیشہ سربلند و فتح یاب رہا دین اسلام کسی وقت اور کہیں بھی ناکامی سے دوچار نہیں ہوا بلکہ تعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ زخم خوردہ مسلمانوں میں بیداری کی لہر، حکمرانی و جہانبانی کی خواہش اور انقلاب کی جرأت بھی فلسفہ دین کے سبب ہی پیدا ہوئی، میں نہیں جانتا کہ مسلمانوں نے کسی وقت اسلام کو بچایا ہو بلکہ اسلام نے ہی اپنے پیروکاروں کو وقت کی آندھیوں، حریف کی یلغاروں اور عجم کے تھپڑوں سے ہمیشہ محفوظ رکھا۔''

عیسائی استعمار کی ذہنیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹران نے اپنی مرکزیت قائم کرنے کے فوراً بعد اپنا ایک اجلاس بلایا جس میں مجلس کے صدر مسٹر نیکلز نے برطانوی پارلیمنٹ میں خطاب کرتے ہوئے کہا۔

''قدرت نے ہندوستان کی وسیع سلطنت انگلستان کو اس لئے تفویض کی ہے کہ خداوند مسیح کا جھنڈا ہندوستان کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک فاتحانہ لہرائے، ہر شخص کو چاہیئے کہ وہ اپنی قوت صرف کر دے تا کہ تمام ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کا کام جاری رکھنے میں کسی وجہ سے کوئی تعویق نہ ہو سکے۔''

اسی بناء پر انگریزوں نے ہندوستان میں عیسائی مشنریوں کا جال بچھایا اور اس جال کے ذریعہ ہندوؤں کی نچلی ذاتوں (اچھوت، سانسی، کاڑے اور چوہڑوں) کو عیسائی بنانے میں کامیاب ہو گئے جبکہ مسلمانوں کے غریب اور مزدور پیشہ طبقوں میں انہیں سخت ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، البتہ بعض آزاد پرست امراء کا طبقہ ان کے جال میں پھنس کر عیسائیت قبول کرنے پر مجبور ہو گیا اور اس طرح وہی طبقہ مسلمانوں کو ان کے

عقائد کی بنیادوں سے اکھیڑنے کے کام میں ہراول دستہ بنا۔

تھیوسوفیکل سوسائٹی آف امریکہ:۔

دوسری طرف ایک عیسائی سوسائٹی جس کا تعلق امریکہ سے تھا اور جو انتہائی تنگ نظر اور اسلام دشمن تھی اور جس کا کام ماسوائے اسلام کے دنیا کے تمام مقامی مذہبوں کو تقویت و پروان چڑھانا تھا' اس کو بھی برصغیر میں کام کرنے کی اجازت مل گئی' اس سوسائٹی کا نام تھیوسوفیکل سوسائٹی تھا۔ سوسائٹی کے زیر اہتمام چھپنے والے رسالوں میں ایک ایک حرف زہر سے بھرپور ہوتا اور ہر لفظ میں چھپی ہوئی آگ خرمن دل کو جلا دیتی' اس سوسائٹی نے ہر وہ حربہ برصغیر میں استعمال کیا جو اس کے سازشی ذہن کی پیداوار تھا' اس نے یہاں کے ہندوؤں کو یکجا کرنے اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کے لئے عملاً سرپرستی کی اور ہر موقع پر بھاری مالی امداد بھی مہیا کی اور اس طرح سلگتی ہوئی آگ پر تیل ڈال کر چنگاریوں کو شعلہ فشاں بنایا۔

ہندوانہ تحریکیں

آریہ سماج:۔

اس تحریک کا بانی گجرات کا ایک برہمن ''مول شنکر'' تھا جو بعد میں سوامی دیا نند سرسوتی کہلانے لگا' وہ ابتدائی عمر میں بت پرستی کے خلاف ہو گیا تھا' اس کی وجہ ایک غیر مصدقہ روایت کے مطابق یہ تھی کہ ایک مرتبہ اس کی اس موضوع پر بحث کسی مولوی سے ہوئی تھی جس سے اس کے نظریات میں تبدیلی آئی تھی اور اس نے اس تحریک کو بھی ''ہندو مت کی اصلاح'' کی تحریک سے موسوم کیا اور اپنے آپ کو ایک ریفارمر کی حیثیت سے ہندوؤں کے سامنے پیش کیا تاکہ ہندوؤں کو توہم پرستی اور دیگر خلاف فعل رسومات سے روکا جائے اور انہیں مبلغین اسلام کی یلغار سے روکا جا سکے نیز نئے تعلیم

یافتہ طبقے کی عقلیت پسندی کو سراہا جائے کیونکہ وہ ان عقائد کے خلاف تھا۔

تھیوسوفیکل سوسائٹی نے اس تحریک کو اپنے مقصد کے لئے مفید جانا اور اس کے پروان چڑھانے میں مالی و ذہنی تعاون مہیا کیا اور اس تحریک کے زیر اہتمام جابجا ہندو ذہنیت کے مظاہرے شروع ہو گئے اور اس تحریک کو جلا بخشنے میں اس کے ایک لیڈر بنکم چندر چٹر جی کا شاطرانہ ذہن تھا۔ یہ بنگالی مصنف تھا۔

اس شخص نے اپنا پہلا ناول ''انند ناتھ'' ۱۸۸۲ عیسوی میں شائع کروایا جس میں ہندوؤں کی متعصبانہ ذہنیت کی روش کا بھرپور استعمال سامنے آیا' اس ناول کے ذریعہ اس نے کالی ماتا کے بچوں کو یہ ترغیب دی کہ اپنے وطن کو ناپاک مسلمانوں سے خالی کروائیں۔

اس طرح اس ناول کا خاتمہ اس طرح ہوتا ہے کہ دھرتی ماتا کے بچے مسلمانوں کے گاؤں اور محلے لوٹ لیتے ہیں اور جب دھرتی ماتا کو ملیچھ لوگوں سے پاک کرلیا جاتا ہے تو جنگ بند ہو جاتی ہے' اس کے بعد وہ ہندوؤں کو انگریزوں سے تعاون کا حکم دیتا ہے تاکہ وہ انگریزوں کی مدد سے دھرتی کو پاک صاف کر کے ان کی حکومت کو قائم کر سکے' یہی وہ ناول ہے جس میں ''بندے ماترم'' گایا گیا جس کو بعد میں ہندوستان کا قومی ترانہ بنانے کی سعی کو مسلمانوں نے بصد مشکل روکا۔ بنگلہ دیش کے قدیم پرانا ''سنہرا بنگال'' کا بھی یہی مصنف ہے۔

بال گنگا دھر تحریک:-

اس کا بانی بال گنگا دھر تلک ہے جو ۱۸۵۶ عیسوی میں مہاراشٹر کے ایک برہمن خاندان میں پیدا ہوا' اس کی پالیسی ہندومت کے احیاء کی جارحانہ پالیسی تھی' وہ بھگوت گیتا کی تعلیمات کا پرچارک تھا اور سیوا جی کو قومی ہیرا جانتا تھا اس نے بھگوت گیتا اور سیوا جی کی زندگی سے یہ اصول اخذ کئے کہ دشمن کو ختم کرنے کے لئے وہ تمام

...ے استعمال کئے جائیں جو دھوکہ دہی پر مشتمل ہوں اس کا کارنامہ مسلمانوں کے ...اف نفرت پھیلانا اور گائے کی حفاظت کی انجمنیں قائم کرنا تھا اسی بنیاد پر گئوکش ...وں کے استیصال و احتساب کے لئے اس نے اکھاڑے اور لاٹھی کلب قائم کئے اسی ...رح گنپتی میلوں کا انعقاد کیا اور اس طرح کے میلوں میں مسلمانوں پر حملہ' ان کا قتل عام' ...ا کا مال لوٹنا معمول قرار دیا گیا۔

...ریک شُدھی:۔

اس تحریک کی ابتداء آریہ سماج کے زیر اثر ہوئی تا کہ برصغیر کے تمام غیر ...ووں کو ہندو بنایا جائے اور اس مقصد کے لئے گائے کا پیشاب' گوبر' دہی' دودھ اور ...ن میں ملا کر کھلایا جاتا تھا اور اس آمیزہ کو پنج رتن کا نام دیا گیا ہے' اس کو پروان ...ھانے کا سہرا سوامی شردھانند کے سر ہے۔ ۱۹۲۰ عیسوی کے تحت اس تحریک نے ...ت اختیار کی اور یہ ہندوؤں کی سیاسی تحریک کا حصہ بنی اور ڈاکٹر مونجے جیسا منجھا ہوا ...ست دان اس کا براہ راست نگران مقرر ہوا لیکن ہندوؤں کی بدقسمتی سے یہ تحریک ...ے بھرپور نتائج پیدا کرنے میں ناکام رہی۔

...ھٹن تحریک:۔

اس کا آغاز ۱۹۲۳ عیسوی میں ہوا اس کا اصل قائد ڈاکٹر مونجے تھا' اس کے ...ق ہندوستان میں ۷۰ ملین مسلمان اور ۲۲۰ ملین ہندوؤں ہیں اور مسلمان ہندوؤں ...لئے شدید خطرہ ہیں' اگر ان کی رفتار اسی طرح بڑھتی گئی تو ساڑھے چار سو سال میں ...ستان میں ایک بھی ہندو نہ رہے گا' اس لئے ہندوؤں کو اپنا دفاع کرنے کے لئے ...ہونا چاہیئے' اس کے تحت ایسے مراکز قائم کئے گئے جہاں ہندو نوجوانوں کو ورزش و ...ا کے علاوہ جوڈو کراٹے' لاٹھیوں اور خنجروں کا استعمال سکھایا جاتا تھا تا کہ ہر ممکنہ ...یقے سے مسلمانوں کا خاتمہ کر سکے۔

تقسیم ہند کے قاتلانہ دور میں اسی تنظیم کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے کیونکہ ہندوستان کے نزدیک مقاصد کی تکمیل کا واحد طریقہ تشدد تھا۔

بقول ڈاکٹر مونجے! ''تم اس وقت تک مسلمانوں کو ہندو بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم ثابت نہ کر سکو کہ تمہارے جسموں میں جان ہے۔''

اس تحریک کو پروان چڑھانے کے لئے پردیال سنگھ نے اہم کردار ادا کیا' اس کے نزدیک اس کی تشکیل کا مقصد آزاد ہندو ریاست کا قیام' ہندو روایات کا اجراء' ہندو قومی لیڈروں کا احترام' ہندوؤں کے مقدس مقامات سے محبت اور ہندوؤں کی ثقافت سے لگاؤ تھا' نیز مسلمانوں کو غیر ملکی حملہ آور' ڈاکو' جرائم پیشہ اور ضرر رساں مخلوق قرار دیا گیا' مختصراً یہ کہ اس تحریک کا اصل مقصد مسلمانوں کو ڈرا دھمکا کر ہندو بنانا تھا' اگر یہ داؤ کارگر ثابت نہ ہو تو انہیں بزور شمشیر تہ تیغ کرنا تھا۔ شدھی کے تحت تحریر و کتابت کے ذریعہ مسلمانان ہند کو ورغلانا اور انہیں گمراہ کر کے ان کا خاتمہ کرنا تھا۔

تحریک گستاخی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:۔

شدھی تحریک کے زیر اہتمام یہ سازش سوچی گئی کہ تحریر و تقریر کے ذریعہ مسلمانوں میں قرآن پاک اور حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مسلمانوں کے قلوب میں شکوک وشبہات پیدا کیا جائیں اور اس شدت سے یہ کام کیا جائے کہ مسلمان اپنے اصلی عقیدہ سے مکمل طور پر دلبرداشتہ ہو کر اپنے مسلمان ہونے سے باغی ہو جائے تاکہ بعد میں اسے اپنے جال میں پھنسا کر باقاعدہ ہندو بنایا جا سکے اور اس طرح برصغیر سے اسلام کا خاتمہ کیا جا سکے۔ اسی سلسلہ کی ایک مربوط کڑی کانگریس کے اجلاس ۱۹۲۲ عیسوی کی وہ قرارداد ہے جس کے متن کے مطابق۔ ''سوتنتر بھارت میں گاؤکشی قانوناً ممنوع ہو گئی''

اس قرارداد کے تحت ایک طوفان بدتمیزی اٹھ کھڑا ہوا اور ملک کے مختلف شہروں اور قصبات سے گمراہ کن رسائل اور دلآزار کتب کا آغاز ہوا اور ان میں انتہائی بے ہودہ اور ناشائستہ زبان استعمال ہونے لگی' ان سب کی اشاعت کے مراکز میں سے

چند ایک ملکانہ، متھرا، بھرتپور، گوڑ گانواں، گوبند گڑھ، جے پور، کشن گڑھ، مضافات اجمیر، قصور، ننکانہ، منڈی بہاؤ الدین، لاہور، کراچی، کلکتہ اور آگرہ تھے۔

۱۹۳۵ عیسوی میں آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند سرسوتی کی صد سالہ تقریبات منائی گئی، اس میں ہندوستان بھر سے ہندو لیڈر جمع ہوئے اور اس میں ایک قرار داد منظور کی گئی کہ اسلام اور داعی اسلام کے خلاف شکوک وشبہات اور زہریلے لٹریچر کے ذریعے سیدھے سادھے مسلمانوں کو اپنے جال میں پھنسا کر ہندو بنایا جائے اور انہیں بتایا جائے کہ تمہارے آباؤ اجداد ہندو تھے اور اسلام دیار غیر سے زبردستی کا آیا ہوا مذہب ہے اور یہ ہر لحاظ سے بھگوان کی ناراضگی کا باعث ہے اور تمہاری فلاح اس میں ہے کہ تم دوبارہ ہندو بن کر رام اور بھگوان کے پرچارک بن جاؤ۔ اس قرار داد نے اس طوفان بدتمیزی کو انتہا تک پہنچایا جس کے نتیجہ میں غالب اکثریت نومسلم اور ہندوؤں کے اکثریتی علاقوں میں بسنے والے مسلمان اقلیت تھی۔

ابتداء میں صرف تحریر وتقریر سے کام لیا گیا، پھر دل آزار لٹریچر کی اشاعت کا کام شروع کیا گیا اور پھر بعد ازاں کھلم کھلا طاقت کا استعمال شروع ہوا اور پھر آخری چارہ کے طور پر حضور رسول پاک ﷺ کی شان رحمت میں گستاخانہ الفاظ، فحش کلمات اور خیالی مناظر کا اشاعتی کام شروع ہوا، دوسری طرف برطانوی سامراج کے زیر اثر جھوٹے نبیوں کو پروان چڑھایا گیا اور ان کی در پردہ کھلم کھلا مدد کی جانے لگی۔

یہ کام اس قدر عروج پر پہنچا کہ ان کی زبانوں نے اخلاق وتمدن کا ساتھ بھی چھوڑ دیا اور اس کی جگہ گالی گلوچ، فحش اور غلیظ حرکات والفاظ کا استعمال شروع ہوگیا کہ زبان ایسے الفاظات کو دہراتے ہوئے لرزتی ہے اور دل سینہ سے باہر آجاتا ہے، یہ بات یہاں تک بڑھی کہ غیرت ایمانی تڑپ اٹھی جس کے نتیجے میں احساس محرومی مسلمانوں میں دم بدم بڑھنے لگا، دل ودماغ آتش فشاں بننے لگے، محبان رسول اللہ ﷺ کی تڑپ حب اپنے کوزہ سے باہر چھلکنے لگی اور اپنے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی

ناموس پر قربان ہونے کا جذبہ شعلہ فشاں بن کر کسی بھی وقت پھٹنے کو تیار رہنے لگا۔
''بحوالہ آواز دوست''

مسلمانوں کی محرومیاں از حد بڑھ گئیں' پھر ہندو فوج نے دو فیصلہ کن حملے کئے ایک جان و مال پر اور دوسرا دین و مذہب پر' فساد روزمرہ کا معمول بن گیا اور گاہے بہ گاہے دل آزار کتابیں بھی شائع ہونے لگیں۔ انہیں حالات میں پاکستان کا مطالبہ زور پکڑنے لگا' جبکہ اس مطالبہ کی ہندوؤں کی طرف سے مخالفت نے اپنا عروج پکڑا۔ ہندو مہاسبھا اس معاملے میں سب سے زیادہ پیش پیش تھی۔ اس کے صدر ساورکر نے اپنے خطبہ صدارت میں ہندوؤں پر واضح کیا کہ پاکستان ہندوؤں کے لئے خودکشی کے مترادف ہے' ہندوستان کی وحدت اگر قائم رہ سکتی ہے تو ہندوؤں کی عسکری تنظیم کے بل بوتے پر اور انہی کے زور بازو پر' اس لئے اس تنظیم کی قوت کو اتنا بڑھا دو کہ مسلمان کے پاس اپنے مطالبہ سے ہٹنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے' پاکستان کے زہر کا تریاق یہ ہے کہ ہر نومسلم کو دوبارہ ہندو بنالیا جائے اور باقی مسلمان کی شدھی کر دی جائے' اگر یہ کام ہوگیا تو پھر پاکستان کا مطالبہ کرنے والا ہی کوئی باقی نہ رہے گا۔'' (یکم جنوری ۱۹۴۴)

سنگھٹن شدھی تحریک نے اب ایک نیا انداز اختیار کیا اور جگہ جگہ مسلمانوں کو شدھ کرنے کی رسم کا ڈھونگ رچانا شروع کیا اور اس کے ساتھ ہی قرآن پاک کے اوراق کو جلانے کا کام شروع کر دیا' اس کے علاوہ قرآن پاک کو (نعوذ باللہ) ریاکاری' اور منافقت کا مجموعہ اور قابل ضبط کرنے کا مطالبہ حکومت وقت سے شروع کر دیا' اس کے علاوہ حضور رسول پاک ﷺ کی ذات مبارکہ اور نفوس پاک پر رکیک حملے شروع کر دیئے۔ (بحوالہ روزنامہ انقلاب ۱۹۲۳)

طوفانِ ہرزہ سرائی کی انتہاء:-

اسی زمانہ میں ''رنگیلا رسول'' نامی کتاب کے ناشر راج پال نے مزید دو کتب اس سلسلہ میں شائع کیں جن میں قرآن پاک اور حضور رسول پاک ﷺ کی ذات

مبارکہ پر کئی رکیک اور شرم ناک حملے کیے گئے' ان میں سے ایک کتاب کا نام ''بلیدان چتر اولی'' تھا اور دوسری کا نام ''چودھویں کا چاند'' تھا۔ دوسری طرف انگریز سامراج بھی ہندوؤں سے کسی صورت پیچھے نہ تھا' اس نے بھی اس ضمن میں اپنی مساعی ظاہراً و پوشیدہ جاری رکھی۔

۱۹۳۵ عیسوی کے شروع میں لندن سے ایک کتاب "Story of Muhammad" (محمد کی کہانی) از مصنفہ ایڈتھ ہینڈ کی شائع ہوئی جس کو لندن کی ایک فرم جارج ہیرپ اینڈ کمپنی نے شائع کیا اور جس میں حضور رسول کریم ﷺ کی پانچ خیالی تصاویر بھی شائع کیں' ان تصاویر کو ایک بدبخت مصور ایم ایم ولیم نے اس عورت اور اپنے تصورات کی روشنی میں انتہائی بھونڈے طریقے سے بنایا تھا' تاکہ مسلمانوں کے جذبات برانگیختہ کیے جاسکیں' یہ تصاویر مختلف حالتوں ایام طفولیت' واقعۂ معراج اور فتح مکہ وغیرہ کے بارے میں تھیں' اس کتاب کا اندازِ بیان انتہائی شرمناک اور خباثت کا اعلیٰ نمونہ تھا جس سے مسلمانوں کے جذبات برانگیختہ ہوئے اور آریہ سماج کے جذبات کو نہ صرف تسکین ملی بلکہ انہوں نے اس کو ایک تحفہ رام جانا اور اس کی تشہیر کی بھی حتی الوسع کوشش کی' تاکہ ان کے مذموم ارادے پورے ہوسکیں۔ اس سے تحریک پاکر اس زمانے میں دو پمفلٹ ''انیسویں صدی کا مہرشی'' اور ''کفر توڑ و اسلام توڑ'' شائع ہوئے جن کا ایک ایک لفظ زہر آلود اور مسلمانوں کے قلوب پر تیروں کی بارش برسانے والا تھا۔

دوسری طرف ہندو اخبارات و رسائل بے انتہا شرم ناک اور شرانگیز تحریریں چھاپنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں مصروف تھے' ان میں ''بے گدی'' برج چاندنی اور ٹائمز آف انڈیا بالخصوص پیش پیش تھے' اس کے لئے ایک ہی مثال کافی ہے اور وہ ۳ مارچ ۱۹۳۶ء عیسوی کا شمارہ ٹائمز آف انڈیا ہے۔

اس تحریک نے آگے بڑھتے ہوئے ''رنگیلا رسول'' کے بعد مارچ ۱۹۳۵ء کی

ابتداء کے ساتھ ہی ایک قدم اور آگے بڑھایا اور دیدار رسول نامی کتاب لاہور سے شائع کی گئی' اس کتاب کا سرورق انتہائی شرم ناک تھا اور ایک فاحشہ عورت کو انتہائی ننگے انداز میں حضور رسول کریم ﷺ کی خیالی شبیہ کے ساتھ دکھایا گیا تھا اور اس کتاب کی رونمائی ۴ مارچ ۱۹۳۵ عیسوی کو ایک تقریب میں ہوئی جس پر مسلمانوں میں ازحد اضطراب پیدا ہوا اور ممکن تھا کہ مسلمانوں کا احتجاج ہندو مسلم فساد کا باعث بن جاتا اور لاہور میں طوفان خون ریزی اٹھ کھڑا ہوتا کہ آریہ سماجی ناشر کتاب دہشت کا شکار ہو گیا اور ۶ مارچ ۱۹۳۵ء عیسوی کو اس کی طرف سے تحریری معذرت نامہ اخبارات میں اس خبر کے ساتھ شائع ہوا۔

''کتاب ''دیدارِ رسول'' کے ناشر نے پرسوں ۴ مارچ ۱۹۳۵ عیسوی کو بعداز دوپہر حاجی محمد دین سنگ فروش کی دکان بیرون لوہاری گیٹ پر بہت سے مسلمان معززین کے سامنے اپنی معذرت کا اظہار کرتے ہوئے کتاب کے سرورق پر ایک بازاری عورت کی تصویر کی اشاعت پر اظہار افسوس کیا اور تحریری معافی مانگی۔''

معافی نامہ کی تحریر اس طرح ہے۔

''میں نے کتاب مذکور کے سرورق کو اتار کر جلا دیا ہے کتاب ''دیدار رسول'' کے شرمناک سرورق کے متعلق میں جس قدر بھی معذرت خواہ ہوں کم ہے میں پرماتما کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں نے یہ مہاپاپ جان بوجھ کر نہیں کیا' میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھ سے ایک ناقابل عفو غلطی ہوئی ہے' میں اس کے لئے تمام مسلمانوں سے عجز و انکساری کے ساتھ معافی مانگتا ہوں کہ وہ میری اس خطا کو بھول جائیں' میں نے معیوب اور معترضہ ٹائٹل فی الفور جلوا دیے ہیں اور آئندہ ایسی غلطی کا مرتکب نہ ہوں گا' میں جملہ مسلمانوں سے خلوص دل کے ساتھ معافی کا خواستگار ہوں۔''

منجانب بھائی تارا چند چھبر بک سیلز' لوہاری دروازہ' لاہور

(از روزنامہ انقلاب مورخہ ۶ مارچ ۱۹۳۵ء)

اس طرح یہ سلسلہ ہائے شر انگیزی و دل آزار دمبدم بڑھتا ہی چلا گیا اور کئی رسائل ہندو کی جانب سے شائع ہوئے جن میں تہذیب الاسلام' آریہ مسافر جالندھر' آریہ مسافر میگزین' مسافر بہڑائچ' آریہ پتر بریلی' ملیکش توڑ' جڑپٹ اور ترک اسلام از دھرم پال (درحقیقت ایک منافق مسلمان) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ان کے مقابلے میں جواباً کئی مسلمان علماء وحق پرستوں نے بھی کتابیں شائع کیں اور پرزور دلائل سے ہندوؤں کے اعتراضات کا نہ صرف جواب دیا بلکہ یہ بات ثابت کی کہ قرآن پاک کی حقانیت کیا ہے اور عظمت و ناموس رسول اللہ ﷺ کیا ہے؟ ان میں قابل ذکر کتب حق پرکاش بجواب سیتارتھ پرکاش از مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری' حقائق حق از صدر الافاضل مولانا مفتی سید محمد نعیم الدین مراد آبادی' ترکِ اسلام بجواب ترکِ السلام' الہامی کتاب' مقدس رسول بجواب رنگیلا رسول' کتاب الرحمٰن' اصول آریہ' جہاد وید' بیراچین کالی' حدوثِ وید' الہام القرآن العظیم' سوامی دیانند کا علم و عقل' نکاح آریہ' بحثِ تناسخ' حضرت محمد رشی' شادی بیوگان اور نیوگ وغیرہ وغیرہ کتب قابل ذکر ہیں' ان کے علاوہ بے شمار رسائل علاقائی زبانوں کے بھی قابل ذکر ہیں۔

مساعیان آریہ سماج سنگھٹن تحریک (شدھی تحریک):۔

اس تحریک کو پروان چڑھانے اور قابل نفرت مواد مہیا کرنے اور مسلمانوں کی دل آزاری کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لئے جن ہندو نیتاؤں نے کوششیں کی ان کی تعداد تو نہ معلوم کس قدر ہے' بہرحال قدرے اختصار کے ساتھ چند مشہور نام حسب ذیل ہیں۔

سوامی دیانند سرسوتی' لالہ منشی رام عرف سوامی شردھانند' مہاشے راجپال' چرن داس' نتھو رام' لالہ پالہ مل' لالہ ہنس راج' پنڈت گورودت' لالہ راجپوت رائے' ڈاکٹر رام گوپال' چلچل سنگھ' لیکھرام' ماسٹر آتما رام' پنڈت کرپالال' لالہ وزیر چند' سوامی درشانند'

پنڈت چندر پرکاش، ڈاکٹر مونجے، پنڈت کالی چرن وغیرہ وغیرہ (بشکریہ رائے کمال)۔

پہلی مذموم کاوش:-

۱۸۹۹ء میں شری متی آریہ پرتی ندھی سبھا نے مسلمانوں کے خلاف اس مہم کو جاری رکھتے ہوئے پہلی مذموم کوشش کی اور رسوائے زمانہ کتاب ''سیارتھ پرکاش'' چھاپی، جس میں اسلام دشمنی کا بھرپور حق ادا کرتے ہوئے اس کتاب کے چودھویں باب (دوبارہ تحقیق مذہب اسلام) میں صفحہ ۷۰۷ سے ۷۸۱ تک قرآنی سورتوں کے بارے میں شدید ہرزہ سرائی سے کام لیا اور اپنے اندھے پن کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ اس کے ناقص العقل مصنف نے ذرا برابر بھی اس بات کی کوشش نہیں کی کہ کم از کم اسلام کے آفاقی پیغام کو اس کے اصل پیرائے میں جانا جائے، بلکہ افرنگی اور متعصب ہندوؤں کے ایماء پر اسلام کے خلاف نہایت سوچے سمجھے طریقے سے لایعنی اور مذموم باتوں کا زہر بھر کر مسلمانوں کو بالعموم اور ہندوؤں و افرنگ کو بالخصوص گمراہ کرنے کی کوشش کی۔

روح رواں:-

اس کتاب کا روح رواں اس کا ناشر تھا جس نے یہ ٹھان رکھی تھی کہ جان اور مال کا جس قدر چاہے نقصان ہو جائے، اس نے اسلام دشمنی سے اپنا ہاتھ نہیں ہٹانا اور اپنے فرنگی آقاؤں کی خوشنودی کے لئے ہر وہ قدم اٹھانا ہے جس سے مسلمانوں کو نہ صرف ہمیشہ کے لئے ذلت سے دوچار رہنا پڑے، بلکہ ہر ممکن طریقے سے برصغیر ہند سے مسلمانوں کا خاتمہ کر دیا جائے اسی سلسلہ میں اس نے اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کی قیمت دو روپے فی کتاب رکھی، جو بعد میں گھٹا کر ڈیڑھ روپیہ اور پھر یکم نومبر ۱۹۲۷عیسوی کو اس کے ساتویں ایڈیشن کی قیمت چودہ آنے کر دی اور جسے مزید کم کرتے ہوئے اصل لاگت سے بھی کم کر کے صرف دس آنے مقرر کر دی۔

ہندو مسلم اتحاد

اس کتاب کی اشاعت نے ہندو مسلم اتحاد کے مفاد پرستانہ جذبہ کو بے حد نقصان پہنچایا اور اس سے دونوں فریقوں کے درمیان مزید گرہیں بندھ گئیں اور مستقبل میں اتحاد کی تمام کوششوں کو شدید نقصان پہنچا' اس سلسلہ کو بڑھانے میں افرنگی نے بھی اپنے مفاد کی خاطر ہندوؤں کی ان کوششوں کو نہ صرف سراہا بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے انہیں ایسی تحریروں کی اشاعت کی کھلی چھٹی دینے کے علاوہ ان کے بھرپور تحفظ کا وعدہ بھی کیا اور اس طرح انگریز ہندوؤں کا دست راست بن گیا۔

باب 3:

انگریزوں کی سیاسی چالبازیاں

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کی شکست فاش کے بعد ایک ایسا سال ہے جب انگریزوں کی دغا بازی اور مکار فطرت کے ہاتھوں مسلمان اپنی سیاسی شان و شوکت سے ہاتھ دھو بیٹھے اور اس برصغیر کا مقدر اپنوں کے ہاتھوں سے نکل کر فرنگیوں کے ہاتھوں میں منتقل ہوا اور وہ پورے ہندوستان کے سیاہ وسفید کے ایسے مالک بنے کہ انہوں نے ساری تاریخ ہند کو ہی بدل کر رکھ دیا۔

انگریز فرنگی کے سامنے اس دور میں دو قومیں ہندو اور مسلمان تھیں جو عرصہ دراز سے سیاسی لحاظ سے ایک دوسرے کے ساتھ برسرپیکار تھیں، گو اس دور میں سکھ ایک اقلیتی حیثیت رکھتے تھے لیکن پھر بھی وہ سیاسی اعتبار سے مضبوط تھے، ایسے میں ہندوؤں نے انہیں اپنے ساتھ ملانے کا پروگرام بنایا اور انہیں خواتین کے ذریعے شادی کے رشتے میں پرولیا اور اس طرح حتی الوسع کوشش کی کہ سکھوں کا علیحدہ سیاسی تشخص ختم ہو جائے اور وہ پوری طرح ہندو پلان کے زیر اثر محکوم رہیں اور مسلمان دشمنی میں ان کے حریف بننے کی بجائے حلیف بن کر فرنگی کا ساتھ دیں اور مسلمانوں کا اس برصغیر سے دیوالیہ کر کے نکال سکیں، اس کے علاوہ انہوں نے ہندو اقلیت شودروں کو بھی اپنی گرفت میں رکھا۔

فرنگیوں کے عزائم:-

اس سیاسی کشمکش کے حقیقی تناظر کو محسوس کرتے ہوئے فرنگیوں نے اس برصغیر پر لمبے عرصے کے لئے اپنی حکومت چلانے کا مستقل پروگرام بنایا، چونکہ انہوں

نے مسلمانوں سے اقتدار چھینا تھا، اسی لئے انہوں نے مسلمانوں پر ہندوؤں کو ترجیح دی اور انہیں اپنی چھتری تلے پناہ دی اور نت نئی مراعات سے نوازا، انہیں دفاتر میں اعلیٰ سے اعلیٰ جگہیں دیں جس سے انہوں نے تعلیم، تجارت اور صنعت کاری میں خوب ترقی کی اور سرکاری دفاتر میں اپنی برتری میں بے پناہ اضافہ کیا اور اس طرح مسلمانوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے ہندو طبقے نے غلبہ حاصل کرلیا۔

اسی غلبہ کے زیر اثر ہندو سرکشی اختیار کرتے ہوئے ہر مذموم سے مذموم حربہ مسلمانوں کے خلاف برتنے لگے۔ انگریزوں نے ان کا کھل کر ساتھ دیا اور مسلمانوں کی تہذیبی، تعلیمی درسگاہوں کو برباد کر کے انہیں ہر لحاظ سے محکومی کے شکنجے میں جکڑنے کی کوشش کی۔ دوسری طرف مسلمانوں نے اپنے تحفظ کے لئے اپنی اصلاح کی جانب توجہ بالکل نہ کی، بلکہ ذہنی تحفظ کے جال میں پھنس کر دمبدم بزدل ہو گئے اور اس جرأت رندانہ سے جوان کا عظیم الشان ورثہ تھا، اس سے مکمل ہاتھ دھو بیٹھے اور اپنے کلچر کی تباہی اپنے ہی ہاتھوں کروا بیٹھے اور ایک بھنگی چرسی کی مانند اپنے ہی تباہ شدہ کلچر کے مجاور بن کر حقیقت فطرت سے نہ صرف منہ موڑ بیٹھے، بلکہ ذلیلانہ حد تک اغیار کی ہر غلط پالیسی پر ہاں میں ہاں ملانے لگے اور مزید ذلتوں کے گڑھوں میں گرتے چلے گئے۔

ایسے میں انگریزوں نے ہر وہ کوشش کی جس سے مسلمانوں کا مذہبی، سیاسی، جغرافیائی تشخص تاریخی لحاظ سے بالکل پامال ہو جائے۔ انہیں مسلسل تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور مسلمان رعایا کا جینا حرام کر دیا گیا۔

دوسری طرف فرنگیوں کی شہ پر ہندوؤں نے اس سے بھی چار قدم آگے کی جانب اپنا ہاتھ بڑھایا اور مسلمانوں پر ہر لحاظ سے قافیہ تنگ کرنے میں فرنگی کا پورا پورا ساتھ دیا، نیز اپنی ہزار سالہ غلامی کے دور کا بدلہ لینے کے لئے مسلمانوں پر ہمہ اقسام کی پابندیوں کا اجراء کروایا، سرکاری دفاتر کے دروازے ان پر بند کروائے۔ تجارت اور صنعت و حرفت کے میدان پر قبضہ جمایا تجارتی منڈیاں اپنے قبضہ میں لیں اور اس طرح

مسلمانوں کے لئے زندگی مشکل سے مشکل تر بنادی۔

فرنگیوں کی غلامی:-

ہندوؤں نے فرنگی آقاؤں کی شہ پر یہاں تک اپنا تسلط جمایا کہ مسلمانوں کے لئے محض ذلت وخواری کے علاوہ کچھ بھی مقصود نہ رہا اور وہ بھوک و افلاس کے صحرا میں بھٹکنے لگے۔ ہر گلی محلے میں ہندوؤں کی دوکانیں چمکنے لگیں اور مسلمانوں کو ان کی مرضی تلے جینا پڑا، مسلمانوں کے پلے صرف چھوٹے چھوٹے محنت مزدوری والے کام ہی رہ گئے، اسی دور میں جب ہندو فرنگی گٹھ جوڑ مسلمانوں کو کچلنے میں مصروف تھا مسلمان اپنی نادانی کے ہاتھوں فرنگی کا غلام بنا، فوج اور پولیس کی ملازمتوں میں اپنا سر اور جان کھپا رہا تھا اور اس کے اقتدار کی مضبوطی کے لئے ہر وہ قدم اٹھا رہا تھا جس سے اس کے آقاؤں کی حیثیت اقتدار دمبدم مستحکم ہوتی چلی جائے اور بدلے میں صرف دو وقت کے لقموں پر قناعت کرنی پڑے، دونوں عالمی جنگوں میں مسلمانوں کے اس کردار کی واضح مثالیں موجود ہیں جس سے فرنگی اقتدار دنیا میں سب سے کامیاب سلطنت میں متبدل ہوا اور فرنگی کا یونین جیک دنیا کی سلطنتوں میں سب سے زیادہ سربلند ہوا۔

باب 4:

اسلام کی آویزش اور عیسائیت

جنگ آزادی ہارنے کے بعد مسلمانوں کے لئے ایک ایسی جنگ کا آغاز ہوا جو جغرافیائی سرحدوں کی بجائے نظریاتی بنیادوں پر لڑنا پڑی۔

عیسائیت اور اسلام کی روز اول سے چلی آئی آویزش نے نیا رخ اختیار کیا اور ہندوؤں نے اپنی مکارانہ ذہنیت سے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور ہندو عیسائی اتحاد سے یہ بات ناگریز نظر آنے لگی کہ کہیں ہسپانیہ کی طرح برصغیر سے بھی مسلمانوں کا نام ونشان نہ مٹ جائے لیکن شاید قدرت کو یہ منظور نہ تھا اور نہ صرف عیسائی بلکہ ہندو بھی اپنے مذموم عزائم میں کامیاب نہ ہو سکے اور انہیں مجبوراً مسلمانوں کو بھی آزادی دینا پڑی کیونکہ ان کی تمام تر ذہنی، مادی، سیاسی، معاشرتی کوششیں ناکام ہو گئیں تھیں۔

اسلام کی سربلندی کے بارے میں کسی مغربی کا تبصرہ سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے!

''گومختلف ادوار میں مختلف میدانوں پر مسلمانوں نے دوبدو لڑائی میں منہ کی کھائی اس کے تذکرے بھی ملتے ہیں کہ رزم گاہوں میں کئی بار ان کے قدم اکھڑ گئے مگر ان تمام شکستوں، ناکامیوں اور پسپائیوں کے باوجود اسلام ہمیشہ سربلند و فتح یاب رہا۔ دین اسلام کسی وقت اور کہیں بھی ناکامی سے دوچار نہیں ہوا بلکہ تعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ زخم خوردہ مسلمانوں میں بیداری کی لہر، حکمرانی و جہانبانی کی خواہش اور انقلاب کی جرأت بھی فلسفہ دین کے سبب ہی پیدا ہوئی، میں نہیں جانتا کہ مسلمانوں نے کسی

وقت اسلام کو بچایا ہو بلکہ اسلام نے ہی اپنے پیروکاروں کو وقت کی آندھیوں، حریف کی یلغاروں اور عجم کے تھپڑوں سے ہمیشہ محفوظ رکھا۔"

پارلیمنٹ سے مسٹر نیکلز کا خطاب:-

مسٹر نیکلز نے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے چیئرمین تھے۔ ۱۸۵۷ء میں ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے مکمل قبضے کے بعد برطانوی پارلیمنٹ سے اس طرح خطاب کیا! "قدرت نے ہندوستان کی وسیع سلطنت انگلستان کو اس لئے تفویض کی ہے کہ خداوند مسیح کا جھنڈا ہندوستان کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک فاتحانہ لہرائے، ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنی قوت صرف کر دے تا کہ تمام ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کا کام جاری رکھنے میں کسی وجہ سے کوئی رکاوٹ کھڑی نہ ہو سکے۔"

عیسائی مشنریوں کا قیام:-

۱۸۵۷ء میں پارلیمنٹ برطانیہ کے حکم پر مسٹر نیکلز نے ایسٹ انڈیا کمپنی میں ایک کمیٹی قائم کی جس کا کام برصغیر میں عیسائی مشنریوں کا جال بچھانا تھا تا کہ اس کے تحت برصغیر سے اسلام کا نام ونشان مٹایا جا سکے اور مسلمانوں کو عیسائی بنا کر اپنی دائمی حکومت قائم کی جا سکے۔

اسی بناء پر انگریزوں نے ہندوستان میں عیسائی مشنریوں کا جال بچھایا اور اس جال کے ذریعہ ہندوؤں کی نچلی ذاتوں کو عیسائی بنانے میں کامیاب ہو گئے جبکہ مسلمانوں کے غریب اور مزدور پیشہ طبقوں میں انہیں سخت ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، البتہ بعض آزاد پرست امراء کا طبقہ ان کے جال میں پھنس کر عیسائیت قبول کرنے پر مجبور ہو گیا اور اس طرح وہی طبقہ مسلمانوں کو ان کے عقائد کی بنیادوں سے اکھیڑنے کے کام میں ہراول دستہ بنا۔

تھیوسوفیکل سوسائٹی:-

دوسری طرف ایک عیسائی سوسائٹی جس کا تعلق امریکہ سے تھا اور جو انتہائی تنگ نظر اور اسلام دشمن تھی اور جس کا کام ماسوائے اسلام کے دنیا کے تمام مقامی مذہبوں کو تقویت و پروان چڑھانا تھا، اس کو بھی برصغیر میں کام کرنے کی اجازت مل گئی، اس سوسائٹی کا نام تھیوسوفیکل سوسائٹی تھا۔

سوسائٹی کے زیر اہتمام چھپنے والے رسالوں میں ایک ایک حرف زہر سے بھرپور ہوتا اور ہر لفظ میں چھپی ہوئی آگ خرمن دل کو جلا دیتی، اس سوسائٹی نے ہر وہ حربہ برصغیر میں استعمال کیا جو اس کے سازشی ذہن کی پیداوار تھا، اس نے یہاں کے ہندوؤں کو یکجا کرنے اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کے لئے عملاً سرپرستی کی اور ہر موقع پر بھاری مالی امداد بھی مہیا کی اور اس طرح سلگتی ہوئی آگ پر تیل ڈال کر چنگاریوں کو شعلہ فشاں بنایا۔

باب 5:

ہندوؤں کو کھلی چھٹی

جب انگریز مشنریز اپنے کام میں ناکام ہوگئیں تو اس دور میں انگریزوں اور ہندوؤں کے درمیان ایک خفیہ معاہدہ ہوا جس کے تحت ہندوؤں کو کھلی چھٹی دی گئی کہ وہ مسلمانوں کا برصغیر سے مکمل خاتمہ کرنے اور ان کو دوبارہ ہندو بنانے کا فریضہ انجام دیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ان کو کھلی چھٹی دی گئی اور کہا گیا کہ بظاہر تو انگریز حکومت قانون کے تحت قدم اٹھائے گی لیکن بباطن ان کا مکمل ساتھ دیتے ہوئے انہیں ہر قسم کی سہولیات بہم پہنچائے گی۔ اس معاہدہ کے تحت ہندوؤں نے مندرجہ ذیل تحریکات کا آغاز کیا جو ابتداء میں معمولی نوعیت کی تھیں لیکن بعد میں ان تحریکات سے بے پناہ فسادات وجود میں آئے کہ تاریخ کے صفات بھی کانپ اٹھتے ہیں۔

ذیل میں ان تحریکات کو مختصر طور پر بیان کیا جا رہا ہے جو ہندوؤں کی گندی ذہنیت اور انگریزوں کی طرف سے کھلی چھوٹ کی پیداوار تھیں۔

تحریک آریہ سماج:۔

اس تحریک کا بانی گجرات کا ایک برہمن ''مول شنکر'' تھا جو بعد میں سوامی دیا نند سرسوتی کہلانے لگا۔ مول شنکر ابتدائی عمر میں بت پرستی کے خلاف ہوگیا تھا۔ اس کی وجہ ایک غیر مصدقہ روایت کے مطابق یہ تھی کہ ایک مرتبہ اس کی اس موضوع پر بحث کسی مولوی سے ہوئی تھی جس سے اس کے نظریات میں تبدیلی آئی تھی اور اس نے اس تحریک کو بھی ''ہندومت کی اصلاح'' کی تحریک سے موسوم کیا اور اپنے آپ کو ایک ریفارمر کی حیثیت سے ہندوؤں کے سامنے پیش کیا تا کہ ہندوؤں کو توہم پرستی اور دیگر

خلاف فعل رسومات سے روکا جائے اور انہیں مبلغین اسلام کی یلغار سے روکا جا سکے نیز نئے تعلیم یافتہ طبقے کی عقلیت پسندی کو سراہا جائے کیونکہ وہ ان عقائد کے خلاف تھا۔

تھیوسوفیکل سوسائٹی نے اس تحریک کو اپنے مقصد کے لئے مفید جانا اور اس کے پروان چڑھانے میں مالی و ذہنی تعاون مہیا کیا اور اس تحریک کے زیر اہتمام جابجا ہندو ذہنیت کے مظاہرے شروع ہو گئے۔ اس تحریک کو جلا بخشنے میں اس تحریک کے ایک لیڈر ''بنکم چندر چیٹر جی'' کے شاطرانہ ذہن کا بھی بہت بڑا ہاتھ تھا۔ بنکم چندر چیٹر جی ایک بنگالی مصنف تھا۔ اس شخص نے اپنا پہلا ناول ''انند ناتھ'' ۱۸۸۲عیسوی میں شائع کروایا جس میں ہندوؤں کی متعصبانہ ذہنیت کی روش کا بھرپور استعمال سامنے آیا۔ اس ناول کے ذریعہ اُس نے کالی ماتا کے بچوں کو یہ ترغیب دی کہ اپنے وطن کو ناپاک مسلمانوں سے خالی کروائیں۔

اس ناول کا خاتمہ اس طرح ہوتا ہے کہ دھرتی ماتا کے بچے مسلمانوں کے گاؤں اور محلے لوٹ لیتے ہیں اور جب دھرتی ماتا کو ناپاک لوگوں سے پاک کرلیا جاتا ہے تو جنگ بند ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ ہندوؤں کو انگریزوں سے تعاون کا حکم دیتا ہے تاکہ وہ انگریزوں کی مدد سے دھرتی کو پاک صاف کر کے ان کی حکومت کو قائم کر سکے۔

یہی وہ ناول ہے جس میں ''بندے ماترم'' گایا گیا جس کو بعد میں ہندوستان کا قومی ترانہ بنانے کی سعی کو مسلمانوں نے بصد مشکل روکا۔ بنگلہ دیش کے قدیم پرانا ''سنہرا بنگال'' کا مصنف بھی یہی شخص تھا۔

تحریک بال گنگا دھر:۔

اس تحریک کا بانی ''بال گنگا دھر تلک'' ہے جو ۱۸۵۶عیسوی میں مہاراشٹر کے ایک برہمن خاندان میں پیدا ہوا۔ اس کی پالیسی ہندو مت کے احیاء کی جارحانہ پالیسی تھی۔ وہ بھگوت گیتا کی تعلیمات کا پرچارک تھا اور سیوا جی کو قومی ہیرا جانتا تھا۔ بال گنگا دھر نے بھگوت گیتا اور سیوا جی کی زندگی سے یہ اصول اخذ کیے کہ دشمن کو ختم کرنے کے

لئے وہ تمام حربے استعمال کئے جائیں جو دھوکہ دہی پر مشتمل ہوں۔ بال گنگا دھر کا کارنامہ مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانا اور گائے کی حفاظت کی انجمنیں قائم کرنا تھا۔ اسی بنیاد پر مسلمانوں کے استحصال و احتساب کے لئے اس نے اکھاڑے اور لاٹھی کلب قائم کئے۔ اسی طرح بال گنگا دھر نے گنپتی میلوں کا انعقاد کیا اور اس طرح کے میلوں میں مسلمانوں پر حملہ اور ان کا قتل عام کرنا اور ان کا مال لوٹنا معمول قرار دیا گیا۔

تحریک سنگھٹن:-

اس تحریک کا آغاز ۱۹۲۳ء میں ہوا۔ اس کا اصل قائد ''ڈاکٹر مونجے'' تھا۔ ڈاکٹر مونجے کے مطابق ہندوستان میں ۷۰ ملین مسلمان اور ۲۲۰ ملین ہندو آباد ہیں اور مسلمان ہندوؤں کے لئے شدید خطرہ ہیں۔ اگر ان کی رفتار اسی طرح بڑھتی گئی تو ساڑھے چار سو سال میں ہندوستان میں ایک بھی ہندو نہ رہے گا۔ اس لئے ہندوؤں کو اپنا دفاع کرنے کے لئے مسلح ہونا چاہئے۔ اس تحریک کے تحت ایسے مراکز قائم کئے گئے جہاں ہندو نوجوانوں کو ورزش و کشتی کے علاوہ جوڈو کراٹے، لاٹھیوں اور خنجروں کا استعمال سکھایا جاتا تھا تاکہ ہر ممکنہ طریقے سے مسلمانوں کا خاتمہ کر سکے۔

تقسیم ہند کے قاتلانہ دور میں اسی تنظیم کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے کیونکہ ہندوستان کے نزدیک مقاصد کی تکمیل کا واحد طریقہ تشدد تھا۔ بقول ڈاکٹر مونجے! ''تم اس وقت تک مسلمانوں کو ہندو بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم ثابت نہ کر سکو کہ تمہارے جسموں میں جان ہے۔''

اس تحریک کو پروان چڑھانے کے لئے ہردیال سنگھ نے اہم کردار ادا کیا۔ ہردیال سنگھ کے نزدیک اس کی تشکیل کا مقصد آزاد ہندو ریاست کا قیام، ہندوانہ روایات کا اجراء کرنا، ہندو قومی لیڈروں کا احترام، ہندوؤں کے مقدس مقامات سے محبت اور ہندوؤں کی ثقافت سے لگاؤ تھا۔ نیز مسلمانوں کو غیر ملکی حملہ آور، ڈاکو، جرائم

پیشہ اور ضرر رساں مخلوق قرار دیا گیا۔ مختصراً یہ کہ اس تحریک کا اصل مقصد مسلمانوں کو ڈرا دھمکا کر ہندو بنانا تھا۔ اگر یہ داؤ کارگر ثابت نہ ہوتو انہیں بزور شمشیر تہ تیغ کرنا تھا۔

تحریک شدھی:۔

اس تحریک کی ابتداء آریہ سماج کے زیر اثر ہوئی تاکہ برصغیر کے تمام غیر ہندوؤں کو ہندو بنایا جائے اور اس مقصد کے لئے گائے کا پیشاب، گوبر، دہی، دودھ اور مکھن میں ملا کر کھلایا جاتا تھا اور اس آمیزہ کو پنچ رتن کا نام دیا گیا ہے۔

اس تحریک کو پروان چڑھانے کا سہرا ''سوامی شردھانند'' کے سر ہے۔ ۱۹۲۰ء میں اس تحریک نے شدت اختیار کی اور یہ ہندوؤں کی سیاسی تحریک کا حصہ بنی اور ڈاکٹر مونجے جیسا منجھا ہوا سیاست دان اس کا براہ راست نگران مقرر ہوا لیکن ہندوؤں کی بدقسمتی سے یہ تحریک اپنے بھرپور نتائج پیدا کرنے میں ناکام رہی۔ شدھی تحریک کا مقصد تھا کہ تحریر و کتابت کے ذریعہ مسلمانانِ ہند کو ورغلانا اور انہیں گمراہ کر کے ان کا خاتمہ کرنا تھا۔

ایک خطرناک سازش:۔

شدھی تحریک کے زیر اہتمام یہ سازش سوچی گئی کہ تحریر وتقریر کے ذریعہ مسلمانوں میں قرآن پاک اور حضور رسول پاک ﷺ کے بارے میں مسلمانوں کے قلوب میں شکوک و شبہات پیدا کیا جائیں اور اس شدت سے یہ کام کیا جائے کہ مسلمان اپنے اصلی عقیدہ سے مکمل طور پر دلبرداشتہ ہوکر اپنے مسلمان ہونے سے باغی ہو جائے تاکہ بعد میں اسے اپنے جال میں پھنسا کر باقاعدہ ہندو بنایا جاسکے اور اس طرح برصغیر سے اسلام کا خاتمہ کیا جاسکے۔

اسی سلسلہ کی ایک مربوط کڑی کانگریس کے اجلاس منعقدہ ۱۹۲۲ء کی وہ قرار داد ہے جس کا متن تھا کہ ''بھارت میں گاؤکشی قانوناً ممنوع ہوگئی۔''

اس قرار داد کے تحت ایک طوفان بدتمیزی اٹھ کھڑا ہوا اور ملک کے مختلف

شہروں اور قصبات سے گمراہ کن رسائل اور کتب کی اشاعت کا آغاز ہوا جن میں انتہائی بے ہودہ اور ناشائستہ زبان استعمال ہونے لگی۔

جال بچھانا:-

۱۹۳۵ء میں آریہ سماج کے بانی ''سوامی دیانند سرسوتی'' کی صد سالہ تقریبات منائی گئیں۔ اس میں ہندوستان بھر سے ہندو لیڈر جمع ہوئے اور انہوں نے مل کر ایک قرارداد منظور کی جس کا متن تھا!

''اسلام اور داعی اسلام کے خلاف شکوک و شبہات اور زہریلے لٹریچر کے ذریعے سیدھے سادھے مسلمانوں کو اپنے جال میں پھنسا کر ہندو بنایا جائے اور انہیں بتایا جائے کہ تمہارے آباؤ اجداد ہندو تھے اور اسلام دیار غیر سے زبردستی کا آیا ہوا مذہب ہے اور یہ ہر لحاظ سے بھگوان کی ناراضگی کا باعث ہے اور تمہاری فلاح اس میں ہے کہ تم دوبارہ ہندو بن کر رام اور بھگوان کے پرچارک بن جاؤ۔''

ابتداء میں اس قرارداد کے تحت صرف تحریر و تقریر سے کام لیا گیا۔ پھر دل آزار لٹریچر کی اشاعت کا کام شروع کیا گیا۔ بعدازاں کھلم کھلا طاقت کا استعمال شروع ہوا۔ پھر آخری چارہ کے طور پر اس قرارداد کے تحت حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ الفاظ، فحش کلمات اور خیالی مناظر کا اشاعتی کام شروع کیا گیا اور دوسری طرف فرنگی سامراج کے زیر اثر جھوٹے نبیوں کو پروان چڑھایا گیا اور اُن کی در پردہ کھلم کھلا مدد کی جانے لگی۔

یہ کام اس قدر عروج پر پہنچا کہ ان کی زبانوں نے اخلاق و تمدن کا ساتھ بھی چھوڑ دیا اور اس کی جگہ گالی گلوچ، فحش اور غلیظ حرکات و الفاظ کا استعمال شروع ہو گیا کہ زبان ایسے الفاظات کو دھراتے ہوئے لرزتی ہے اور دل سینہ سے باہر آ جاتا ہے۔ یہ بات یہاں تک بڑھی کہ غیرت ایمانی تڑپ اٹھی جس کے نتیجے میں احساس محرومی مسلمانوں میں دن بدن بڑھنے لگا۔ دل و دماغ آتش فشاں بننے لگے۔ محبان رسول اللہ

ﷺ کی تڑپ حب اپنے کوزہ سے باہر چھلکنے لگی اور اپنے پیارے آقا حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی ناموس پر قربان ہونے کا جذبہ شعلہ فشاں بن کر کسی بھی وقت پھٹنے کو تیار رہنے لگا۔

محرومیوں کا بڑھنا:۔

مسلمانوں کی محرومیاں اس قدر بڑھ گئیں کہ پھر ہندو فوج نے دو فیصلہ کن حملے کئے ایک جان و مال پر اور دوسرا دین و مذہب پر۔ فسادات روزمرہ کا معمول بن گئے اور گاہے بہ گاہے دل آزار کتابیں بھی شائع ہونے لگیں۔

مطالبہ پاکستان:۔

انہیں حالات میں پاکستان کا مطالبہ زور پکڑنے لگا۔ جبکہ اس مطالبہ کی ہندوؤں کی طرف سے مخالفت نے اپنا عروج پکڑا۔ ہندو مہاسبھا اس معاملے میں سب سے زیادہ پیش پیش تھی۔ اس کے صدر ساورکر نے اپنے خطبۂ صدارت میں ہندوؤں پر واضح کیا کہ "پاکستان ہندوؤں کے لئے خودکشی کے مترادف ہے۔ ہندوستان کی وحدت اگر قائم رہ سکتی ہے تو ہندوؤں کی عسکری تنظیموں کے بل بوتے پر اور انہی کے زور بازو پر۔ اس لئے اس تنظیم کی قوت کو اتنا بڑھا دو کہ مسلمان کے پاس اپنے مطالبہ سے ہٹنے کے سوا کوئی چارہ باقی نہ رہے۔ پاکستان کے زہر کا علاج یہ ہے کہ ہر نو مسلم کو دوبارہ ہندو بنالیا جائے اور باقی مسلمان کی شدھی کر دی جائے۔ اگر یہ کام ہوگیا تو پھر پاکستان کا مطالبہ کرنے والا کوئی بھی باقی نہ رہے گا۔"

رسم شدھی:۔

شدھی تحریک نے اب ایک نیا انداز اختیار کیا اور جگہ جگہ مسلمانوں کو شدھ کرنے کی رسم کا ڈھونگ رچانا شروع کیا اور اس کے ساتھ ہی قرآن پاک کے اوراق کو

جلانے کا کام شروع کر دیا۔ اس سب کے علاوہ قرآن پاک کو (نعوذ باللہ) ریاکاری، اور منافقت کا مجموعہ اور قابل ضبط کرنے کا مطالبہ حکومت وقت سے شروع کر دیا۔ حضور رسول پاک ﷺ کی ذات مبارکہ اور نفوس پاک پر حملے کرنے شروع کر دیئے۔

''رنگیلا رسول'' نامی کتاب:-

اسی زمانہ میں ''رنگیلا رسول'' نامی کتاب کے ناشر ''راج پال'' نے مزید دو کتب اس سلسلہ میں شائع کیں جن میں قرآن پاک اور حضور رسول پاک ﷺ کی ذات مبارکہ پر کئی شرم ناک حملے کیئے گئے۔ ان میں سے ایک کتاب کا نام ''بلید ان چتر اولی،، تھا اور دوسری کا نام ''چودھویں کا چاند'' تھا۔

بیانِ کتاب ''محمد کی کہانی'':-

دوسری طرف انگریز سامراج بھی ہندوؤں سے کسی صورت پیچھے نہ تھے۔ اس سلسلے میں وہ بھی اپنی کوششوں میں لگے ہوئے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کو دین اسلام سے متنفر و باغی کیا جائے۔

۱۹۳۵ء میں لندن سے ایک کتاب ''Story of Muhammad'' (محمد کی کہانی) شائع ہوئی جس کی مصنفہ ''ایڈتھ ہینڈ'' تھی۔ اس کتاب کو لندن کی ایک فرم جارج ہیرپ اینڈ کمپنی نے شائع کیا اور جس میں حضور رسول کریم ﷺ کی پانچ خیالی تصاویر بھی شائع کی گئیں۔ ان تصاویر کو ایک بدبخت مصور ''ایم ایم ولیم'' نے اس عورت اور اپنے تصورات کی روشنی میں انتہائی بھونڈے طریقے سے بنایا تھا تاکہ مسلمانوں کے جذبات مجروح کیئے جاسکیں۔ یہ تصاویر مختلف حالتوں ایام طفولیت، واقعۂ معراج اور فتح مکہ وغیرہ کے بارے میں بنائی گئی تھیں۔

اس کتاب کا اندازِ بیان انتہائی شرمناک اور خباثت کا اعلیٰ نمونہ تھا جس سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے اور آریہ سماج کے جذبات کو نہ صرف تسکین ملی بلکہ

انہوں نے اس کو ایک رام کا تحفہ جانا اور اس کی تشہیر کی بھی حتیٰ الوسع کوشش کی تا کہ ان کے مذموم ارادے پورے ہو سکیں۔اس حرکت سے تحریک پا کر اس زمانے میں دو پمفلٹ ''انیسویں صدی کا مہرشی'' اور ''کفر توڑ و اسلام توڑ'' شائع ہوئے جن کا ایک ایک لفظ زہر آلود اور مسلمانوں کے قلوب پر تیروں کی بارش برسانے والا تھا۔

شرمناک جسارت:۔

دوسری طرف ہندو اخبارات و رسائل بے انتہا شرم ناک اور شرانگیز تحریریں چھاپنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں مصروف تھے، ان میں ''بے گدی'' موج چاندنی اور ٹائمز آف انڈیا بالخصوص پیش پیش تھے۔ان حرکات کی مثال کے لئے ٹائمز آف انڈیا کا ۳ مارچ ۱۹۳۶ء کا شمارہ ہی کافی ہے۔

کتاب ''دیدارِ رسول'':۔

اس تحریک نے آگے بڑھتے ہوئے ''رنگیلا رسول'' کے بعد مارچ ۱۹۳۵ء کی ابتداء کے ساتھ ہی ایک قدم اور آگے بڑھایا اور ''دیدارِ رسول'' نامی کتاب لاہور سے شائع کی گئی۔اس کتاب کا سرورق انتہائی شرم ناک تھا اور ایک فاحشہ عورت کو انتہائی ننگے انداز میں حضور رسول کریم ﷺ کی خیالی تصویر کے ساتھ دکھایا گیا تھا۔

اس کتاب کی رونمائی ۴ مارچ ۱۹۳۵ء کو ایک تقریب میں ہوئی جس پر مسلمانوں میں اضطرابی کیفیت پیدا ہو گئی حتیٰ کہ ممکن تھا کہ مسلمانوں کا احتجاج ہندو مسلم فساد کا باعث بن جاتا اور لاہور میں طوفان خون ریزی اٹھ کھڑا ہوتا کہ ''آریہ سماجی ناشر'' دہشت کا شکار ہو گیا اور ۶ مارچ ۱۹۳۵ء کو اس کی طرف سے تحریری معذرت نامہ اخبارات میں اس خبر کے ساتھ شائع ہوا!

''کتاب ''دیدارِ رسول'' کے ناشر نے پرسوں ۴ مارچ ۱۹۳۵ء کو بعد از دوپہر حاجی محمد دین سنگ فروش کی دکان بیرون لوہاری گیٹ پر بہت سے مسلمان معززین کے

سامنے اپنی معذرت کا اظہار کرتے ہوئے کتاب کے سرورق پر ایک بازاری عورت کی تصویر کی اشاعت پر اظہار افسوس کیا اور تحریری معافی مانگی۔''

معافی نامہ:۔

''میں نے مذکورہ کتاب کے سرورق کو اتار کر جلا دیا ہے۔ کتاب ''دیدارِ رسول'' کے شرمناک سرورق کے متعلق میں جس قدر بھی معذرت خواہ ہوں کم ہے میں پرماتما کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں نے یہ مہاپاپ جان بوجھ کر نہیں کیا۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھ سے ایک ناقابل تلافی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ میں اس کے لئے تمام مسلمانوں سے عجز وانکساری کے ساتھ معافی مانگتا ہوں کہ وہ میری اس خطا کو معاف فرمادیں۔ میں نے معیوب اور معترضہ ٹائٹل فی الفور جلوا دیے ہیں اور آئندہ ایسی غلطی کا مرتکب نہ ہوں گا۔ میں جملہ مسلمانوں سے خلوص دل کے ساتھ معافی کا خواستگار ہوں۔'' اس طرح مسلمانوں کی دل آزاری کا یہ سلسلہ دن بدن بڑھتا ہی چلا گیا اور ہندو تنظیموں کی طرف سے کئی رسائل شائع ہوئے جن میں تہذیب الاسلام، آریے مسافر جالندھر، آریہ مسافر میگزین، آریہ پتر بریلی، ترکِ اسلام از دھرم پال وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مسلمانوں کی جوابی کاروائی:۔

ہندوؤں کی ان شرمناک جسارتوں کے مقابلے میں کئی مسلمان علمائے حق نے بھی کتابیں شائع کیں جن میں ہندوؤں کے اعتراضات کا جواب دیا گیا تھا اور قرآن پاک کی حقانیت اور عظمت رسول اللہ ﷺ بیان کی گئی تھی۔

شدھی تحریک کے چند نامور شرکاء:۔

شدھی تحریک کو پروان چڑھانے اور قابل نفرت مواد مہیا کرنے اور مسلمانوں کی دل آزاری کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لئے جن ہندو رہنماؤں نے کوششیں کی ان کی تعداد تو بہت زیادہ ہے۔ تاہم قدرے اختصار کے ساتھ چند ایک

مشہور نام حسب ذیل ہیں!

سوامی دیانند سرسوتی، لالہ منشی رام عرف سوامی شردھانند، مہاشے راجپال، چرن داس، نتھو رام، لالہ پالہ مل، لالہ ہنس راج، پنڈت گورودت، لالہ راجپوت رائے، ڈاکٹر رام گوپال، چلچل سنگھ، لیکھرام، ماسٹر آتما رام، پنڈٹ کرپالال، لالہ وزیر چند، سوامی درشنانند، پنڈت چندر پرکاش، ڈاکٹر مونجے، پنڈت کالی چرن وغیرہ وغیرہ۔"

کتاب "ستیارتھ پرکاش":-

۱۸۹۹ء میں شری متی آریہ پرتی ندھی سبھا نے مسلمانوں کے خلاف اس مہم کو جاری رکھتے ہوئے پہلی مذموم کوشش کی اور رسوائے زمانہ کتاب "ستیارتھ پرکاش" چھاپی۔ اس کتاب میں اسلام دشمنی کا بھرپور حق ادا کرتے ہوئے کتاب میں قرآنی سورتوں کے بارے میں شدید ہرزہ سرائی سے کام لیا گیا اور اپنے اندھے پن کا بھرپور مظاہرہ کیا گیا۔ اس کتاب کے ناقص العقل مصنف نے ذرا برابر بھی اس بات کی کوشش نہیں کی کہ کم از کم اسلام کے آفاقی پیغام کو اُس کے اصل پیرائے میں جانا جائے بلکہ فرنگی اور متعصب ہندوؤں کی ایماء پر اسلام کے خلاف نہایت سوچے سمجھے طریقے سے مذموم باتوں کا زہر بھر کر مسلمانوں کو بالعموم اور ہندوؤں وفرنگیوں کو بالخصوص گمراہ کرنے کی کوشش کی گئی۔

اس کتاب کا روح رواں اس کتاب کا ناشر ہی تھا جس نے یہ ٹھان رکھی تھی کہ جان اور مال کا جس قدر چاہے نقصان ہو جائے لیکن اسلام دشمنی سے اپنا ہاتھ نہیں ہٹانا اور اپنے فرنگی آقاؤں کی خوشنودی کے لئے ہر وہ قدم اٹھانا ہے جس سے مسلمانوں کو نہ صرف ہمیشہ کے لئے ذلت سے دوچار رہنا پڑے بلکہ ہر ممکن طریقے سے برصغیر پاک و ہند سے مسلمانوں کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اسی سلسلہ میں کتاب کے پہلے ایڈیشن کی قیمت دو روپے رکھی گئی۔ جو کہ بعد میں کم ہو کر ڈیڑھ روپیہ اور پھر یکم نومبر ۱۹۲۷ء کو اس کے ساتویں ایڈیشن کی قیمت چودہ آنے کر دی۔

باب 6:

حضرت غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ

اسم گرامی:-

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد کا اسم گرامی طالع مند ہے۔

پیدائش:-

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۰۸ء کو لاہور شہر میں پیدا ہوئے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ کے آباؤ اجداد سکھ مذہب کے پیروکار تھے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ کے آباؤ اجداد میں بابا لہنا سنگھ نے مغل فرمانروا جہانگیر کے دور میں اُس وقت کے اولیاء اللہ کی صحبت سے متاثر ہوکر اسلام قبول کیا۔

بابا لہنا رحمۃ اللہ علیہ کا زیادہ وقت اولیاء اللہ کی خدمت میں گزرتا تھا جن کی صحبت میں رہ کر وہ خود بھی ولی بن گئے تھے۔بابا لہنا رحمۃ اللہ علیہ نے جب اسلام قبول کیا تو اُن کو گھر والوں کی طرف سے سخت تنقید کا نشانہ بنایا گیا اور اُنہیں سخت سے سخت اذیتیں دی جاتی تھیں۔بالآخر ایک وقت ایسا آیا جب وہ ان اذیتوں سے تنگ آکر گھر بار چھوڑ کر ہجرت پر مجبور ہوگئے۔

بابا لہنا رحمۃ اللہ علیہ ہجرت کر کے موضع پڈانہ میں آکر آباد ہوئے۔موضع پڈانہ، برکی ہڈیارہ پاکستان و ہندوستان کے بارڈر پر واقع ہے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال موضع پڈانہ ہوا۔آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مزار موضع پڈانہ میں ''بابا لہنو'' کے نام سے مشہور ہے۔آج بھی

ہزاروں لوگ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہو کر عقیدت کے نذرانے پیش کرتے ہیں۔

بابا لہنو کے دو فرزند تھے جن سے اُن کا سلسلہ نسب چلا۔ ان میں سے بڑے بیٹے کی نسل آج بھی برکی ہڈیارہ کے علاقہ میں آباد ہے۔ جب کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بیٹے کی نسل لاہور شہر میں آباد ہے۔

شجرہ نسب غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ:

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا شجرہ نسب ذیل ہے!

''علم الدین ولد طالع مند ولد عبدالرحیم ولد جوایا برخوددار ولد عبداللہ ولد عیسیٰ ولد برخوردار ولد بابا لہنو''

والدین:-

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد کا نام طالع مند تھا۔ طالع مند ایک نہایت ہی شریف النفس انسان تھے۔ طالع مند پیشے کے لحاظ سے نجار تھے اور ایک تجربہ کار نجار ہونے کی وجہ محلے کے لوگ بھی دوسرے نجاروں پر آپ ہی کو ترجیح دیتے تھے۔ طالع مند کی دیانت داری اور ایمان داری اور کام سے لگن کی وجہ سے اُن کی مالی حالت پہلے سے بہت زیادہ بہتر ہو گئی تھی۔ طالع مند کی مہارت کا ثبوت وہ سرٹیفکیٹ تھا جو اُنہوں نے ۱۹۱۱ء میں میر عثمان علی خان نظام حیدر آباد دکن کے ایک بنگلے واقع دہلی میں لکڑی کا کام اس مہارت سے کیا تھا کہ نظام دکن نے آپ کو تعریفی اسناد اور انعام و کرام سے نوازا۔

طالع مند جب جوانی کی حدودوں کو پھلانگنے لگے تو اُن کے بزرگوں نے محسوس کیا کہ اب طالع مند اس قابل ہو چکے ہیں کہ گزر اوقات با آسانی کر سکتے ہیں لہٰذا ان کی شادی کر دی جائے۔ لہٰذا گھر والوں نے اپنی ہی برادری میں نزدیکی رشتے داروں کے ہاں نسبت طے کر دی۔ یہ نسبت دو سال تک رہی اور ۱۹۰۵ء میں طالع مند

رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے۔

شادی کے ایک سال بعد اللہ تعالیٰ نے طالع مند کو ایک چاند سے بیٹے سے نوازا جس کا نام اُنہوں نے دین محمد رکھا۔

طالع منداس ذمہ داری کے احساس کے ساتھ اور زیادہ محنت اور لگن سے کام کرنے لگے۔ جب وہ تھکے ہوئے کام سے واپس آتے تو گھر میں بچے کی آواز سن کر اُن کا دل خوش ہو جاتا ہے۔ طالع مند کام سے واپسی پر دین محمد کے لئے کچھ نہ کچھ لے کر جاتے۔ دین محمد کو والد کی نسبت والدہ سے زیادہ اُنسیت تھی اور یہی وجہ تھی کہ وہ باوجود طالع مند کی خواہش کے اُن کے پاس نہیں جایا کرتے تھے۔

آبائی مکان:

عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے آبائی مکان پر جانے کے لئے آپ لاہور کے ریلوے اسٹیشن کھڑے ہوں یا بادامی باغ، بھاٹی چوک میں ہوں یا لکشمی چوک میں، کسی سے بھی پوچھ لیجئے کہ قدیمی لاہور کے مشہور بازار کشمیری بازار کے بارے میں۔ کشمیری بازار رنگ محل چوک سے سیدھا دہلی گیٹ تک پھیلا ہوا ہے۔ رنگ محل چوک میں ایاز کا مزار واقع ہے۔ ایاز سلطان محمود غزنوی کے خادم تھے اور ایاز اپنے تقویٰ اور فہم وفراست کی وجہ سے مشہور تھے۔ ایاز اور سلطان محمود غزنوی کے بارے میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر بہت مشہور ہے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہیں محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

انہی ایاز کے مزار سامنے برتنوں والا ایک بازار ہے جو کیسرا بازار کے نام سے مشہور ہے۔ اس بازار میں داخل ہو کر دائیں جانب ایک چھوٹی سی گلی میں مڑ جائیں۔ یہ گلی بازار کا حصہ ہے اور کسی زمانہ میں اس بازار کا نام بازار سرفروشاں ہوتا تھا جب کہ موجودہ نام اس بازار کا سریاں والا بازار ہے۔ سریاں والا بازار مشہور ہونے کی

وجہ یہ ہے کہ ۱۹۲۹ء تک یہ بازار بھیڑ بکریوں کی سرفروشی کی وجہ سے مشہور تھا۔

یہ بازار شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے، یہ بازار اپنی لوکیشن کی وجہ سے بے حد جاذب نظر ہے اس بازار کے دو حصے مختلف سمتوں میں نکلتے ہیں۔ ایک حصہ بازار تیزابیاں کہلاتا ہے جو کشمیری بازار کے شروع میں ہی بائیں طرف نکلتا ہے اور اس سے ملتا ہے جبکہ دوسرا سرا اس بازار سے جا ملتا ہے جو مسجد وزیر خان کے قبلے کی سمت والی دیوار کے ساتھ کشمیری بازار میں جا نکلتا ہے۔ ان دونوں بازاروں کے درمیان داہنی طرف ایک محلّہ ہے جو تکیہ سادھواں کہلاتا ہے جس میں مشہور مسجد سادھواں موجود ہے، اسی مسجد کے مغرب کی طرف گنج شہیداں ہے جہاں پیر غفار شاہ صاحب مرحوم و مغفور کا مزار قابل زیارت ہے، اسی بازار کے مغربی کنارے پر شمالی جانب شاہ صاحب کے عین مقابل وہ مکان ہے جس میں غازی علم الدین شہید رحمتہ اللہ علیہ نے جنم لیا اور دنیائے لامکاں سے اس دنیائے رنگ و بو میں تشریف لا کر آنکھ کھولی۔

بائیں جانب گلی کے اندر آج بھی غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا مکان ہے۔ یہ محلّہ کوچہ چابک سواراں کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

ولادت باسعادت:

وہ جمعرات کا روشن دن تھا جب گمنام طالع مند کے گھر میں وہ ستارہ روشن ہوا جس نے طالع مند کو گمنامی کے اندھیروں سے نکال کر اُجالوں میں پہنچا دیا۔ طالع مند کام پر جانے کے لئے تیار تھے۔ اُنہیں بتایا کہ اُن کی زوجہ کی طبیعت ناساز ہے اور زچگی کا مرحلہ بھی کسی وقت درپیش ہو سکتا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی طالع مند قدرے خوش بھی تھے لیکن زچگی کے تکلیف دہ مرحلہ کی وجہ سے پریشان بھی تھے۔ بالآخر وہ گھڑی آن پہنچی جس گھڑی نے اُن کو وہ عزت عطا کی جس کے خواہاں لوگ صدیوں تک رہتے ہیں پھر بھی نصیب نہیں ہو پاتی۔ طالع مند کے گھر ایک بیٹے کی پیدائش ہے۔ رشتہ داروں اور محلّہ داروں کا ایک ہجوم تھا جو اُن کو مبارک باد دینے کے لئے موجود تھا۔ طالع مند یہ خبر

سنتے ہی فوراً مٹھائی لے آئے اور سب کا منہ میٹھا کرانے لگے۔

بچے کا نام علم الدین رکھا گیا جو بڑا ہو کر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ ۸ ذی قعدہ ۱۳۲۶ھ بمطابق ۴ دسمبر ۱۹۰۸ء کو بازار سریانوالہ، اندرون کشمیری گیٹ پیدا ہوئے۔ طالع مند پہلے دن اتنے مصروف رہے کہ انہیں بچے کی شکل دیکھنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ جب اگلے دن اُنہوں نے بچے کو گود میں اٹھایا تو بے اختیار چومنے لگے۔

طالع مند فطرتاً شریف الطبع انسان تھے۔ طالع مند کو کبھی بھی یہ خواہش نہ رہی تھی کہ وہ راتوں رات امیر ہو جائیں۔ وہ اپنی مختصر سی زندگی میں نہایت خوش و خرم تھے۔ طالع مند محلہ چابک سواراں، بازار سریانوالہ میں اپنے اہل خانہ کے ہمراہ امن و سکون کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ چونکہ اُس دور میں دولت مندوں کی زیادہ عزت افزائی ہوتی تھی اور ہر شخص کی خواہش ہوتی تھی کہ اُس کی اولاد بھی دولت کے پیچھے پڑے۔ لیکن طالع مند کی آرزو ان سب سے ہٹ کر تھی۔ اُن کی خواہش تھی کہ علم الدین بڑا ہو کر اُن جیسا محنتی اور دیانت دار کاریگر بنے، اپنا گھر بسائے اور اچھا نام پائے۔ لیکن اُن کی سوچ سے ہٹ کر وہ تقدیر الٰہی کے اس فیصلے سے بے خبر تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو زمین پر نعمت خداوندی سے سرفراز فرما دیا تھا۔ طالع مند اور اُن کے عزیز و اقارب اور محلہ چابک سواراں کو وہ مقام ملنے والا تھا جس کی خواہش ہر ایک کے دل میں ہوتی ہے۔ علم الدین نے طالع مند اور اپنے محلہ کو تاریخ میں درخشاں ستارہ بنا کر چمکا دیا۔

حلیہ مبارک:۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی عمر بیس سال کی ہوئی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خوبصورت نمونہ نقاش فطرت جوانی کا روپ پایا۔ اٹھتی جوانی' خدوخال کے لحاظ سے خوبرو اور شکیل نوجوان' سڈول جسم' رنگ سرخ و سفید' پیشانی چوڑی' بال سیاہ اور گھنگھریالے'

آنکھیں جھیل کی مانند گہری تھیں جن میں اکثر اوقات سرخ ڈورے فروزاں رہتے تھے۔ مردم سیاہ دراز' ہونٹ باریک اور گردن ایک پروقار انداز سے اٹھی ہوئی تھی۔ چہرے کی ساخت قدرے کتابی' خوبی وکمال کا مرقع' لہجے میں ملائمت اور بلا کی مٹھاس تھی۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھنے والے کا جی چاہتا تھا کہ بلا کسی توقف کے مسلسل دیکھتا ہی چلا جائے اور سننے والوں کی یہ خواہش کہوتی ہ وہ ہمہ تن گوش سنتے رہیں۔ ہر ایک بیک زبان پکار اٹھتا کہ نقاش فطرت نے اپنا ایک حسین شاہکار پیدا کر کے اس کائنات رنگ و بو میں بھیج دیا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ورزش کا بے حد شوق تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی جسمانی نشوونما روز افزوں تھی اور اس عمر میں بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کا سراپا عمر سے کہیں زیادہ تنومند اور خوبصورت نظر آتا۔

ایسا کہاں بہار میں رنگینیوں کا جوش
شامل کسی کا خونِ تمنا ضرور تھا

باب 7:

بچپن کے غیر معمولی واقعات

حضرت غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا بچپن عام بچوں سے مختلف تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن میں کچھ ایسے واقعات کا ظہور بھی ہوا جو تاریخ کا حصہ بنے۔

قادیانی کی ہلاکت:۔

جس سال غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے اسی سال مرزا غلام احمد قادیانی کذاب اور نبوت کے جعلی دعویدار کی ہلاکت ہوئی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش پر اللہ تعالیٰ نے اُس کو واصلِ جہنم کیا۔

مدینہ منورہ میں ریلوے کا آغاز:۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ جب پیدا ہوئے تو اُسی سال ہی مدینہ منورہ میں حجاز ریلوے سروس کا آغاز ہوا۔ ریلوے سروس کے آغاز سے ہی عازمین حجاجِ کرام کو سفر کی سہولت حاصل ہوگئی۔

فرانسیسیوں کو شکست فاش:۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش کے ساتھ ہی فرانسیسی جو کہ مسلمانوں کے خلاف مراکش میں جنگ لڑ رہے تھے شکست فاش ہو کر وہاں سے بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔

اس کے علاوہ اسی سال افغانستان میں نئے تعلیمی نصاب کا بھی آغاز ہوا۔

خوش نصیب :-

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کا ایک اور واقعہ یہ ہے کہ ایک روز کسی فقیر نے اُن کے گھر کے دروازے پر آ کر دستک دی اور صدا لگائی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو گود میں لئے دروازہ پر آئیں تا کہ حسب استطاعت اُس فقیر کی مدد کر سکیں۔ فقیر کی نگاہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ پر پڑی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ سے کہا!

''تیرا بیٹا بہت خوش نصیب ہے اور اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنا احسان فرمایا ہے۔''

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ نے اُس فقیر کو کوئی جواب نہیں دیا۔ فقیر نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو پکڑ لیا اور چومنے لگا۔ پھر فقیر نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ سے کہا!

''بیٹا! اس کو سبز کپڑے پہنایا کرو۔''

جب اُس شام طالع مند گھر واپس آئے تو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ نے سارا ماجرا گوش گزار کر دیا اور بتایا کہ اُس فقیر نے کہا کہ اس بچے کو سبز کپڑے پہنایا کرو۔ طالع مند نے علم الدین کو گود میں پکڑ لیا اور بے اختیار چومنے لگے۔

اگلے روز طالع مند نے کام سے واپس آتے ہوئے سبز رنگ کے کپڑے خریدے اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ کو لا کر دیا۔ والدہ نے کپڑے سی کر علم الدین کو پہنا دیئے۔

باب 8:

تعلیم و تربیت و عادات و خصائل

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ جب چھ برس کے ہوئے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد نے محلے کی ایک مسجد میں قرآن پاک کی تعلیم کے لئے داخل کرا دیا۔ تین سال تک وہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد اکبری گیٹ کے اندر واقع بازار نو ہریاں میں بابا کالو کے پاس پڑھنے کے لئے داخل کروا دیا گیا۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت اضطراری تھی اور شاید یہی وجہ ہے کہ وہ تعلیم حاصل نہ کر سکے جب کہ اُن کے بھائی دین محمد مسلسل تعلیم حاصل کرتے رہے۔ تین سال کی تعلیم میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو صرف حروف کی پہچان ہوئی تھی۔

تعلیم حاصل نہ کرنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ قدرت نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو کسی اور کام کے لئے چن رکھا تھا اور ایک ایسا جوہر مخفی کر رکھا تھا جس سے وقتی طور پر والدین اور دیگر لوگ بے خبر تھے۔ جب یہ جوہر وقت آنے پر آشکار ہوا تو کوئی بھی اس کی تاب نہ لا سکا اور یہ وہ جوہر تھا جس کا بدل اس کائنات میں کوئی چیز نہیں تھی۔

جب غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے والد نے دیکھا کہ ان کا رجحان تعلیم کی طرف نہیں ہے تو اُنہوں نے علم الدین کو اپنے والا یعنی نجار کا ہنر سکھانا شروع کر دیا اور اس بات کا اظہار کیا کہ علم الدین میری طرح ایک اچھا نجار بن جائے۔ اسی وجہ سے انہیں بھاٹی گیٹ کے رہائشی نظام الدین کا شاگرد بنا دیا گیا جہاں چند ماہ میں ہی غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کام سیکھ لیا۔

اس کام میں مہارت غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد طالع مند اور

بھائی محمد دین سے حاصل کی۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلا کام شیخ نیاز محمد کی کوٹھی پر کیا اور داد حاصل کی۔ اس طرح تین سال گزر گئے اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ باپ اور بھائی کے ساتھ دوکان چلانے لگے۔

طالع مند اس دوران گاہے بگاہے انبالہ، کوہاٹ اور دوسرے دور دراز مقامات پر بھی جا کر کام کیا کرتے تھے اور جب غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کام سیکھ لیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ بھی والد محترم کے ساتھ اکثر و بیشتر کام کی غرض سے دور دراز کا سفر اختیار کرتے رہے۔

محمد دین کے بارے میں باپ کا خیال تھا کہ وہ پڑھ لکھ کر کوئی سرکاری ملازمت اختیار کر لیں۔ بالآخر اُن کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوا اور محمد دین ریلوے میں ملازم ہو گئے اور جلد ہی اپنی ذہانت کا مظاہرہ کرنے لگے۔ محمد ین بہت ذہین اور ہوشیار شخص تھے۔ تمام اہل خانہ اور عزیز و اقارب محمد ین کی عزت کرتے تھے۔ محمد دین اور حضرت غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ میں بھی بے حد پیار تھا جس کو دیکھ کر لوگ رشک کرتے تھے۔

عادات و خصائل:۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ فطرتاً نہایت سیدھے سادھے، صاف گوئی میں نمایاں خوبی کے حامل، کذب و فریب سے قطعاً نا آشنا، عادات و خصائل میں منفرد تھے۔ اجنبی گھر اور اجنبی لوگوں سے کھانے پینے سے اجتناب ان کی فطرت میں شامل تھا البتہ کسی حد تک کبھی کبھار کسی ہوٹل کو رونق ضرور بخشتے لیکن ہوٹل کے کھانوں کو ناپسند فرماتے تھے۔ البتہ گھر کی روکھی سوکھی روٹی اور والدہ کے ہاتھ کی پکی ہوئی دیگر اشیاء بڑے رغبت سے کھاتے تھے۔ اگر کبھی گھر سے باہر کہیں روٹی کھانے کا موقعہ ملتا تو روکھی سوکھی جیسی بھی میسر آتی بصد شکر کھالیتے، ورنہ پانی پی کر گزارہ کرتے تھے۔

جب غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی عمر بیس سال کی ہوئی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خوبصورت نمونہ نقاش فطرت جوانی کا روپ پایا۔ اٹھتی جوانی، خدوخال کے لحاظ سے خوبرو اور شکیل نوجوان، سڈول جسم، رنگ سرخ و سفید، پیشانی چوڑی، بال سیاہ اور گھنگھریالے، آنکھیں جھیل کی مانند گہری تھیں جن میں اکثر اوقات سرخ ڈورے فروزاں رہتے تھے۔ مردم سیاہ دراز، ہونٹ باریک اور گردن ایک پُر وقار انداز سے اٹھی ہوئی تھی۔ چہرے کی ساخت قدرے کتابی، خوبی و کمال کا مرقع، لہجے میں ملائمت اور بلا کی مٹھاس تھی۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھنے والے کا جی چاہتا تھا کہ بلا کسی توقف کے مسلسل دیکھتا ہی چلا جائے اور سننے والوں کی یہ خواہش کہوتی ہ وہ ہمہ تن گوش سنتے رہیں۔ ہر ایک بیک زبان پکار اٹھتا کہ نقاش فطرت نے اپنا ایک حسین شاہکار پیدا کر کے اس کائنات رنگ و بو میں بھیج دیا ہے۔

تیرے بدن کا ہر جز اک شعر خوبصورت
لیکن یہ تیری آنکھیں پورا کلام جیسے

آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ورزش کا بے حد شوق تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی جسمانی نشوونما روز افزوں تھی اور اس عمر میں بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کا سراپا عمر سے کہیں زیادہ تنومند اور خوبصورت نظر آتا۔

ایسا کہاں بہار میں رنگینیوں کا جوش
شامل کسی کا خون تمنا ضرور تھا

باب 9:

متفرق واقعات

روحانی فیوض حاصل ہونا:-

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ جب سن بلوغت کو پہنچے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلا سفر اپنے والد میاں طالع مند کے ساتھ ملتان اور خانیوال کا کیا اور وہاں پر واقع بزرگان دین کے مزارات کی زیارت سے مستفید ہوئے اور روحانی فیوض و برکات حاصل کیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد میاں طالع مند لاہور کے نواحی قصبہ لکھن شریف میں واقع مزار پر اکثر تشریف لے جاتے تھے۔ جہاں خواجہ محمد بخش ولی کامل کا مسکن تھا جن کا شمار زمانے کے جید عالم دین، بلند پایہ مفسر اور بزرگوں میں ہوتا تھا اور جن کی مقناطیسی روحانی شخصیت ہر ایک کو اپنی جانب کھینچتی تھی اور روحانی جذب و سلوک سے متعارف کروا کر روحانی فیض سے بہرہ مند فرماتی تھی۔

چونکہ طالع مند اکثر وہاں اپنی خاص عقیدت کی بناء پر حاضر ہوتا رہتا تھا، اس لئے وہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو بھی دو تین مرتبہ لے گئے۔

بقول پیر دستگیر نامی!

"حضرت غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد کے ہمراہ انبالہ کا بھی سفر کیا اور وہاں پر کام کرنے کے علاوہ کئی شخصیات سے روحانی فیض بھی حاصل کیا۔"

عشق کا جذبہ:-

یہ ۱۹۲۸ء کے شروع کے دن تھے جب غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے کم سن بھتیجے شوکت دین کا انتقال ہوگیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ گھر والوں کے ہمراہ بھتیجے کو دفنانے کے لئے قبرستان میانی صاحب لاہور گئے۔ قبرستان سے واپسی پر آپ رحمۃ اللہ علیہ کو راستہ میں ایک عظیم الشان جنازہ ملا۔ یہ جنازہ گڑھی شاہو لاہور کے مشہور صوفی بزرگ اور اُس دور کے نابغہ روزگار ولی حضرت مولوی تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ اس جنازہ میں ہزاروں لوگ شریک تھے۔ جنازہ میں عجیب سی عشقیہ کیفیت طاری تھی اور یہ جنازہ، جنازہ گاہ کی طرف رواں دواں تھا۔ اس جنازے میں لوگوں کی والہانہ عقیدت اور محبت دیکھ کر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں بھی عشق کا ایک ننھا بیج پیدا ہوا اور اس جنازے سے متاثر ہو کر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا!

"کاش! زندگی ہو تو ایسی اور موت ہو تو ایسی جس سے کچھ نصیحت اور عبرت حاصل ہو۔"

یہ وہ لمحات اور وہ الفاظ تھے جنہوں نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو ایک نیا رُخ دیا اور انہی الفاظ نے حقیقت کا روپ دھارتے ہوئے ثابت کر دیا کہ واقعی موت ہو تو ایسی کہ روزِ محشر تک قلوبِ انسانی سے اُس کا نقش نہ مٹ سکے۔

خواب کی حقیقت:-

محمد دین کو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے بے حد محبت تھی اور وہ اُن کے بغیر رہ بھی نہیں سکتے تھے۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ذرا سی تکلیف بھی اُن کو بے چین کر دیتی تھی اور اُن کی عدم موجودگی کو وہ بہت زیادہ محسوس کرتے تھے۔

غازی علم دین شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے باپ کے ہمراہ سیالکوٹ کام کے سلسلہ میں گئے ہوئے تھے تو ایسے میں محمد دین کی بے چینی دیدنی تھی۔ انہوں نے غازی علم الدین

شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک بھیانک خواب دیکھا جس سے وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے اور ان کی اس گھبراہٹ پر سارا خاندان اُن کے گرد اکٹھا ہو گیا۔ انہوں نے اپنا خواب بیان کیا!

"میں نے علم دین کو کام کرتے ہوئے سیڑھیوں سے گر کر زخمی ہوتے دیکھا ہے اور اس وجہ سے میرا دل سخت پریشانی میں مبتلا ہو گیا ہے۔"

محمد دین کی بات سے گھر والے پریشان ہو گئے۔ اسی اثناء گھر والوں کو کسی نے خط لکھنے کا مشورہ دیا تا کہ خیریت معلوم ہو سکے اور کسی نے اس کو خواب و خیال پریشان قرار دیا لیکن محمد دین کو کسی پل چین نہ آیا اور وہ ماں سے اجازت لے کر سیالکوٹ چلے گئے۔

سیالکوٹ پہنچ کر محمد دین نے اُس جگہ کا رخ کیا جہاں کا پتہ اُن کے پاس موجود تھا لیکن والد طالع مند اور بھائی علم دین وہاں نظر نہ آئے تو محمد دین نے اُن بزرگوں سے باپ اور بھائی کے بارے میں دریافت کیا۔ جس پر وہاں موجود ایک بزرگ جن کا نام اختر مرزا تھا نے انہیں بتایا کہ

"اُن کا کام بند پڑا ہے اور طالع مند اب یہاں کام نہیں کرتے بلکہ اسی محلہ میں ان کے کسی جاننے والے کے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں اور ان کا کام کر رہے ہیں۔"

اس پر محمد دین مزید پریشان ہو گیا اور اختر مرزا کے مجبور کرنے پر صرف اتنا کہا کہ

"کافی دنوں سے اُن کا کوئی خط نہیں آیا اس لئے میں خیریت دریافت کرنے آیا ہوں۔"

اختر مرزا نے بتایا کہ طالع مند کچھ دن بیمار رہے ہیں لیکن اب ٹھیک ہیں۔

بہر حال محمد دین اقان کے ہمراہ اس جگہ روانہ ہوئے جہاں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے باپ کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے۔

گندے نالے کے سامنے والی گلی سے ہوتے ہوئے وہ ایک تنگ سی گلی میں داخل ہوئے اور دائیں طرف کے تیسرے مکان کے دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا تو سامنے طالع مند نظر آئے۔ قدرے اندھیرے کی وجہ سے طالع مند انہیں پہچان نہ سکے لیکن محمد دین باپ کو دیکھتے ہی اُن سے لپٹ گئے۔ طالع مند نے شفقت سے محمد دین کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور پیشانی کا بوسہ لیا اور پھر انہیں اندر لے گئے اور گھر کا حال احوال پوچھا جس پر محمد دین نے سب کی خیریت کی اطلاع دی۔

گھر کے اندر داخل ہوئے تو سامنے چارپائی پر ہی غازی علم دین شہید رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے تھے۔ دیئے کی مدھم روشنی میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بھائی محمد دین کو دیکھا تو خوشی سے اچھل پڑے اور جلدی سے اٹھ کر شدت جذبات سے بھائی سے لپٹ گئے اور اس طرح کافی دیر تک دونوں بھائی باہم بغل گیر رہے۔ کچھ دیر بعد الگ ہوئے اور بیٹھ گئے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی محمد دین کے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ گزشتہ روز کام کے دوران ان کے ہاتھ پر تیشہ لگ گیا تھا اور ہاتھ زخمی ہو گیا تھا۔

محمد دین نے جب استفسار کیا کہ کیا زخم زیادہ گہرا تو نہیں آیا؟

طالع مند نے جواب دیا!

"نہیں! اللہ تعالیٰ نے بچا لیا، فکر کرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔

جلد ہی ٹھیک ہو جائے گا۔"

اور اس طرح رات گئے تک دونوں بھائی باتوں میں مصروف رہے اور اگلے روز گھر واپس آ کر ان کی خیریت کی اطلاع والدہ کو دی۔

اس دوران غازی علم دین شہید رحمۃ اللہ علیہ ہفتہ بھر کام نہ کر سکے اور ایک ہفتہ بعد ہاتھ کے درست ہونے پر اپنے کام میں مصروف ہوئے۔

محمد دین نے لاہور سے دو خط بھی لکھے جس میں لاہور جلد آنے کی درخواست کی چونکہ کام ختم ہونے کو تھا۔ اس لئے ادھر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ سترہ روز اس بات کو گزر چکے تھے اُدھر ابھی کام ختم نہ ہوا تھا کہ انہیں ایک اور کام کی پیش کش ملی لیکن طالع مند نہ مانے اور سیالکوٹ سے لاہور آ گئے۔

گھر واپس پہنچ کر غازی علم دین شہید رحمۃ اللہ علیہ والدہ سے ملے اور پھر بھائی کے بارے میں پتہ کیا تو پتا چلا کہ وہ اپنے کام سے شام کو گھر واپس آتے ہیں۔ رات کو جب محمد دین گھر واپس آئے تو بھائی غازی علم دین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر ان کی خوشی دیدنی تھی۔

تربیت کا اثر:-

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا گھر پرانی وضع کا تھا جہاں وہ والدین کے زیر سایہ تربیت پا رہے تھے۔ گھر سے انہوں نے عزت اور شرافت کا سبق لیا۔ یہیں سے دیانت داری کی خو پائی۔ گھر ہی درس گاہ ٹھہری چونکہ کتابی علم تو نہیں ملا لیکن اُس کی روح جذب کی۔ اُس کی غایت جانی پہچانی۔ علم تو ان کے نام کا حصہ تھا وہ اعلیٰ درجے کا انسان بن رہے تھے۔ علم تو نور ہے جب یہ بندے کے اندرون کو روشن کرے تو وہ نورانی ہو جاتا ہے۔

علم کے بارے میں کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

علم رابہ تن زنی مارے بود
علم را بر دل زنی یارے بود

آپ رحمۃ اللہ علیہ گھر کے شریفانہ ماحول میں ڈھل گئے۔ والد کی صحبت میں رہ کر معلوم ہوا کہ بندہ وہ ہے جو دوسروں کے کام آئے۔ باپ کی زیر تربیت یہ بات اپنی

زندگی کا جزو لازم ٹھہرائی اور ایثار و احسان کو زندگی کا بنیادی عنصر قرار دے دیا۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ ہر ایک سے خلوص سے پیش آنے لگے کیونکہ اس کا صلہ اُنہیں کسی نہ کسی شکل میں مل ہی جاتا ہے۔ دماغ پر بچپن کے بہت سے ایسے واقعات نقش تھے جنہوں نے اُن کی آئندہ زندگی اور کردار سازی میں اہم کام سرانجام دیا اور زندگی کو ایسے رخ پر موڑا جس نے آگے چل کر ان کو ''غازی اور شہید'' دونوں القاب سے بیک وقت سرفراز فرمایا۔

بھائی محمد دین کی محبت:۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی محمد دین کو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بہت محبت تھی اور وہ ان کے بغیر رہ بھی نہیں سکتے تھے۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ذرا سی تکلیف بھی ان کو بے چین کر دیتی تھی اور ان کی عدم موجودگی کو وہ بہت زیادہ محسوس کرتے تھے۔ غازی علم دین شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے باپ کے ہمراہ سیالکوٹ کام کے سلسلہ میں گئے ہوئے تھے تو ایسے میں محمد دین کی بے چینی دیدنی تھی۔ انہوں نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک بھیانک خواب دیکھا جس سے وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے اور ان کی اس گھبراہٹ پر سارا خاندان ان کے گرد اکٹھا ہوگیا۔ انہوں نے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے علم دین (رحمۃ اللہ علیہ) کو کام کرتے ہوئے سیڑھیوں سے گر کر زخمی ہوتے دیکھا ہے اور اس وجہ سے میرا دل سخت پریشانی میں مبتلا ہو گیا ہے۔ محمد دین کی بات سے گھر والے پریشان ہو گئے۔ اسی اثناء گھر والوں کو کسی۔ نے خط لکھنے کا مشورہ دیا تاکہ خیریت معلوم ہو سکے اور کسی نے اس کو خواب و خیال پریشان قرار دیا لیکن محمد دین کو کسی پل چین نہ آیا اور وہ ماں سے اجازت لے کر سیالکوٹ چلے گئے۔

سیالکوٹ پہنچ کر محمد دین نے اس جگہ کا رخ کیا جہاں کا پتہ ان کے پاس موجود تھا لیکن والد طالع مند اور بھائی علم دین وہاں نظر نہ آئے تو محمد دین نے ان

بزرگوں سے باپ اور بھائی کے بارے میں دریافت کیا۔ جس پر وہاں موجود ایک بزرگ جن کا نام اختر مرزا تھا نے انہیں بتایا کہ ان کا کام بند پڑا ہے اور طالع مند اب یہاں کام نہیں کرتے بلکہ اسی محلہ میں ان کے کسی جاننے والے کے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں اور ان کا کام کر رہے ہیں۔ اس پر محمد دین مزید پریشان ہو گیا اور اختر مرزا کے مجبور کرنے پر صرف اتنا کہا کہ کافی دنوں سے ان کا کوئی خط نہیں آیا اس لئے میں خیریت دریافت کرنے آیا ہوں۔

اختر مرزا نے بتایا کہ طالع مند کچھ دن بیمار رہے ہیں لیکن اب ٹھیک ہیں بہر حال محمد دین ان کے ہمراہ اس جگہ روانہ ہوئے جہاں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے باپ کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے۔ گندے نالے کے سامنے والی گلی سے ہوتے ہوئے وہ ایک تنگ سی گلی میں داخل ہوئے اور دائیں طرف کے تیسرے مکان کے دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا تو سامنے طالع مند نظر آئے۔ اندھیرا ہونے کی وجہ سے طالع مند انہیں پہچان نہ سکے لیکن محمد دین باپ کو دیکھتے ہی ان سے لپٹ گئے۔ طالع مند نے شفقت سے محمد دین کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور پیشانی کا بوسہ لیا اور پھر انہیں اندر لے گئے اور گھر کا حال احوال پوچھا جس پر محمد دین نے سب کی خیریت کی اطلاع دی۔ گھر کے اندر داخل ہوئے تو سامنے چارپائی پر ہی غازی علم دین شہید رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے تھے۔ دیئے کی مدھم روشنی میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بھائی محمد دین کو دیکھا تو خوشی سے اچھل پڑے اور جلدی سے اٹھ کر شدت جذبات سے بھائی سے لپٹ گئے اور اس طرح کافی دیر تک دونوں بھائی باہم بغل گیر رہے اور کچھ دیر بعد ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر بیٹھ گئے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی محمد دین کے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ گزشتہ روز کام کے دوران ان کے ہاتھ پر تیشہ لگ گیا تھا اور ہاتھ زخمی ہو گیا تھا۔ محمد دین نے جب استفسار کیا کہ کیا زخم زیادہ گہرا تو نہیں آیا؟

طالع مند نے جواب دیا کہ نہیں! اللہ تعالیٰ نے بچالیا' فکر کرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ جلد ہی ٹھیک ہو جائے گا اور اس طرح رات گئے تک دونوں بھائی باتوں میں مصروف رہے اور اگلے روز گھر واپس آ کر ان کی خیریت کی اطلاع والدہ کو دی۔ اس دوران غازی علم دین شہید رحمۃ اللہ علیہ ہفتہ بھر کام نہ کر سکے اور ایک ہفتہ بعد ہاتھ کے درست ہونے پر اپنے کام میں مصروف ہوئے۔

محمد دین نے لاہور پہنچنے کے بعد بھی دو خط لکھے جس میں انہیں لاہور جلد آنے کی درخواست کی۔ کام ختم ہونے کے نزدیک تھا اس لئے ادھر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ سترہ روز اس بات کو گزر چکے تھے ادھر ابھی کام ختم نہ ہوا تھا کہ انہیں ایک اور کام کی پیش کش ملی لیکن طالع مند نہ مانے اور سیالکوٹ سے لاہور آ گئے۔ گھر واپس پہنچ کر غازی علم دین شہید رحمۃ اللہ علیہ والدہ سے ملے اور پھر بھائی کے بارے میں پتہ کیا تو پتا چلا کہ وہ اپنے کام سے شام کو گھر واپس آتے ہیں۔ رات کو جب محمد دین گھر واپس آئے تو بھائی غازی علم دین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر ان کی خوشی دیدنی تھی۔

طالع مند نے لاہور واپس آنے کے بعد اپنے بھائی سے مشورہ کرتے ہوئے ان سے کہا کہ اب محمد دین کا گھر بسانے کا وقت آن پہنچا ہے اس لئے تم اس کے لئے کوئی اچھا سا رشتہ تلاش کرو تا کہ میں جلد از جلد اس فرض کو ادا کر سکوں۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ کو جب محمد دین کی شادی کے بارے میں معلوم ہوا تو ان کی خوشی دیدنی تھی۔ کچھ دنوں بعد محمد دین کا رشتہ ان کے رشتہ داروں میں طے ہو گیا۔ چند دنوں بعد شادی ہوئی اور محمد دین رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کوہاٹ میں:۔

یکم جنوری ۱۹۲۸ء کو طالع مند جب کوہاٹ جانے لگے تو اپنے ہمراہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو بھی لے گئے جہاں انہوں نے ایک مکان کرائے پر لیا اور شہر میں کام کرنے لگے۔ چونکہ طالع مند اکثر وہاں آتے رہتے تھے، اس لئے ان کو وہاں کام

کرنے کے سلسلے میں اور ضروریات زندگی پورا کرنے میں کبھی کوئی دقت پیش نہیں آئی۔

طالع مند نے جو مکان کا کرایہ پر حاصل کیا تھا اُس کا مالک اکبر خان اچھا انسان تھا۔ شروع شروع میں اُس کا رویہ صرف واجبی سا تھا لیکن آہستہ آہستہ وہ طالع مند کے قریب ہوتا گیا اور جب طالع مند رات کو کام سے واپس آتے تو اُن کے پاس آ کر بیٹھ جاتا۔ اکبر خان طالع مند اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی شرافت اور دیانت داری کا قائل ہو گیا تھا اور اس کا ذکر اپنے ملنے والوں سے بھی کرتا رہتا تھا۔

ایک روز طالع مند اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اسی محلہ میں رہائش پذیر روشن خان کے گھر کام کے لئے گئے ہوئے تھے کہ وہاں اُنہیں پتہ چلا کہ اکبر خان کا اپنے بھائی سے جھگڑا ہو گیا اور اور اس جھگڑے میں اُس کا بھائی شدید زخمی ہو گیا ہے۔ بھائی کی رپورٹ پر پولیس اکبر خان کو پکڑ کر لے گئی ہے۔ طالع مند نے روشن خان سے کہا کہ میں گھر جا رہا ہوں۔ روشن خان کے دریافت کرنے پر طالع مند نے اکبر خان کی گرفتاری کی ساری بات بتا دی۔ روشن خان نے کہا!

''تمہاری اُس کے ساتھ کیا رشتہ داری ہے جو کام چھوڑ کر جا رہے ہو؟''

طالع مند نے کہا!

''میں اُس کا کرائے دار ہوں اور وہ میرا محسن ہے۔ اگر خوشی کے لمحات میں وہ ہمیں نہیں بھولتا تو پھر اُس کی مصیبت کی گھڑی میں میں کیوں اُس کو بھلا دوں؟''

پھر طالع مند روشن خان کی اجازت کے بغیر اور خلافِ توقع کام چھوڑ کر چلے گئے۔ اس دوران غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ والد کی اجازت سے کام کرتے رہے۔ روشن خان طالع مند کے اس خلوص سے متاثر ہو کر اُن کے پیچھے پیچھے اکبر خان کے گھر گیا اور اُس کے گھر والوں کو ہر ممکن تعاون کی یقین دہانی کرائی۔

روشن خان کی کوششوں اور طالع مند کی پُرخلوص نیت کی وجہ سے اکبر خان کو

دوسرے دن ہی پولیس نے چھوڑ دیا۔

اکبر خان تو سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ طالع منداُن کے لئے اتنا کچھ کریں گے۔
طالع منداس واقعہ کے ایک سال تک کوہاٹ میں رہے اور اکبر خان نے اس دوران اُن سے مکان کا کرایہ لینے سے صاف انکار کر دیا۔ طالع منداُس کو اصرار کرتے تو وہ انکار کر دیتا اور پہلے سے بھی زیادہ اُن کا خیال رکھنے کی کوشش کرتا۔

طالع منداور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ جتنے دن گھر سے دور رہے تھے اُن کا رابطہ گھر والوں سے خط و کتابت کے ذریعے رہتا تھا۔ جب دونوں باپ بیٹا گھر پہنچے تو گھر والوں کی خوشی دیدنی ہوگئی۔ گھر میں اس طرح چہل پہل تھی جیسے اُن کے لئے عید کا دن ہو۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی شادی کی تیاریاں:۔

کوہاٹ سے واپسی پر طالع مند کی خواہش تھی کہ اب وہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا گھر بھی بسا دیں۔ چنانچہ اس خواہش کے نتیجے میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا رشتہ اُن کے ماموں کی بیٹی سے طے پا گیا۔ طالع منداپنے آپ کو نہایت ہی خوش قسمت تصور کرتے تھے کہ اپنے دونوں بیٹوں کی شادیاں اپنی ہی زندگی میں دیکھنے کا موقع مل رہا تھا۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ ان سب باتوں سے بے خبر اپنے آپ میں مگن رہتے تھے۔ اُنہیں اُس وقت تک یہ بھی نہ پتہ تھا کہ ملک کے حالات کیا ہیں اور گندی ذہنیت کے مالک راج پال بدبخت نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے کتاب ''رنگیلا رسول'' تحریر کی ہے۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اُس وقت ملکی صورتحال کی نسبت اپنے کام میں مشغول تھے اور اپنے اردگرد کے حالات سے بالکل بے خبر تھے۔

باب 10:

مذہبی طوفان کا آغاز

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ طبیعتاً ملنسار اور اپنے حال میں مگن رہنے والے انسان تھے۔ اس زمانے میں گھر سے باہر کیا سیاسی صورتحال تھی اور ملک کس سیاسی طوفان سے گزر رہا تھا، اس بارے میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ مکمل بے خبر تھے۔ اُنہیں تو یہ بھی علم نہ تھا کہ ہندو کی بدطینت فطرت کیا رنگ لائی ہے اور انتہائی گندی ذہنیت کے حامل ایک شخص راجپال نے اپنی شیطانی ذہنیت اور ہٹ دھرمی کا گھناؤنا مظاہرہ کرتے ہوئے نبی آخر الزمان جنابِ احمد مجتبےٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان اقدس کے خلاف ایک دل آزار کتاب ''رنگیلا رسول'' شائع کر کے کروڑوں مسلمانوں کے جذبات بری طرح مجروح کر دیئے ہیں۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنی سادگی اور سادہ صفت طبیعت کے ہاتھوں ان تمام باتوں سے سخت بے خبر تھے۔ انہیں اس بات کا بالکل علم نہ تھا کہ ملک میں کس قسم کے سیاسی اور مذہبی طوفان کا آغاز ہو چکا ہے ایک طرف ہندو مسلم اتحاد زندہ باد، انقلاب زندہ باد، فرنگی راج مردہ باد کے فلک شگاف نعرے رات دن گونج رہے تھے۔ دوسری طرف ہندو کی گندی ذہنیت فرنگی کے ایماء پر مسلمانوں کو درپردہ کچلنے اور صرف ہندو راج پاٹ کے لئے برسرپیکار تھی۔ اوپر سے پیار والفت کی چکنی چپڑی باتوں سے مسلمانوں کو بہلا رہے تھے اور اندر سے کوئی ایسا موقع چھوڑنے کو تیار نہ تھے جس سے مسلمانوں کو ذہنی، جسمانی، مذہبی اور سیاسی ضعف پہنچ سکے، ان کا یہ حال تھا کہ ظاہری منہ سے رام رام پکار رہے تھے اور اندرونی لحاظ سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے

لئے بغل میں چھری دبائے بیٹھے تھے اور اس ضمن میں شیطان صفت گندی ذہنیت کے مالک راجپال نے نفرتوں اور کراہتوں کا ایک نیا لا متناہی طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ اس طوفان بدتمیزی کی لپیٹ میں ہندوؤں کے سمجھ دار اور سیانے لوگ بھی آ گئے تھے اور وہ دو حصوں میں بٹ گئے تھے۔ ان میں سے خالص مسلم دشمن عناصر یکجا ہو گئے تھے جبکہ عدل و انصاف کے چاہنے والے اور ہندو مسلم اتحاد کے حامی دوسری طرف ہو گئے تھے۔ البتہ ایسے لوگوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی اسی لئے ان کی اٹھنے والی آواز کی مثال نقار خانے میں طوطی جیسی تھی۔

ان حالات میں جب غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو اصل صورتحال کا کسی حد تک ادراک ہوا تو اس کے اندر چھپے ہوئے مسلمان نے انگڑائی لی اور دل میں طوفانوں کے بادل منڈلانے لگے۔ ان کی پرسکون زندگی میں اٹھان پیدا ہوا۔ جس نے ان کی تمام سوچوں کا محور ہی بدل دیا۔ شاید یہ ان کی گھریلو طبیعت کا فاصلہ تھا اور قدرت بھی شاید اس کے گھرانے کو سرفراز فرمانا چاہتی تھی۔ اس لئے اُن کے اندر زندگی کے اس موڑ پر ایک نئے گرداب نے جنم لیا۔ طوفانوں نے ایک نئے انداز سے ان کی زندگی کے تصور کو نئی سوچ سے ہمکنار کیا اور اس سمت میں اپنے سے زیادہ شدت سے اُن کی زندگی کو مکمل طور پر بدل کر رکھ دیا۔

کتاب ''رنگیلا رسول'':-

''رنگیلا رسول'' نامی کتاب دراصل سوامی دیانند کے ایک چیلے مہاشا کرشن ایڈیٹر ''پرتاب'' لاہور نے لکھی جس میں اس ننگ انسانیت نے حضور رسالت مآب ﷺ کے بارے میں بے شمار دل آزار باتیں لکھیں اور ایسی ایسی نازیبا باتیں لکھیں کہ جن کے پڑھنے سے نہ صرف مسلمان بلکہ ہر باشعور غیرت مند غیر مسلم بھی کم از کم یہ دعا ضرور کرے کہ اس سے بہتر یہ ہے کہ اسے موت آ جائے۔ اس کتاب میں قرآن کریم

کی آیات اور احادیث قدسی کی انتہائی غلط تاویلات پیش کی گئیں۔

چونکہ اُسے اس بات کا بخوبی ادراک تھا کہ مسلمان ایمان کے معاملے میں ایک سنگ کی مانند کھرے اور سچے ہوتے ہیں اور اس کتاب میں جو شرمناک باتیں لکھیں ہیں اُن سے مسلمانوں کے دلوں کے اندر ایک انتہائی لامتناہی تند و تیز طوفان اٹھ کھڑا ہو گیا۔

اس لئے راجپال نے اس کتاب کے منظر عام پر آنے کے بعد اٹھنے والے طوفان سے بچنے کے لئے اپنی بجائے ''پروفیسر پنڈت چمپوتی لال ایم اے'' کا فرضی نام بطور مصنف تحریر کر دیا تھا تاکہ اُس کے خلاف کوئی اخلاقی یا قانونی کاروائی نہ ہو سکے۔ البتہ اس کتاب کے اوپر اس کتاب کے پبلشر راجپال کا نام اور اس کی دوکان واقع ہسپتال روڈ کا نام و پتہ مکمل موجود تھا۔

مسلمانوں نے راجپال سے اخلاقی دائرہ کے اندر کئی مرتبہ درخواست کی کہ وہ اس کتاب کی تشہیر اور فروخت کی بجائے اس کتاب کو تلف کر دے تاکہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان کوئی سخت قسم کا تنازعہ نہ اٹھ کھڑا ہو اور ملک کی فضاء مذہبی منافرت کا شکار ہو کر لوگوں کی زندگی کو جہنم زار نہ بنا دے۔ لیکن راجپال نے اپنی شیطان صفت ذہنیت کی بدولت اور اس کے مصنف ایڈیٹر پرتاب کی شہہ پر اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا اور اس طرح یہ کتاب نہ صرف باعث نزاع بنی بلکہ تمام مسلمانوں کے ایمان پر ایک تازیانہ ثابت ہوئی اور مسلمان جو کہ اپنے ایمان کی اساس کلمہ اور حب رسول اللہ ﷺ کو ہر شے پر مقدم جانتا ہے۔ اُن کی ناموس کی حفاظت کے لئے میدان میں سرفروشانہ نکلنے پر مجبور ہو گیا۔

مقدمہ:۔

اس کتاب کو ضبط کرنے کے لئے برصغیر کے کونے کونے سے بالعموم اور لاہور شہر میں بالخصوص احتجاجی طوفان امنڈ پڑا تو برطانوی حکومت چونکی اور اس نے لاہور میں

دفعہ۱۴۴ نافذ کر دی لیکن حکومت کے ان ہتھکنڈوں سے مسلمانوں کا جوش و خروش کم ہونے کی بجائے روز افزوں بڑھتا ہی چلا گیا اور جب حالات قابو سے باہر ہوتے نظر آنے لگے تو ایسے میں حکومت کو مجبوراً ناشر راجپال کے خلاف فرقہ ورانہ منافرت پھیلانے کے الزام میں دفعہ ۱۵۳ الیف کے تحت مقدمہ درج کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔

۲۴ مئی ۱۹۲۴ء کو یہ واقعہ لاہور کے مجسٹریٹ مسٹر سی ایچ ڈزنی کی عدالت میں پیش ہوا۔ تفتیش کے لئے بہت سے لوگوں کو بلایا گیا تھا ان میں بادشاہی مسجد کے خطیب غلام مرشد صاحب بھی شامل تھے۔ جرح کے دوران غلام مرشد صاحب نے ایک مدلل تقریر فرمائی اور واضح الفاظ میں کہا کہ

> ''بلاشبہ اس ناخواندہ رسالہ مین بعض ہماری مفروضہ کتب کے حوالہ جات منقول ہیں لیکن ایک غور طلب امر یہ ہے کہ وہ کتابیں کیسی ہیں اور ان کے متعلق مسلم رائے عامہ کیا ہے؟ ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر دل کے کسی گوشے میں رسول اکرم ﷺ کی اہانت کا خیال بھی جاگزین ہوتو آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے پھر یہ کتابیں ہمارے نزدیک کیونکر معتبر ہو سکتی ہیں۔ قرآن حکیم ہمارے لئے حجت ہے اور صحاح ستہ ہمارا مقدس مذہبی ورثہ ہے، کہیں بھی ان کا کوئی جواز موجود نہیں اس ہتک آمیز ناول میں جمع شدہ حوالہ جات ہمارے نزدیک غیر معتبر ہیں، ان کے لکھنے والے قابل گردن زنی اور کافر ہیں، ہم ان کو واجب القتل سمجھتے ہیں۔''

مقدمے کا نتیجہ:۔

عاشقان رسول ﷺ نے حکومت پنجاب کو راجپال کے خلاف مقدمہ چلانے کو کہا اور انتہائی کوششوں کے بعد اس کے خلاف مقدمہ چلا بھی لیکن انگریز کی متعصبانہ

ذہنیت نے جو نتائج برآمد کئے وہ مسلمانوں کی توقع کے خلاف اور ہندوؤں کی توقعات کے عین مطابق تھے۔ اس کے ساتھ ہی عبدالعزیز اور اللہ بخش کو دو مختلف مقدمات میں الجھا کر ان کو سزا دی گئی اور اس طرح یہ مثل ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' پر انتہائی تیزی سے عمل درآمد کیا گیا۔

اس بے ایمانی کے خلاف اخبارات میں حکومت کے رویے پر سخت تنقید کی گئی۔ مرحوم مولوی نورالحق نے اخبار ''مسلم آؤٹ لک'' میں حکومت کے سخت رویے اور راجپال کے خلاف کھل کر لکھا جس پر انگریز حکومت کی ایماء پر پنجاب حکومت نے انہیں دو ماہ کی سزائے قید اور ایک ہزار روپے جرمانہ عائد کیا۔ دوسری طرف جلسے، جلوسوں اور اجتماعی ریلیوں اور عوام کے غم و غصہ کے باوصف راجپال نے اپنے جرم کی معافی نہ مانگی۔ حکومت پنجاب اور عدل و انصاف کے ایوانوں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی اور حق سچ کا بول بالا کرنے کی بجائے الٹا راج پال کو تحفظ فراہم کیا۔

سیاسی جدوجہد کا آغاز:۔

انگریزوں کے اس رویے سے مسلمانوں کے دل شکستگی اور درماندگی کے امتحان سے ٹوٹ کر رہ گئے لیکن پھر بھی انہوں نے ہمت نہ ہاری بلکہ پہلے سے بھی زیادہ جوش و خروش سے سرگرم عمل ہو گئے۔ اس دور میں لاہور میں دو ایسے مقامات تھے جو سیاسی سرگرمیوں کا مرکز تھے اور جہاں سے ابھرنے والی کوئی بھی آواز پورے ملک میں گونجتی تھی۔ یہ دور اس زمانے میں ایسا تھا کہ ان دونوں جگہوں پر ہر دم جوالا مکھی سلگتی رہتی، آتش نفس مقرر انہیں ہوا دیتے رہتے۔ ایسے میں یہاں کے باکمال مقرر حضرات زندگی کو موت سے لڑا کر عجیب تماشا دکھاتے۔ زندگی دیوانہ وار موت کو گلے لگانے پر تل جاتی اور ہر قسم کے سود و زیاں سے بالاتر ہو کر اپنے آپ کو داؤ پر لگاتے ہوئے انسانی جان پر کھیل جاتی۔ ایسے حالات میں راجپال کے کیس نے جلتی پر پٹرول ڈالنے والا

کام کیا اور دہلی دروازہ کا باغ اس کا مرکز بن گیا۔

انگریزوں کی چالاکیاں:۔

بہرحال مسٹر سی ایچ ڈزنی مجسٹریٹ درجہ اول نے بڑی تندہی سے فریقین کے دلائل سنے اور طویل سماعت کے بعد دسمبر ۱۹۲۴ء میں عدالت ہذا نے راجپال کو چھ ماہ قید بامشقت اور ایک ہزار روپیہ جرمانے کی سزا کا حکم سنایا۔

راجپال نے اس فیصلے کے خلاف سیشن کورٹ میں اپیل دائر کر دی جس کی سماعت کرنل ایف سی نکولس نے کی۔ اس عدالت میں اس کو مجرم تو قرار دیا گیا تاہم مجسٹریٹ کے فیصلے میں تخفیف کر دی اور سیشن جج نے ناشر مذکور کو محض چھ ماہ سزائے قید سنائی۔

طویل مدت کی اس عدالتی کاروائی کے بعد ۱۹۲۷ء میں ملزم کی جانب سے نگرانی کی درخواست ہائی کورٹ میں پیش ہوئی جس کی سماعت کنور دلیپ سنگھ کی عدالت میں ہوئی اس وقت پنجاب ہائی کورٹ کا چیف جسٹس سر شادی لال تھا جس کی ذاتی سفارش پر جسٹس کنور اور دلیپ سنگھ مسیح نے ملزم کو رہا کر دیا، کنور دلیپ سنگھ مسیح نے اپنے فیصلے میں لکھا کہ

> ”کتاب کی عبارتیں کیسی ہی ناخوشگوار ہوں، بہرحال آقائے دو جہاں، وارث کل کائنات، ہادی برحق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی توہین (نعوذ باللہ) کوئی جرم نہیں ہے اور نہ ہی اس سے قانون کی خلاف ورزی ہوئی ہے اور نہ ہی قانون کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت ہے۔“

فیصلے کے خلاف احتجاج:۔

اس فیصلے نے مسلمانوں کے جذبات کو شدید مجروح کیا اور مسلمان اپنے

ایمان اور اپنے پیارے آقا حضرت محمد ﷺ کی ناموس کو بچانے کی خاطر انتہائی جوش و خروش میں آ گئے۔

چونکہ ہائی کورٹ نے یہ فیصلہ انتہائی متعصّبانہ طرزِ عمل کے تحت دیا تھا اور اس میں انصاف کے تمام تقاضوں کو بُری طرح مجروح کیا گیا تھا اور پس پردہ فرنگی ہندو دشمنی کے زیر اثر مسلمانوں کو ذلیل کیا گیا تھا اس لئے اس سلسلہ میں متعدد جلسے اور جلوس نکالے گئے۔ چار اور پانچ جولائی ۱۹۲۷ء کی درمیانی رات مسلمانانِ لاہور کی جانب سے باغ دہلی دروازہ میں ایک جلسے کا اہتمام کیا گیا جس میں سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا احمد سعید، مولانا مفتی کفایت اللہ، چودھری فضل حق، خواجہ عبدالرحمان غازی نے تقریریں کرنی تھیں۔ لیکن اسی روز ڈپٹی کمشنر مسٹر اوگلوی نے دفعہ ۱۴۴ لگا کر جلسے کو ممنوع قرار دے دیا۔ سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کی تجویز پر یہ جلسہ احاطہ میاں عبدالرحیم بالمقابل مزار حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ بیرون دہلی گیٹ ہونا طے پایا۔ اس وسیع و عریض احاطے میں ہزاروں لوگ جمع ہو گئے اور جلسہ کی صدارت چودھری فضل حق نے کی۔ فوج اور پولیس ہمراہ مسٹر اوگلوی ذاتی طور پر بھی احاطہ کے باہر موجود تھا اور اس نے اندر آ کر اعلان کیا کہ

> ''دفعہ ۱۴۴ کے باعث یہ مجمع خلاف قانون ہے، آپ لوگ پانچ منٹ کے اندر یہاں سے چلے جائیں، ورنہ مجھے گولی چلانے کا حکم دینا پڑے گا۔''

ڈپٹی کمشنر کے اس اعلان پر خواجہ عبدالرحمٰن غازی نے انگریزی میں جواب دیا!

> ''ہم اس قانون کو اپنے پاؤں تلے روندتے ہیں جو قانون ہمیں ناموس پیغمبر ﷺ کی حفاظت کی ضمانت نہیں دیتا، تم جو چاہو کرو ہم یہ جلسہ کریں گے۔''

اس کے بعد سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری نے تقریر کرتے ہوئے کہا!

"آج ہم سب فخرِ رُسل ﷺ کی عزت کو برقرار رکھنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ بنی نوع انسان کو عزت بخشنے والے کی عزت خطرے میں ہے۔ آج اُس جلیل القدر ہستی کی ناموس خطرے میں ہے جس کی دی ہوئی عزت پر تمام موجودات کو ناز ہے۔

آج مفتی کفایت اللہ صاحب اور مولانا احمد سعید صاحب کے دروازے پر اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور اُم المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آئیں اور فرمایا! کہ ہم تمہاری مائیں ہیں؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کفار نے ہمیں گالیاں دی ہیں؟

ارے دیکھو تو اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دروازے پر تو کھڑی نہیں؟"

اس بات کو سن کر حاضرین میں کہرام مچ گیا اور مسلمان ڈھاڑیں مار مار کر رونے لگے شاہ جی نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا!

"ہماری محبت کا تو یہ عالم ہے کہ عام حالتوں میں کٹ مرتے ہو، لیکن کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آج سبز گنبد میں رسول اللہ ﷺ تڑپ رہے ہیں اور خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا اور عائشہ رضی اللہ عنہا پریشان ہیں۔ بتاؤ تمہارے دلوں میں اُمہات المومنین کی کیا وقعت ہے؟ آج اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا تم سے اپنے حق کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ وہی جنہیں رسول اللہ ﷺ حمیرا کہہ کر پکارتے تھے جنہوں نے سیّد دوعالم ﷺ کو رحلت کے وقت مسواک چبا کر دی تھی، اگر تم خدیجہ رضی اللہ عنہا اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ناموس کی خاطر جانیں دے دو تو کچھ کم فخر کی بات نہیں۔ یاد رکھو! یہ موت آئے گی تو پیامِ حیات لے کر آئے گی۔"

اس جذباتی اور موثر تقریر نے مجمع میں حشر برپا کر دیا۔ جلسہ گاہ سے نکلتے ہی لوگ باغ میں واقع اصل جلسہ گاہ جاتے اور گرفتار ہو جاتے۔ اُن پر لاٹھی چارج کیا جاتا رہا۔ یہ سلسلہ تھوڑی دیر تک جاری رہا۔ بالآخر سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری نے عوام کو اپنے جذبات پر قابو رکھنے کی اپیل کی اور کہا!

''ہمارا موقف قتل و غارت نہیں بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ برطانوی حکومت تعزیزات ہند میں ایک ایسی دفعہ کا اضافہ کرے جس کی رو سے باغیان مذاہب کے خلاف تقریر و تحریر کی پابندی ہو اور اس کی خلاف ورزی کرنے والا مجرم قرار پائے۔''

اس قرار دار کے بعد جلسہ برخاست ہو گیا لیکن عوام کو پرامن طور پر احاطہ سے نکالنے کے لئے سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری خود دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ اُن کے سامنے مسٹر اوگلوی کھڑے تھے۔ شاہ جی اپنے مخصوص انداز میں لوگوں کو پرامن رہنے کی تلقین کر رہے تھے اور ساتھ ہی مسٹر اوگلوی سے پنجابی زبان میں کہا!

''اوگلوی! اوکھے گھر نیوندرا پایا اے یعنی اوگلوی! تم نے مشکل گھرانے سے ٹکر لی ہے۔''

یہ سنتے ہی تمام مسلمانوں کی غیرت جوش میں آ گئی اور جلسہ گاہ میں موجود تمام مسلمان شہادت کے خواب سے سرشار ہو کر نہ صرف راجپال اور کنور دلیپ سنگھ مسیح بلکہ حکومت کے خلاف نعرے بلند کرتے ہوئے سول سیکریٹریٹ کی جانب چل پڑے۔ حکومت کے ایماء پر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے فوری طور پر دفعہ ۱۴۴ نافذ کر کے جلوس کو منتشر کرنے کا حکم دیا۔ مگر مسلمانوں کے اندر موجود ایمانی غیرت نے اس کی پرواہ نہ کی بلکہ اپنا سب کچھ اپنے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کرنے پر تیار ہو گئے۔ بہرحال! حکومت نے مسلمانوں کے سرکردہ افراد کو گرفتار کر کے جیل پہنچا دیا۔

اخبار ”مسلم آؤٹ لک“ کا اداریہ:

”اس سے بڑھ کر اور کیا فرقہ وارانہ دل آزاری ہو سکتی ہے کہ دنیا کا ہر مسلمان کبیدہ خاطر ہے، بلکہ ناموس حبیب کبریا ﷺ پر اپنے خون کا آخری قطرہ تک نثار کرنے کے لیے تیار ہے اخبار نے اسلامی عقیدے کی تشریح کرتے ہوئے بتایا کہ مسلمان اپنی زندگی کو حرمت امام المرسلین ﷺ پر نثار کرنا فخر سمجھتا ہے۔ قانون میں اس امر کی واضح اور کافی گنجائش موجود ہے کہ وہ راجپال جیسے دریدہ دہن اور بے غیرت ملیچھ کا محاسبہ کرے۔ اخبار نے غیر منصفانہ فیصلے پر نکتہ چینی کرتے ہوئے لکھا کہ مسلمان ایک زندہ اور فعال قوم ہے۔ اگر عدالت نے اپنے فیصلے پر نظر ثانی نہ کی تو کوئی عاشق رسول اللہ ﷺ اس منہ زور کا پیٹ چاک کر دے گا۔“

فرنگی حکومت نے اپنی طاقت کے زعم میں مسلمانوں کے ایمان اور جوش کا صحیح اندازہ لگانے کی کوشش نہ کی اور اس تعمیری نکتہ چینی اور بروقت انتباہ سے فائدہ اٹھانے کی بجائے اسے توہین عدالت تصور کیا اور اخبار کے مالک نور الحق اور اس کے مدیر سیّد دلاور شاہ کو دو دو ماہ قید اور ایک ایک ہزار روپیہ جرمانے کی سزا دی۔ جو اُس زمانہ ۱۹۲۹ء میں بہت بڑی سزا تھی کیونکہ اس زمانہ میں ایک من گندم کی قیمت ایک روپیہ تھی۔

باب 11:

سابقہ واقعات

راج پال پر پہلا حملہ:

جب ملعون راجپال نے ''رنگیلا رسول'' نامی کتاب لکھی تو اس کتاب کی وجہ سے مسلمانوں میں شدید غیظ و غضب پیدا ہوا اور اس نے مسلمانوں میں اشتعال کی کیفیت پیدا کر دی ایسے میں ایک نوجوان خدا بخش اکو جہا اور محمد اکرم جو کہ معروف کشمیری خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور جس کی رہائش اندرون یکی گیٹ لاہور میں تھی اور خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھا۔ جسم فربہ' رنگ سرخ و سپید' قد لمبا اور مضبوط و توانا تھا اور شیر فروشی کا کام کرتا تھا' نے ایک دن ناموس رسالت ﷺ کے بارے میں ایک تقریر سنی اور حالات سے آگاہی پا کر اس کا تن من دھن تڑپ اٹھا اور اس نے عہد کیا کہ وہ اس خبیث ملعون راج پال کو کبھی بھی زندہ نہیں چھوڑے گا جس نے اس کے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر کتاب لکھ کر انتہائی درجہ کی توہین کی ہے۔

۲۴ ستمبر ۱۹۲۷ء کی صبح کو جہنمی راج پال اپنی دوکان پر بیٹھا ہوا کاروباری حساب کتاب میں مصروف تھا' اتنے میں غازی خدا بخش اکو جہا ایک جانب سے آئے اور اس کی دوکان میں داخل ہو کر سیدھے اس کی جانب بڑھے اور ایک انتہائی تیز دھار چھرے سے اس پر زبردست حملہ کیا لیکن وہ مکمل طور پر حملے کی زد میں نہیں آیا اور قدرے مضروب ہو گیا اور اپنی جگہ سے تیزی سے اٹھا اور جان بچانے کے لئے بھاگ کھڑا ہوا اور قتل ہونے سے بچ گیا اور پولیس میں اپنے اوپر ہونے والے قتل کی رپورٹ

درج کروائی جس پر پولیس فوری حرکت میں آ گئی اور غازی خدا بخش اکو جہا کو زیر دفعہ ۳۰۷ الف تعزیزات ہند گرفتار کر لیا اور چالان مکمل کر کے اسے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور سی ایم بی اوگلوی کی عدالت میں پیش کر دیا جہاں اس کے مقدمہ کی سماعت زیر دفعہ ۳۰۷ تعزیزات ہند شروع ہوئی۔

غازی خدا بخش اکو جہا اس وقت ترکی ٹوپی' کھلا کوٹ' بنگالی قمیض اور علی گڑھ فیشن کا پاجامہ پہنے ہوئے تھے' اس وقت ان کی عمر تیس سال کے لگ بھگ تھی جبکہ مجروح راج پال کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ تھی۔

غازی خدا بخش اکو جہا نے اعتراف جرم کرتے ہوئے اپنی جانب سے وکیل صفائی مقرر کرنے سے انکار کر دیا۔

استغاثہ کی جانب سے رائے صاحب مہتہ اشیر داس کورٹ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پیش ہوئے۔

راجپال نے عدالت میں اپنا بیان اس طرح ریکارڈ کرایا۔

بیان راج پال:-

میں راج پال ولد رام داس سوموار صبح آٹھ بجے دوکان کے اندر کام کر رہا تھا کہ میرے ملازم نے مجھے آواز دے کر بلایا کہ سوامی جی بلا رہے ہیں' میں باہر نکل آیا اور اپنے دوست کے ساتھ گفتگو میں محو ہو گیا کہ ملزم نے اچانک میرے پاس آ کر میری چھاتی پر حملہ کر دیا' جب اس نے چاقو مارا تو میں پیچھے تھا' مجھے چاقو لگا اور خون جاری ہو گیا' ملزم نے مجھے اندر کو دھکیل دیا جب میں دوسرے حصہ دوکان تک پہنچا تو گر گیا اور ملزم میرے اوپر چڑھ گیا' میں اپنی چھاتی کو چاقو کے حملے سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔

سوامی شونتر انند کے پہنچنے سے پہلے ملزم نے مجھ پر چھ زخم لگائے' بعدازاں اس نے اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ

''مجھ پر یہ حملہ کتاب ''رنگیلا رسول'' کی اشاعت اور مسلمانوں کے ایجی ٹیشن کی وجہ سے کیا گیا ہے' مجھے اس بات کا خطرہ ہے کہ ملزم خدا بخش مجھے جان سے مار دے گا۔''

اس پر مجسٹریٹ نے راج پال سے سوال کیا۔

''کیا تم کچھ اور کہنا چاہتے ہو؟''

راجپال: حملہ کے وقت ملزم نے چلا کر کہا تھا' کافر کے بچے! آج تو میرے ہاتھ آیا ہے' میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

اس پر میجسٹریٹ نے غازی خدا بخش اکو جہا سے اس بارے میں پوچھا تو غازی خدا بخش اکو جہا نے گرجدار آواز میں یوں کہا۔

''میں مسلمان ہوں' ناموس رسالت ﷺ کا تحفظ میرا فرض ہے' اپنے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی توہین کسی بھی صورت برداشت نہیں کر سکتا۔''

اس کے بعد آپ نے اس مردود ملعون راج پال کی جانب اپنی انگلی سے اشارہ کیا اور کہا۔

''اس نے میرے آقا اور پیارے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کی ہے اس لئے میں نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا ہے اور یہ کم بخت اس وقت میرے ہاتھ سے بچ نکلا۔''

غازی خدا بخش اکو جہا کو سات سال قید سخت ہوئی جس میں تین ماہ قید تنہائی کی سزا سنائی گئی اور میعاد قید کے اختتام پر پانچ پانچ ہزار روپے کی تین ضمانتیں حفظ امن کے لئے داخل کرنے کا حکم دیا گیا اور ملزم کو سزا پر عمل درآمد کے لئے جیل بھیجنے کا حکم صادر فرمایا' عدم ادائیگی ضمانتیں مجرم کو ایک سال مزید قید بامشقت بھگتنا ہوگی۔

چونکہ مجسٹریٹ نے مقدمہ کو سرسری نوعیت قرار دے کر راج پال کے کسی ایسے اقدام اٹھانے کا حکم صادر نہ فرمایا جس سے یہ معلون راج پال اپنے آئندہ کے

عزائم سے باز آجاتا' اس سے مسلمان بے حد مایوس ہوئے اور انہوں نے اپنا ایجی ٹیشن بدستور جاری رکھا اور زور شور سے راج پال کے خلاف سخت قانونی کاروائی کا مطالبہ کرتے رہے جبکہ دوسری طرف حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی۔

راج پال پر دوسرا حملہ:۔

پہلے حملہ سے زندہ بچ جانے کے بعد راج پال قدرے گھبرایا ضرور' لیکن اپنی خباثت سے ذرا برابر بھی نہ گھبرایا' بلکہ ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہوئے مسلمانوں کو مزید تحقیر کا نشانہ بنانے کے منصوبے بنانے لگا' ایسے میں اس کو ٹھکانے لگانے کا جذبہ کوہاٹ کے ایک نوجوان عبدالعزیز خان کے دل میں انتہائی جذبے کے ساتھ ابھرا اور وہ دس اکتوبر ۱۹۲۷ء کو کوہاٹ سے لاہور آیا اور لوگوں سے پوچھتا ہوا اس بدذات راج پال کی دوکان پر پہنچا' اس وقت راج پال کی دوکان میں اس کا دوست جتندر داس اور سوامی ستیانند بیٹھے ہوئے تھے جبکہ راج پال کسی کام سے دوکان سے باہر گیا ہوا تھا۔ غازی عبدالعزیز خان نے جلدی میں سوامی ستیانند کو راج پال سمجھا اور اپنی میان سے تلوار نکال کر ایک ہی وار میں سوامی ستیانند کا سرتن سے جدا کر دیا اور زور زور سے چلا کر نعرہ مستانہ لگانے لگے۔

''میں نے ملعون راج پال کا خاتمہ کر دیا ہے' جس نے میرے آقا کی شان میں گستاخی کی ہے اور توہین ناموس رسالت ﷺ اور میرے خلاف جو بھی قانونی کاروائی کرنی ہے کرلو۔''

شور شرابا سن کر ہجوم اکٹھا ہو گیا' پولیس کو بلایا گیا اور غازی عبدالعزیز خان کو گرفتار کر لیا گیا اور چالان عدالت میں ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۷ء کو پیش کر دیا گیا' مقدمے کی سماعت اگلے روز پر ملتوی کر دی گئی۔ ۱۲ اکتوبر کو مقدمہ دوبارہ عدالت میں پیش ہوا' جہاں غازی عبدالعزیز خان نے اس طرح بیان دیا۔

''میرا نام عبدالعزیز ہے' میں غزنی کا رہنے والا ہوں' میرے وطن کو یہ فخر

حاصل ہے کہ اس نے سلطان محمود غزنوی جیسا مجاہد' مبلغ اور بت شکن پیدا کیا اور جس نے اس برصغیر پر کم وبیش سترہ حملے کر کے کفر والحاد کا خاتمہ کر دیا تھا اور اس بت کدہ کو اسلام کی دولت سے مالا مال کیا' یہی وہ بت شکن ہے جس کے سامنے سومنات کے پجاریوں نے دولت کے انبار لگا دیئے تھے اور کہا تھا کہ مہاراج یہ ساری دولت لے لیں مگر ہمارے بتوں کو کوئی گزند نہ پہنچائی جائے' لیکن اسلام کے اس فدائی نے بلا جھجک کہا تھا کہ مسلمان بت شکن ہے' بت فروش نہیں یہ کہہ کر اس نے سومنات کے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔

یہی وہ غازی تھا جس نے سنا تھا کہ ملتان میں ایک قرامطہ فرقہ ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہلواتا ہے لیکن دراصل کافر اور بت پرست ہے اور ریاکاری کا کمال یہ رکھتا ہے کہ نماز کی باقاعدگی کرنے اور باجماعت پڑھنے کے باوصف نعوذ باللہ حضور رسول کریم ﷺ کی ایک فرضی شبیہ بنا رکھی ہے' محمود غزنوی یہ اندوہناک رپورٹ ملتے ہی بگولے کی طرح ملتان پہنچا تھا اور اس نے قرامطی حاکم ملتان داؤد کا خاتمہ کر کے وہاں اسلام کا پرچم لہرایا تھا' مجھے خواب میں سلطان محمود غزنوی نے حکم دیا تھا کہ جاؤ اور اس ملعون کا سر اڑا کر ثواب دارین حاصل کرو۔ مجھے افسوس ہے کہ اصل خبیث کو میں جہنم واصل نہ کر سکا۔''

غازی کے اس بیان کے بعد فرنگی حکومت کے اس مجسٹریٹ ایم بی اوگلوی نے قانونی تقاضوں اور کچھ سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر عبدالعزیز خان کو صرف چودہ سال قید کی سزا دی۔

یہ سزا دو جرموں میں سنائی گئی تھی جن میں پہلی سزا مضروب راج پال کے سلسلہ میں اور دوسری سزا نانک چند اور چونی لال کو مجروح کرنے میں دی گئی تھی۔

میعاد قید ختم ہونے پر پانچ پانچ ہزار کی تین ضمانتیں دینا بھی قرار پایا بصورت دیگر بعد از پورا ہونے میعاد قید مزید تین سال قید بامشقت کاٹنا قرار پایا اور اس طرح وہ

شہادت کا اعزاز پانے میں ناکام رہا۔

راجپال کی خوفزدگی:۔

پے در پے حملوں کی وجہ سے راج پال خوفزدہ ہو گیا اور اس نے خود کو ہر وقت خطرے میں محسوس کرنا شروع کر دیا' اس کے علاوہ اس کا کاروبار بھی شدید طور پر متاثر ہوا۔ اس نے حکومت سے استدعا کی کہ اس کی جان کی حفاظت کا بندوبست کیا جائے جس پر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے دو ہندو سپاہی اور ایک سکھ حوالدار کو اس کی نگہداشت و حفاظت پر مامور کر دیا۔

عارضی فرار:۔

راج پال کچھ عرصہ تو اس پہرے میں زندگی گزارتا رہا' پھر اس نے اس کو اپنے لئے ایک قید خانہ بتایا اور لاہور سے فرار کی ٹھانی اور عارضی طور پر دوسرے شہروں کے تفریحی دورے پر چلا گیا اور چار ماہ بعد لاہور واپس اس خیال کے ساتھ آیا کہ اب تو معاملہ رفع دفع ہو چکا ہو گا اور مسلمانوں کے جذبات سرد ہو چکے ہوں گے اور پھر اپنے کاروبار میں مصروف ہو گیا' اس خیال کے زیر اثر پولیس کی امداد برائے حفاظت جان طلب نہ کی۔

باب 12:

شہید محبت کون؟

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک شعر میں یہ مصرع بیان کرتے ہیں کہ:۔

''طے شود جادۂ صد سالہ بآہے گاہے''

بعض اوقات منزل ایک آہ کے فاصلے پر ہوتی ہے ایسے میں سو سال کا سفر ایک لمحہ میں طے ہو جاتا ہے اور ایسا سفر' سفر نہیں کہلاتا بلکہ جذبۂ شوق کا منتہیٰ کہلاتا ہے اور یہ ایک ایسی سعادت ہوتی ہے جو بے حد کم نصیب والوں کو حاصل ہوتی ہے۔ وہ اِک چنگاری جو اچانک ابھرتی ہے اور ایک آن میں ہی شعلہ فشاں بن کر سامنے آنے والی ہر شے کو خاکستر بنا دیتی ہے ایسا ہی سفر ایک ان پڑھ مگر جذبۂ عشق سے صادق شخص علم الدین نے اس قدر سرعت رفتار سے طے کیا کہ عقل انگشت شہادت بدنداں رہ گئی اور ارباب زہد وتقویٰ اور اصحاب منبر ومحراب بس دیکھتے ہی رہ گئے۔

غازی علم الدین جس نے اس سفر کو طے کرنے کی ٹھانی اور سوچوں کے سمندروں میں کودنے کی بجائے بے خوف وخطر آگ کے سمندر میں چھلانگ لگائی اور ایک ہی جست میں جنت الفردوس کو حاصل کر کے سرخروئی کا وہ کارنامہ رقم کیا کہ جو رہتی دنیا کے لئے ایک عجوبہ بن گیا۔

متلاشی جنت کون؟

جنت الفردوس جس کی تلاش کے لئے زاہدوں اور عابدوں کے نجانے کتنے قافلے سرگرداں رہے' کیسے کیسے لوگ غاروں میں اپنی جانیں حوالہ حق کر گئے' کئی

پیشانیاں رگڑتے اور سر پٹختے رہے۔ ہزاروں سر بگریباں' چلہ کش اسی آرزو میں دنیا سے اٹھ گئے۔ لاکھوں طواف وجود میں غرق رہے' بے شمار صوفی و ملا وقف دعا رہے' ان گنت پرہیزگار خیال جنت میں سرشار رہے لیکن مقابلتہً متلاشی جنت ایک ایسا نوجوان بھی تھا جو نہ تو چلہ کشیوں میں پڑا' نہ نماز روزے رکھے' نہ غاروں میں معتکف ہوا' نہ مجاہدہ کیا' نہ حج و عمرہ کیا' نہ دیر میں قشقہ کھینچا' نہ حرم کا مجاور بنا' نہ مکتب میں داخلہ لیا' نہ خانقاہ کا راستہ دیکھا' نہ کنز و قدوری کھول کر دیکھی' نہ رازی و کشاف کا مطالعہ کیا' نہ حزب البحر کا ورد کیا' نہ اسم اعظم کا وظیفہ پڑھا' نہ علم و حکمت کے پیچ و خم میں الجھا' نہ کسی حلقہ تربیت میں بیٹھا' نہ کلام و معانی سے واسطہ رکھا' نہ فلسفہ و منطق سے آشنا ہوا' نہ مسجد کے لوٹے بھرے' نہ تبلیغی گشت کیا' نہ کبھی شیخی بگھاری' نہ کبھی شوخی دکھائی' نہ اسے پاکبازی کا خبط رہا' البتہ! اسے شوق تھا تو محبوب خدا ﷺ سے ٹوٹی پھوٹی محبت کا ربط رکھنے کا اور اس میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے منفرد تھا۔

وہ تسبیح بدست نہیں مست مئے الست تھا وہ فقیہہ مسند آرا نہیں' فقیر سر راہ تھا' یہی وجہ ہے کہ اس نے مصلحت کشی سے کام بالکل نہیں لیا' بلکہ خالصتاً جذبہ رضائے الٰہی سے کام لیا اور چنین و چناں کے دائروں سے نکل کر کون و مکان کی وسعتوں میں جا گم ہوا' اس نے وہم و گمان کی خاک کو اپنے سے پلک بھر میں جھپکا اور ایمان و عشق کے نور میں اپنے آپ کو ڈھال لیا' ایسے میں وہ کون سی غیبی آواز تھی جس نے اس کے اندر دبی ہوئی چنگاری محبت کو شعلہ فشاں بنا دیا' شعلہ فشاں بھی ایسا کہ جس نے پل بھر میں دل کی کائنات کو بدل کر خاک سے اٹھا کر جنت الفردوس کے محلات میں پہنچا دیا۔ بقول شاعر:۔

پروانے کا حال اس محفل میں ہے' قابل رشک اے اہل نظر!
اک شب میں ہی یہ پیدا بھی ہوا' عاشق بھی ہوا اور مر بھی گیا

وہ ایک پروانہ جو بظاہر ایک معمولی بڑھئی تھا۔ خاک سے اٹھا اور پہلی ہی

جست میں زمان و مکان طے کر ڈالے۔

اور جب اس جوان کے بارے میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سنا تو دلگیر آواز میں آنسو ٹپکاتے ہوئے کہنے لگے۔''اسی گلاں ای کر دے رہ گئے تے ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا''

ایک ایسا نوجوان جو کہ ممتاز دانشور' صوفی' درویش' عالم' فاضل' خطیب شعلہ نوا' سیاسی رہنما' علم وفضل میں یکتا و منفرد' پکا غازی' عبادت گزار نہ تھا' بلکہ ایک معمولی مزدور' ہاتھ میں تیشہ پکڑنے والا عام انسان تھا' اس نے اپنے اسی تیشۂ لکڑی سے اپنے دل کے تیشہ کو تیز دھار بنایا اور ایک آن میں تمام منازل عشق طے کرتا ہوا غازی و شہید کے مرتبے پر جا پہنچا اور یہ ثابت کر گیا کہ:۔

کلاہ و دستار خودی نشان فضیلت
بندۂ خدا بنتا ہے تو کردار کا غازی بن

جس نے دکھلاوے کے محراب ماتھے پر نہیں سجائے بلکہ حقیقی محراب دل کی پیشانی پر سجائے اور بارگاہ ایزدی میں سرخروئی کے پرچم لہراتا ہوا پیش ہو گیا اور با آواز بلند کہنے لگا اے خدا! میں تیرے پیارے کی آن پر آج اپنا سب کچھ لٹا آیا ہوں' تو میری اس قربانی کو قبول فرما اور مجھے اپنے انعامات سے نواز دے'' آج میں کسی دنیا کے بادشاہ کے سامنے پیش نہیں ہو رہا ہوں۔ بلکہ حاکم کل کائنات کے حضور اپنے عجز کا نذرانہ لے کر آیا ہوں اور اپنے آقا اور تیرے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ناموس پر اپنی جان کا حقیر نذرانہ قربان کر کے آیا ہوں اور تیرے وعدہ کا منتظر تیری بارگاہ میں حاضر ہوں۔''

امر ہونے کا راز:۔

لوگ زندۂ جاوید ہونے کی امنگ اور آرزو میں ساری زندگی مر مر کر جیتے اور جی جی کر مرتے ہیں' انہیں جینے کا فن تو آجاتا ہے لیکن مرنے کا ڈھنگ نہیں آتا' جبکہ

غازی علم الدین شہید نے یہ بات واشگاف طریقے سے واضح کر دی کہ مر کر امر ہو جانے کا راز کیا ہے؟ فنا کے گھاٹ اتر کر لافانی بننے کا طریقہ کیا ہے؟ گمنام ہو کر شہرت و دوام پانے کا نسخہ کیا ہے؟ کسی کے نام پر مٹ کر انمٹ ہونے کی رمز کیا ہے؟ جام شہادت کے ذریعے آب حیات پینے کا گُر کیا ہے؟ وفا کے سمندر میں سرخروئی پانے کا ٹوٹکا کیا ہے؟

شہیدِ محبت کیسے کہلایا جا سکتا ہے؟ اور محبت کو امر کیسے بنایا جا سکتا ہے؟

یہ ہے وہ داستان شہیدِ محبت جو رہتی دنیا پر سنہرے حرف سے جگمگاتی رہے گی اور آنے والی نسلوں کو وفا محبت میں شہید ہونے اور امر بن جانے کا گر سکھلاتی رہے گی اور دنیا والوں کو بتلاتی رہے گی کہ:۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

باب 13:

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا نیا رُخ

دہلی دروازہ کے باہر ہونے والی پنجابی زبان کی تقریر کے الفاظ نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے دل و دماغ میں ہلچل بپا کر دی جس میں کہا گیا تھا کہ مسلمانو! اپنی جانیں قربان کر دو اور اس بد بخت کو قتل کر دو اور اپنی جان کا نذرانہ دینے والو! راجپال کو اس کے انجام تک پہنچا دو۔ راجپال کو اس کے انجام تک پہنچا دو۔ دوسری طرف غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سنی ہوئی باتیں تھیں جو اسے اس بات کا احساس دلا رہی تھیں اور ایسے آقا کے بارے میں اس قسم کی گندی اور گھناؤنی باتیں اس کے اندر کچو کے مار کر اسے سخت اذیت سے دو چار کر رہی تھیں۔

طوفان کی آمد:۔

ان دنوں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف ملک کی تمام سرگرمیوں اور اپنے اندر اٹھنے والے طوفانوں کے نئے بادلوں سے بالکل ناواقف تھے بلکہ اُن کی سیاسی اور دلی سمجھ بوجھ سے ایسی تمام باتیں بالاتر تھیں۔

ایک روز وہ حسب معمول اپنے کام پر گئے ہوئے تھے۔ غروب آفتاب کے بعد وہ گھر واپس آ رہے تھے ایسے میں دہلی دروازہ میں لوگوں کے ایک کثیر ہجوم پر ان کی نظر پڑی جہاں ایک نوجوان کھڑا تقریر کر رہا تھا۔ اس معاملے کو دیکھنے کے لئے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ وہاں کچھ دیر ٹھہر کر اس کی تقریر کو سنتے رہے لیکن ان کی سمجھ میں کوئی بات نہ آئی تو قریب کھڑے ہوئے ایک شخص سے انہوں نے اس بارے میں

دریافت کیا تو اس نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو بتایا!

''راج پال نے ہمارے محبوب حضور نبی کریم ﷺ کے خلاف
ایک کتاب چھاپی ہے جس کے خلاف تقاریر ہو رہی ہیں۔''

رنج وغم کی لہر:

اس بات سے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے اندر رنج وغم کی ایک لہر سی اٹھی اوران کے دل ودماغ پر چھا گئی وہ دیر تک تقریریں سنتے رہے۔ پھر ایک اور مقرر آئے جو پنجابی زبان میں تقریر کرنے لگے چونکہ پنجابی غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی مادری زبان تھی اس لئے ان کی سمجھ میں اس تقریر کا ہر لفظ واضح طور پر سمجھ میں آنے لگا۔

اس تقریر سے انہیں معلوم ہوا کہ راجپال جیسے شخص کا قتل واجب ہے اور اسے اس کی خباثت کی سزا قتل کے ذریعہ دی جانا ضروری ہے کیونکہ حکومت اس کی پشت پناہی کر رہی ہے۔ اس تقریر نے جلتی پر پٹرول ڈالنے کا کام کیا اور سیدھے سادھے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے دھارے کو یکلخت بدل کر رکھ دیا۔ چونکہ پڑھے لکھے نہ تھے اور سیدھے سادھے مسلمانوں کی مانند انہیں صرف یہ پتہ تھا کہ ایمان کی اساس دو چیزیں ہیں، ایک کلمہ برحق اور دوسرا حب رسول اللہ ﷺ اور یہ دونوں چیزیں ہی اُن کی زندگی کا محور تھیں اور ایک ہی سانس میں وہ ان دونوں کا جاپ زندگی کی اساس میں کیا کرتے تھے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے اندر اس تقریر نے ہلچل پیدا کر دی اور طوفان تیز وبلا اس کے اندر پیدا کر دیا تھا۔ اس طوفان کے زیر اثر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ خیالات کے بھنور میں ڈوبے گھر کی جانب روانہ ہو گئے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے گرد وپیش کی کوئی خبر نہ تھی۔ راستے میں امین بھولے دہی دودھ والے کی دکان تھی جہاں اچانک ان کی ملاقات اپنے گھر سے

دوست شیدے سے ہوگئی۔ شیدے نے ان کو آوازیں دیں تو تب غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو ہوش آیا۔ شیدے نے ان سے اتنی دیر سے آنے کے بارے میں پوچھا تو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر طور اُس جلسے کی ساری روداد سنا دی اور پھر اصل بات کہتے کہتے رک گئے۔ پھر شیدے کو وہیں ٹھہرنے کا کہہ کر خود تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اپنے گھر کی جانب چل دیے۔

والد سے سوال و جواب:۔

حضرت غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ گھر میں داخل ہوئے تو طالع مند کمرے میں چارپائی پر بیٹھے ہوئے کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اوزار ایک طرف رکھے اور اپنے باپ کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ طالع مند نے دریافت کیا!

''کیا آج دیر سے چھٹی کی ہے''؟

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا!

''نہیں! دیر سے چھٹی تو نہیں کی راستے میں مجھے دیر لگ گئی ہے۔''

طالع مند نے دریافت کیا!

''کوئی مل گیا تھا؟''

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا!

''نہیں! آج دہلی دروازہ میں بہت زیادہ لوگ اکٹھے تھے، بس وہاں دیر ہوگئی ہے کسی نے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کتاب چھاپی ہے اور اس کے خلاف لوگ وہاں اکٹھے ہوگئے تھے۔''

پھر اس بارے میں ساری روداد والد کو سنا دی۔ جس پر طالع مند نے حیرت زدہ ہوتے ہوئے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا!

''کس نے چھاپی ہے وہ کتاب؟''

والد کی اس بات پر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی طرف سے لاعلمی کا اظہار کیا لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی کہہ دی کہ تقریر کرنے والے کہہ رہے تھے کہ اس شیطان ملعون کو جان سے مار دو۔

طالع مند جو کہ ایک سیدھے سادھے کلمہ گو مسلمان تھے اور انہیں بھی اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کسی بھی قسم کی گستاخی گوارہ نہ تھی انہوں نے فوراً جواب دیا!

''وہ ٹھیک کہہ رہے تھے، بیٹا! ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ پر حملہ کرنے والے ایسے گستاخ بداندیش شخص کو فوراً واصل جہنم کر دینا چاہئے۔''

طالع مند کی بات نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے دل و دماغ میں اٹھنے والے طوفان کے زیر اثر جذبات کو گویا گھر سے بھی اجازت مل گئی اور ان کے اندر کی جذباتی کیفیت اپنے انتہا کو پہنچ گئی۔

گھر کے دیگر افراد اس طوفان بلاخیز سے بالکل بے خبر تھے۔ اتنے میں ان کی ماں نے دوسرے کمرے سے انہیں کھانا کھالینے کے لئے آواز دی تو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے وہیں سے جواب دیا!

''ماں! مجھے ابھی بھوک نہیں ہے، میرا دوست شیدا باہر کھڑا ہے میں اُس سے مل کر آتا ہوں۔''

یہ کہہ کر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ گھر سے باہر اپنے دوست شیدے سے ملنے چلے گئے۔ طالع مند اس دوران دوبارہ کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے صرف ایک نظر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ پر ڈالی اور کھانا کھانے کے دوران وہ دوبارہ کوہاٹ جانے کے بارے میں سوچنے لگے اور اپنا پروگرام ترتیب دیتے رہے۔ طالع مند اس بات سے بالکل بے خبر تھے کہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ آج گھر دیر سے آئیں گے۔

ابلیس کے حقیقی پیروکار:۔

راجپال جو کہ ایک شیطان صفت شخص تھا اور جس کے تمام ساتھی اس سے بھی بڑھ کر مذہب کی بجائے ابلیس کے حقیقی پیروکار تھے اور اپنی خباثتوں کے باعث دوسروں کی مذہبی دل آزاری ان کا کام تھا۔ جس نے سب سے پہلے ستیارتھ پرکاش کی اشاعت سے نفرت کا زہر پھیلایا تھا اور بعد میں جب اس کا حوصلہ بلند ہو گیا تو اس نے اس سے بھی بڑھ کر اپنی خباثت کا مظاہرہ کرنا ضروری خیال کیا اور ایک نہایت ہی خطرناک قدم اٹھایا اور اس مرتبہ اس نے دنیا کی اہم ترین اور پاکیزہ ترین ہستی محبوب خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات بابرکات کو براہ راست ہدف بنایا، حضور رسول کریم ﷺ کی ذات بابرکات کو رسوا کرنے کی ذلیل ترین سعی کی اور اس غرض سے ''رنگیلا رسول'' نامی کتاب چھاپی گو کہ یہ کتاب ایڈیٹر ''پرتاب'' کے ذہن کی خباثتوں کا مجموعہ تھی۔ لیکن اسے تو سامنے آنے کی جرأت بالکل نہ ہوئی جبکہ اس دریدہ دہن شخص راجپال نے اس حد تک جسارت کی کہ اسے نہ صرف شائع کیا بلکہ اس کی پبلسٹی کا بھی وسیع پیمانے پر بندوبست کیا اور وہ شخص یہ بھول گیا کہ میں ایسی جسارت کرنے سے پہلے ذرا اس ہستی کی حیات وسیرت کا سرسری انداز میں ہی مطالعہ کرلوں اور پھر دیکھوں کہ اس کتاب میں جو مندرجات پیش کر رہا ہوں کیا وہ ہستی ان مندرجات کے کسی بھی پہلو پر پورا اترتی ہے یا نہیں۔ کیا میں صرف بہتان بازی کے ذریعہ مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کر رہا ہوں یا میں اپنی ہندو قوم اور اپنے ہندوازم کی کوئی بڑی خدمت انجام دے رہا ہوں۔

اسوۂ رسول ﷺ:۔

حضور نبی کریم ﷺ نہ تو فقط اسلام اور مسلمانوں ہی کے لئے صرف پیغمبر نہ تھے بلکہ آپ ﷺ پوری انسانیت کے لئے اس مادی دنیا میں تشریف لائے تھے۔ آپ ﷺ انسان دوستی، پیار، محبت، ایثار، احسان، خیر، اخوت و مساوات، عدل اور ایسے تمام

اوصاف کے علمبردار تھے جو انسان کو معاشرتی آداب کا خوگر بناتے، انہیں رواداری اور کشادہ دلی سے مل جل کر رہنے کی تعلیم و ترغیب دیتے ہیں۔ آدمی کا احترام بڑھاتے ہیں۔ حضور رسول کریم ﷺ کی تریسٹھ (۶۳) سال کی حیاتِ ظاہری تاریخ کی درخشاں ترین مثال ہے۔ حضور رسول کریم ﷺ نے نفرتوں سے پاک معاشرہ آدمی کو دیا۔

آپ ﷺ نے اکھڑ، جاہل، ہٹ دھرم، نفرتوں کی آگ میں جلنے جھلنے والے، وحشی انسانوں کو آداب حیات سکھائے پھر وہی جو پہلے اجڈ اور گنوار انسان تھے انہوں نے آداب حیات سیکھے اور مسلمان ہونے کے بعد ساری دنیا میں پھیل گئے اور آداب انسانیت سیکھنے کی وجہ سے بہترین انسان ثابت ہوئے دنیا میں جس جگہ بھی گئے وہاں بستیوں کی بستیاں ان کے حسن اخلاق دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئیں۔ اپنی انسانیت بھری عادات کی وجہ سے ان مسلمانوں نے محبتوں کے سرچشمے جاری کئے جس سے انسانوں نے غسل صحت کر کے اپنے اندر محبت کے انوکھے روپ دیکھے اور اس طرح دلوں کے اندھیروں کے چھوٹ جانے سے دلوں کے اندر اجالا ہی اجالا اور نور ہی نور پھیل گیا۔ نفرتوں کے زہر بالکل ختم ہو گئے۔ حسد، بغض، کینہ تمام ڈھل گیا اور محبت کے پھوٹنے والے سوتوں سے انسانیت کا ادب و احترام بڑھ گیا۔ ظلمتوں کا سورج غروب ہو گیا اور محبت انسانیت کا وہ آفتاب پوری آب و تاب سے روشن ہوا جس کی ضیاء پاش کرنیں ہر طرف امن و آشتی، پیار و محبت پھیلا کر انسانیت کے ماتھے پر چمکنے لگیں اور اللہ تعالیٰ عزوجل کے مقصد تخلیق انسانیت کو پورا کرنے لگیں۔

حضور رسول کریم ﷺ نے نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ ساری انسانیت کو مکمل اور مفید ترین ضابطہ حیات دیا۔ وہ ضابطہ حیات جو زبانی طور پر نافذ نہ کیا گیا تھا بلکہ جس کے اطلاق کا عملی طریقہ بھی سکھایا اور اس کا نمونہ اپنی سیرت کے عملی پہلوؤں سے واضح کیا۔ زندگی کے ہر شعبے کے بارے میں آئین میں شامل کیا۔ ایک شق کو اپنی نجی زندگی کے ایک ایک پہلو کے ساتھ عملی طور پر واضح کیا تاکہ انسانیت کے پاس یہ عذر باقی نہ رہ

جائے کہ ہمارے پاس اس کا کوئی عملی پہلو موجود نہیں ہے اور آنے والی نسلیں جان سکیں کہ اسلام سادگی کا بہترین اور باسہولت نمونہ ہے اور آسانی سے قابل عمل ہے۔ اس میں کسی بھی قسم کی پیچیدگی نہیں۔ سچ کا راستہ ہے اور سچی خوشی سے انسان کے من کو نوازتا ہے اور دوسروں کو بھی سچائی کی جانب راہنمائی کا طریقہ دیتا ہے۔ خوشحالی اور غم اندوہ سے نجات کی ضمانت دیتا ہے۔ یہ دین اور دنیا کا وہ حسین ترین امتزاج ہے جس کو پانے کے لئے انسانیت اپنی تخلیق کے اول ایام سے ہی ترس رہی تھی۔ اس میں معاشرتی میل و جول اور دنیا کے اندر رہ کر اور انسانوں کے ساتھ میل جول رکھ کر اللہ تعالیٰ رب العزت تک رسائی پاتا ہے، رہبانیت، سینہ گری، انسانیت سوز عوامل، نفرت، غصے، جلن، حسد، کینہ، بغض کے اندھیروں کو ختم کر کے انسانیت کو صحیح نورِ الٰہی سے متعارف کرواتا ہے اور اس روشنی سے نہ صرف ذاتی بلکہ اجتماعی خوشی و مسرت نمایاں طور پر پانے کے اصول وضوابط سکھاتا ہے۔

دین اسلام کی برابری:۔

دین اسلام فرعونیت اور شیطانیت سے ماورا کرتا ہے۔ معاشرے کے تمام مسائل کو اس خوش اسلوبی سے حل کرتا ہے جس کو دنیا کا کوئی مسلک، کوئی مذہب حل نہیں کر سکتا اور جو نہ صرف ماضی کے اندھیروں کے مہیب اور ہولناک تصورات کا خاتمہ کرتا ہے بلکہ جدیدیت کے تحت حال اور مستقبل کے بجھے ہوئے چراغوں کو منور کرتا ہے اور ہر چہار سو اجالا ہی اجالا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کا کوئی مسلک، نظریہ، مذہب، اعتقاد اور دین وغیرہ اسلام کی برابری نہ تو آج تک کر سکا ہے اور نہ ہی آئندہ کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

نئے چراغ کی ضوفشاں کرنیں:۔

یہ باتیں صرف زبانی کلامی یا دکھلاوے پر مبنی ہیں۔ ہر پڑھا لکھا اور ان پڑھ انسان جب خدائی آئین اور بنیاد اسلام قرآن پاک کا مطالعہ شروع کرتا ہے تو اُس پر

اس کے اپنے اندر چھپے ہوئے زہریلے سانپ سرسراتے ہوئے دل کی کالی کوٹھڑی سے بھاگنا شروع کر دیتے ہیں اور پھر انجانے خوفوں سے دل کی تاریک وادی خالی ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ جھوٹ اور خباثت کے رینگتے کیڑے مردہ ہو کر اپنی جگہ خالی کر دیتے ہیں اور ان کی جگہ سچائی، اخوت، محبت، احسان، صلہ نوازی، عدل و انصاف کے نئے بیج لے لیتے ہیں جو قرآن پاک کے مسلسل مطالعہ اور غور وفکر کے ذریعے اپنی اپنی جگہ تناور درخت کی گھنی شاخیں بن کر پورے وجود انسان کو اپنی چھاؤں کے اندر گھیر لیتے ہیں اور پھر انسان کے اندر سے نئے چراغ کی جو ضوفشاں کرنیں پھوٹتی ہیں جن سے وہ دوسروں کو بھی راہ حق کا سبق سناتی ہیں اور نئی دنیا کی راہ دکھلاتی ہیں اور اس طرح انسانوں میں اخوت اور محبت کا وہ بندھن قائم ہوتا ہے جس کی پیاس ہی تخلیق کائنات ہے اور اس سے رحمت الٰہی کا بحر محیط جوش میں آ کر ہر طرف رحمت کے پھول کھلاتا ہے اور ان کی بھینی بھینی خوشبو سے کائنات کو منور کرتے ہوئے انسان کو آئندہ گمراہی کی دلدلوں میں پھنسنے سے محفوظ و مامون رکھتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں اللہ تعالیٰ عزوجل کی رحمت کا بھرپور عکس اس کی جامع رحمت کا نمونہ حضور نبی کریم ﷺ کی شکل میں نظر آتا ہے اور جس کی زندگی کے ہر پہلو کی درخشاں روشنی انسان کو اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ وہ حضور رسول کریم ﷺ کو ملے ہوئے الٰہی خطاب رحمت للعالمین کی ہر تنقیدی نظر سے تائید کرنے پر مجبور ہو جائے۔

انسانی حقوق کا چارٹر:-

قرآن پاک کسی خاص طبقے یا کسی خاص مذہب کے لئے مخصوص نہیں ہے اس کی تعلیمات صرف مسلمانوں کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ دنیا بھر کے انسانوں، حیوانوں اور ہر ذی مخلوق کے لئے ہے اور ہر دین و مذہب میں پیدا ہونے والی خرابیوں اور خراب باتوں کی اصلاح کا فریضہ انجام دیتی ہیں۔ قرآن کی تعلیم جمہور کے لئے ہے اور جمہوریت سکھلاتی ہے اور انسانوں کو طبقات کی ذلالت سے نکال کر یکجان بناتی ہے، اس

کے آئین میں کوئی شخص مخصوص مراعات کا مستحق نہیں۔ حقوق و فرائض میں سب برابر ہیں۔ دنیوی لحاظ سے بندوں میں فرق ہے نہ کہ دینی اعتبار سے۔ اسلام کی اخلاقیات میں دین ہی دراصل کارفرما ہے، دنیوی معاملات میں یہی اخلاقیات قابل اعتناء ہیں۔

ایسے میں قرآن پاک کے آئین کی مخصوص پہچان اور اس کے عملی پہلوؤں کا مطالعہ کرنے کے لئے ہم انسانوں کے پاس اگر کوئی ماڈل یا نمونہ ہے تو وہ حضور نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ ہے۔ اس کے مطالعہ سے آپ کو یہ علم ہوگا کہ خالق کائنات نے حضور رسول کریم ﷺ کو دنیا میں بھیج کر انسان پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔ حضور رسول کریم ﷺ نے بندگان خدا کو نیک و بد اور خیر و شر میں امتیاز کرنا سکھایا، ذات پات کی تمیز اور پروہت شاہی نے جن لوگوں کو ذلیل و خوار اور پامال کیا انہیں بلند مرتبہ کیا۔ حضرت بلال حبشی ﷛ جیسے کروڑوں غلاموں کو برگزیدہ کیا، ان کو آقاؤں سے برتر مقام دیا، جنہیں اسلام کی اخلاقی اور روحانی تعلیم موافق نہ آئی۔

خباثت کا مظاہرہ:۔

ان تمام باتوں کے باوصف جب انسان کی آنکھوں پر شیطان تعصب اور خود غرضی کی عینک چڑھا دے اور اس عینک کے تاریک شیشوں کی سیاہی نئے زمانہ کی روشنی سے صاف ہونے کی بجائے دلدلی اندھیاروں کو اپنے اوپر مزید چڑھاتی رہے تو وہاں کائنات میں ہونے والے اجالے کا گزر کہاں سے ہوگا؟ وہاں حضور رسول کریم ﷺ جیسی ہستی کے عملی پہلوؤں کے استفادے کا ادراک کہاں سے ہوگا؟ وہاں آئین قرآن و اسلام کی سمجھ کہاں سے آئے گی؟ اور پھر وہ آنکھیں اپنی خباثت کا مظاہرہ کیسے کر پائیں گی؟

آریا سماج جو صدیوں سے آنکھوں پر تعصب کی عینک چڑھائے ہوئے تھا حضور رسول کریم ﷺ کو سمجھے بغیر درپے آزار ہوا اور اس نے اپنی مذموم سرگرمیوں کے

لئے لاہور کو چنا اور اس کو اپنا گھر بنا لیا۔ راجپال جیسے شیطان صفت لوگ اس تحریک کا آلہ کار بنے۔ جس نے اپنے دل سے یہ عہد کیا اور اپنی زندگی کا یہ مشن بنایا کہ وہ اسلام اور بانی اسلام حضور رسول کریم ﷺ کے خلاف عمر بھر کتابیں چھاپتا رہے گا اور اس سلسلے میں بے دریغ دولت لٹانے سے بھی گریز نہ کرے گا۔ اس کتاب کی اشاعت سے پہلے اس نے ستیارتھ پرکاش چھاپ کر اپنی خباثتوں کا آغاز کیا تھا۔ جس کے پہلے ایڈیشن کی قیمت دو روپیہ مقرر کی۔ بعد میں ڈیڑھ روپیہ کر دیا اور قیمت گھٹاتے گھٹاتے چودہ آنے کر دی اور اس خیال میں مگن رہا کہ اس کی قیمت مزید کم کر دی جائے اور اپنی خباثت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کی قیمت لاگت سے بھی کم دس آنہ فی کتاب مقرر کر دی تاکہ یہ کتاب لاکھوں کی تعداد میں چھپ کر لاکھوں دلوں میں نفرت پیدا کر سکے۔

جب اس کتاب کی اشاعت نے ہندوؤں میں جوشِ نفرت پیدا کر دیا تو اب اس خبث باطن شخص نے اگلا قدم بڑھایا۔ چونکہ ستیارتھ پرکاش کا رائٹر پولیس کا ایک ملازم منشی رام تھا جو راجپال کے تعاون سے پولیس ملازمت چھوڑ کر ترک دنیا کا ڈھونگ رچائے ہوئے قلیل ترین عرصہ میں سورگ باشی سوامی شردھانند جی بن گیا اور جس نے اسی راجپال کے اشارہ ابرو پر اسلام اور بانی اسلام حضور نبی کریم ﷺ کے خلاف باضابطہ لٹریچر شائع کرنے کا بیڑہ اٹھایا اور باوصف ستیارتھ پرکاش کے خلاف زبردست ایجی ٹیشن کی وہ اپنی حرکات بد سے باز نہ آیا اور مسلسل لٹریچر شائع کرواتا رہا جس کو بفضل الٰہی ایک مجاہد قاضی عبدالرشید شہید رحمۃ اللہ علیہ نے واصل جہنم کر کے اس انسانیت سوز لٹریچر سے نجات دلوائی۔

فرنگی سرپرستی:۔

فرنگی آقا کے زیر سایہ یہ انتہائی شرانگیز مہم چلتی رہی اور حکومت نے اس کے خاتمے کے لئے کوئی عملی قدم اٹھانے کی بجائے درپردہ اس کو مزید ہوا دی اور راج پال جیسے خبیث باطن شخص کو جو لاہور میں اس مہم کا سب سے بڑا اور بنیادی ستون تھا اُس کی

نہ صرف زبردست حوصلہ افزائی کی بلکہ اسے ہر قسم کا تحفظ بھی فراہم کیا۔

اسی سرپرستی اور تحفظ کے زیر اثر اس بدبخت نے ایک اور انتہائی دل آزاری کے اقدام کی ٹھانی اور ستیارتھ پرکاش جیسی زہریلی کتاب سے بھی زیادہ زہریلی کتاب ''رنگیلا رسول'' چھاپ دی، معلوم ہوتا ہے کہ مسلم آزادی میں وہ منشی رام سے کم نہ تھا اور عقل سلیم سے یکسر عاری تھا۔

متوالہ ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:۔

قدرت ایسے نادان اور بداندیش پر ہنس رہی تھی جسے خبر نہ تھی کہ میرے لئے موت اپنا منہ کھولے تیار بیٹھی ہے اور ایک ان پڑھ، صداقت کے متوالے اور اپنے آقا حضور رسول عربی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان گنت اور اٹوٹ محبت کرنے والا، پردۂ غیب میں بے حد بے قراری کے ساتھ اس کا آناً فاناً قلع قمع کرنے کو تیار بیٹھا ہے۔ وہ ایک ایسا شاہین ہے جو بزدل اور بدہوش مومولے پر اپنی جست لگانے اور اسے ٹھکانے لگانے کے لئے اپنے پر تولے بیٹھا ہے۔

یہ عام انسانوں میں سے ایک عام گمنام انسان تھا، جو اپنے اس شاندار کارنامے کی بدولت دوام پا گیا جس کا نام عدل و انصاف کی تاریخ میں ہمیشہ کے لئے درخشاں ہوگیا، زندہ و پائندہ ہوگیا اور دنیا کے ایوانوں میں ایک تہلکا مچا گیا اور جس نے یہ بات گمراہی کے اہلکاروں کو سمجھا دی کہ آنکھیں بند کر کے دوسروں کے جذبات سے اور ان کے آقا کے ناموس سے کھیلنے کے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں اور وہ جس نہج پر چل کر اسلام کو مٹانے کے درپے ہیں، قدرت بذاتہ ان کا جڑ سے خاتمہ کس انداز میں کروا کر سانس لیتی ہے؟

یہ وہ نوجوان تھا جسے آج دنیا غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے جانتی ہے اور جو میانی صاحب لاہور کے قبرستان میں آسودۂ خاک ہے اور جس نے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کو حقیقی تابنا کی بخشی کہ

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اس کے علاوہ اُس نے اُن نام نہاد مسلمانوں اور ان کی آنے والی نسلوں کو بھی یہ سبق دیا کہ خدارا اپنی آنکھوں سے چشم پوشی اور صرف زر دنیا کی چمک دمک کو زائل کریں اور حضور رسول کریم ﷺ کی محبت کو دنیاوی محبت پر ترجیح دیں اور دنیاوی آقاؤں پر آقائے دوجہاں، دلوں کے تسکین، دائی جان و ایمان کو ترجیح دیں اور اُن کی عزت و ناموس کو اپنی آل و اولاد، خاندان کی عزت و ناموس پر مکمل ترجیح دیتے ہوئے اس پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار رہیں اور موقع ملنے پر ذرا برابر بھی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہ کریں اور اغیار کو یہ بتلا دیں کہ عزت و ناموس رسالت مآب ﷺ کیا ہے؟

باب 14:

طوفانِ قلب

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ ماں کو بھوک نہ ہونے کا کہہ کر گھر سے نکلے اور سیدھے اُس جگہ کی جانب بڑھے جہاں شیدا اُن کا پیارا دوست ایک مکان کے باہر بیٹھا اُن کا انتظار کر رہا تھا۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو دور سے اپنی طرف آتے دیکھ کر وہ بھی اُن کی جانب بڑھا اور پھر دونوں باہم بغلگیر ہو گئے اور سریاں والا بازار سے سرجن سنگھ چوک کی طرف نکل گئے۔ دورانِ سیر دونوں نے بہت سی باتیں کیں جن میں وہ باتیں بھی شامل تھیں جو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی دروازہ کے باہر جلسہ میں سنی تھیں اور جنہوں نے اُس کے دل میں عجیب قسم کی ہلچل بھی مچا رکھی تھی اور جس کے اوپر تصدیق کی مہر اس کے والد کے الفاظ نے بھی لگا دی تھی۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں ایک عجیب قسم کا طوفان برپا تھا کہ جس کی روک تھام خود غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بس سے باہر تھی۔ اسی طوفان کے زیرِ اثر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو ایک پل چین نہ تھا۔ اسی لئے وہ کھوج میں تھا کہ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناموس پر حملہ کس نے کیا ہے؟ اور اسے اسی ناپاک جرأت کیوں ہوئی ہے؟

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے شیدے سے پوچھا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ کتاب کس نے چھاپی ہے؟ تو اس نے لاعلمی کا اظہار کر دیا کیونکہ وہ بھی غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اَن پڑھ تھا اور ان باتوں سے بے خبر تھا۔ وہ کچھ دیر اِدھر اُدھر گھومتے رہے اور واپسی پر سریاں والا بازار میں امین دودھ دہی والے کی دوکان پر

آن بیٹھے۔ اتنے میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے والد کے دوست محمد امین صاحب جو سرجن چوک میں دوکان کرتے تھے اُدھر سے گزرے۔ وہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بے انتہا پیار کرتے تھے لیکن وہ شیدے کے ساتھ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے اٹھنے بیٹھنے اور یارانے کو ناپسند کرتے تھے کیونکہ شیدا کوئی کام نہ کرتا تھا اور سارا دن آوارہ پھرتا رہتا تھا۔ خود شیدے کے والدین اُس کی اس آوارگی سے بے حد نالاں رہتے تھے۔

محمد امین صاحب نے کئی بار اشاروں کنایوں میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو سمجھایا بھی تھا لیکن وہ ان کو علیحدہ کرنے میں ناکام رہے تھے اور انہیں اس بات کا بے حد دکھ تھا۔ آج پھر دونوں کو اکٹھا دیکھ کر وہ غصے سے کھول اٹھے۔ پہلے تو ان کو خیال آیا کہ وہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو بلا کر غصے سے سمجھائیں۔ پھر نجانے کیا سوچ کر وہ آگے کو چل دیئے۔ انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ صبح ہوتے ہی طالع مند سے بات کریں گے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی گھر واپسی:-

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ، شیدے کے ساتھ بیٹھے کافی دیر تک راجپال کی باتیں کرتے رہے اور اس تجسس میں رہے کہ اُس کی دوکان کہاں واقع ہے؟ اُس کا حلیہ کیا ہے؟ لیکن انہیں اس کا کوئی پتا نہیں چل رہا تھا۔ رات گئے شیدے کے ساتھ کافی مغز کھپائی کرنے اور کوئی بات سمجھ نہ آنے پر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے خیالوں میں مست گھر کی طرف روانہ ہوئے اور جب وہ گھر پہنچے تو طالع مند جاگ رہے تھے۔ آج اُن کی آنکھوں میں نیند کی بجائے کوئی گہری سوچ جاگزیں تھی جس کی وجہ سے وہ جاگ رہے تھے۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں چور نگاہوں سے جاگتے ہوئے دیکھا اور بغیر کوئی بات کئے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

طالع مند چونکہ اپنے ہی خیالات میں مگن تھے اس لئے انہوں نے بھی کوئی توجہ نہ دی اور کافی رات گئے جاگنے کے بعد نیند کی وادیوں میں کھو گئے اور صبح کو بہت ہی دیر سے جاگے۔ لیکن جاگنے پر انہیں معلوم ہوا کہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ گھر سے جا چکے ہیں۔ چونکہ کمرے کے کونے میں اوزار بدستور پڑے ہوئے تھے جس سے انہوں نے اندازہ لگایا کہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ آج کام پر نہیں گئے۔ اس بات نے انہیں قدرتی طور پر متفکر ضرور کیا اور وہ اُس کے بارے میں سوچنے لگے۔ ابھی انہیں اپنے خیالات میں غلطاں ہوئے تھوڑی دیر گزری ہو گی کہ دروازے پر زور سے دستک سنائی دی۔ انہوں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو امین صاحب کو اپنے دروازے پر دیکھ کر حیران ہوئے اور انہیں اندر لا کر بٹھایا اور آنے کے بارے میں دریافت کیا۔

امین صاحب کے شکوک وشبہات:۔

محمد امین: طالع مند! میرے خیال میں تو تمہیں کوہاٹ ہونا چاہئے تھا لیکن آپ ابھی تک یہیں ہیں۔

طالع مند: میں چند ایام تک وہاں جاؤں گا لیکن تم آج اتنے عرصہ بعد کس طرح میرے گھر چلے آئے میں تو سمجھا تھا کہ تم تو شاید مجھے بھول چکے ہو؟

محمد امین: میں تو نہیں بھولا ہوں لیکن میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تمہارا علم دین اصل راستے سے ہٹ رہا ہے۔

طالع مند: حیران ہو کر بولے! امین تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ وہ تو ابھی گھر سے گیا ہے۔

محمد امین: کمال ہے طالع مند! مجھے یہ معلوم نہیں تم نے اتنی عمر کہاں گزاری ہے؟ وہ رات کو کہاں تھا؟

طالع مند: وہ رات کو گھر میں ہی تھا۔

محمد امین: علم الدین رات کس وقت گھر آیا تھا؟

طالع مند: رات کو دیر سے آیا تھا لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟ اسی قسم کی باتوں کا کیا مقصد ہے؟ سیدھی طرح بات کرو، مجھے خواہ مخواہ الجھنوں میں نہ ڈالو۔ میرے علم الدین نے کیا کیا ہے؟

محمد امین: دیکھ طالع مند! تم میرے دوست ہو اور میں بھی علم الدین کو اتنا ہی چاہتا ہوں جتنا تم، میں تمہیں یہ کہنے آیا ہوں کہ اس کا ذرا خیال رکھا کرو...... مجھے اس کا اتنی رات گئے بازار میں گھومنا اور شیدے کے ساتھ بیٹھنا کچھ اچھا نہیں لگتا۔

طالع مند: شیدا کون ہے اور وہ کن لوگوں کے ساتھ گھومتا پھرتا ہے؟

محمد امین: علم الدین آئے تو اس سے پوچھنا، اب بھی وقت ہے، اسے سنبھال لو نہیں تو پچھتاؤ گے۔ اب میں چلتا ہوں اور وہ طالع مند سے اجازت لے کر اپنی دوکان کو چلے گئے۔

شیدے کے دوست کا انکشاف:۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ آج نماز فجر کے بعد ہی اپنے دوست شیدے کے گھر پہنچ گیا تھا اور شیدے کو ساتھ لے کر لوہاری کی جانب چل پڑے۔ اس سارے راستہ میں جلسے میں ہونے والی تقاریر ہی ان کے درمیان موضوع گفتگو بنی رہی۔

لوہاری پولیس اسٹیشن کے پاس ہی شیدے کا ایک دوست رہتا تھا۔ اس کو انہوں نے وہاں سے لیا اور پرانی انارکلی کی جانب چلے گئے۔ باتوں باتوں میں اس دوست نے انکشاف کیا کہ حضور رسول کریم ﷺ کے بارے میں جو کتاب راج پال نے لکھی تھی وہ ہسپتال روڈ پر رہتا ہے اور وہیں اس کی دُوکان ہے۔

راجپال کے خلاف مسلمانوں کا جلسہ:۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ، شیدے اور اس کے دوست کے ساتھ سارا دن

گھومتے رہے ان کے ذہن پر بس ایک ہی خیال سوار تھا کہ راجپال سے انتقام کس طرح لیا جائے۔

غروب آفتاب کے وقت وہ گھر کی طرف واپس ہوئے اور جب مسجد وزیر خان کے پاس پہنچے تو وہاں انہوں نے بہت زیادہ لوگوں کو اکٹھے ہوئے دیکھا تو رک گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے لوگوں کا ہجوم بیکراں اکٹھا ہوگیا اور وہاں جلسہ شروع ہوگیا جس میں راجپال کے خلاف تقاریر شروع ہوگئیں۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی اس ہجوم میں شامل ہو گئے اور عشاء کی اذان تک تقاریر سنتے رہے۔

لوگ جوش وخروش میں راجپال کے خلاف قانونی چارہ جوئی کا مطالبہ کر رہے تھے اور نعرے لگا رہے تھے۔ بعض مقررین نے یہ بھی کہا کہ ایسے مردود راجپال کو قتل کر دیا جائے جس نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں ایسی نازیبا جسارت کی ہے اور کروڑوں مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کیا ہے۔ جلسہ کی کاروائی ختم ہونے پر علم الدین نے بھی گھر کی راہ لی۔

طالع مند کی باز پرس:۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ جب گھر پہنچے تو باپ طالع مند کو اپنا منتظر پایا۔ وہ سارا دن اس بات پر غصہ کھاتے رہے تھے کہ علم الدین آج کام پر کیوں نہیں گیا؟ اور مغرب کے بعد سے غصے میں جوالامکھی بنے ہوئے تھے۔ جوں جوں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے گھر آنے میں دیر ہو رہی تھی اُن کا غصہ دم بدم بڑھتا جا رہا تھا۔ ایک مرتبہ وہ غصے کے عالم میں شیدے کے گھر تک جانے کے ارادے سے چارپائی سے اٹھے بھی تھے لیکن علم الدین کی ماں کے کہنے سننے پر رک گئے تھے۔ گھر کے تمام افراد اُن کی پریشانی کے خوف سے دل ہی دل میں لرز رہے تھے لیکن کسی میں بھی جرأت نہ تھی کہ وہ طالع مند کے غصے کو ٹھنڈا کر سکے۔ بہرحال جوں جوں تاخیر ہوتی جارہی تھی

ان کا پارہ دیدنی ہوتا جا رہا تھا۔

طالع مند تو یہ تک نہ جانتے تھے کہ شیدا کون ہے؟ کیا کرتا ہے اور کس کردار کا آدمی ہے؟ وہ انہیں سوچوں میں غلطاں اپنی ہی ادھیڑ پن میں مبتلا تھے کہ اچانک محمد دین گھر پہنچ گئے۔ انہوں نے جب اپنے باپ طالع مند کا پریشانی اور غصے کے مارے برا حال دیکھا تو بعد از سلام اس کا احوال پوچھا جس پر طالع مند کا آتش فشاں پھٹ پڑا اور انہوں نے انتہائی جوش اور غصے میں محمد دین کو دیکھتے ہوئے سوال کیا؟

طالع مند: کہاں سے آئے ہو اور شیدا کون ہے؟

محمد دین: کون شیدا؟ کیا علم دین کا دوست؟

طالع مند: ہاں وہی شیدا۔ وہ کون ہے اور کیا کام کرتا ہے؟

محمد دین: یہ وہی شیدا ہے جس کا باپ مسجد وزیر خان کے سامنے دوکان کرتا تھا اور ایک دفعہ جوئے میں دکان بھی ہار بیٹھا تھا۔

اتنا سننا تھا کہ طالع مند کا چہرہ پہلے سے بھی زیادہ غصے سے ابل پڑا۔

محمد دین: آج کیا بات ہے آپ کیوں شیدے کے بارے میں اتنی زیادہ تفتیش کر رہے ہیں؟

طالع مند: آج امین آیا اور اس نے علم الدین کے رات کو دیر سے گھر آنے اور شیدے کے ساتھ آوارہ گردی کرنے کی شکایت کی ہے جس سے میری پریشانی حد سے بڑھ گئی ہے اور علم الدین آج بھی صبح سویرے کا گھر سے بغیر کچھ بتائے غائب ہے اور کام پر بھی نہیں گیا۔

محمد دین: علم الدین کو آنے دیں میں خود اسے سمجھاؤں گا۔ آپ فکر مند اور پریشان نہ ہوں آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ کوہاٹ کب جا رہے ہیں؟

طالع مند: دو چار روز تک چلا جاؤں گا۔

محمد دین: کیا علم الدین بھی ساتھ جائے گا؟

طالع مند: اس دفعہ تو میں اسے ضرور ساتھ لے کر جاؤں گا۔

اُن کے لہجہ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ جیسے وہ اس طرح علم الدین کو آوارگی کی سزا دینا چاہتے ہیں۔ انہیں باتوں کے دوران ہی علم الدین گھر پہنچ گیا۔ طالع مند نے بڑے غور سے علم الدین کی جانب دیکھا جبکہ علم الدین نے باپ کے چہرے پر آتش فشانی کیفیت دیکھ کر خاموشی سے نظریں نیچی کیے رکھیں اور باپ کے بلاوے پر سر جھکائے ان کی جانب بڑھے اوران کے پاس باادب انداز میں خاموشی سے کھڑے ہو گئے۔

طالع مند: علم الدین! تم گھر سے کب گئے تھے؟

علم الدین: جی صبح گیا تھا۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ڈرے ڈرے لہجے میں جواب دیا۔

طالع مند: کیا اب تمہاری واپسی ہوئی ہے؟ اس وقت تک کہاں تھے؟

اُنہوں نے تلخ انداز میں یہ سوال کیا؟

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے خاموشی اختیار کیے رکھی۔

طالع مند: زیادہ غصے کے ساتھ بتاتے کیوں نہیں کہ اس وقت تک تم کہاں تھے؟

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ بدستور سر جھکائے کھڑے رہے جس سے طالع مند کا پارہ تیز ہو گیا اور وہ چارپائی سے تیزی سے اٹھ کر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جا کر کھڑے ہوئے اور انتہائی غصے میں پھر سوال کیا!

''میں نے تم سے پوچھا کہ اس وقت تک تم کہاں تھے؟''

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ خوفزدہ انداز میں کہنے لگے!

''میں شیدے کے پاس تھا۔''

طالع مند بولے!

''ہاں! مجھے علم ہے تم شیدے کے ساتھ تھے اسی آوارہ نوجوان کے ساتھ۔''

تب طالع مند نے کاٹ دار آواز میں یہ کہا تو علم الدین ڈر کر ذرا پیچھے ہٹے

طالع مند نے جوش میں اس کو کلائی سے پکڑ کر اور زور سے کھینچتے ہوئے دروازے تک لے گئے اور دھکا دیتے ہوئے کہنے لگے۔

''جاؤ! چلے جاؤ۔ جاؤ اسی شیدے کے پاس جو دنیا بھر کا لوفر اور آوارہ گرد تمہارا دوست ہے۔ جاؤ اس کے پاس جا کر رہو۔''

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو یہ سن کر سکتہ سا ہو گیا اور وہ دروازے کے پاس ہی کھڑے رہے۔ اُن کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا کہ آج باپ پر کونسی قیامت ٹوٹ پڑی ہے؟ جس پر وہ اس قدر غصے میں پاگل ہو رہے ہیں۔ اس صورتحال کو دیکھ کر محمد دین آگے بڑھا اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بازو کو اپنی بغل میں دبا کر طالع مند کے پاس لے آئے اور باپ سے کہا!

''اس دفعہ اسے معاف کر دیں یہ کبھی بھی آئندہ دیر سے نہیں آئے گا، میں اسے سمجھا دوں گا۔''

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے جبکہ محمد دین انہیں لے کر دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ اب طالع مند کا غصہ بھی قدرے کم ہو گیا تھا دوسرے کمرے میں جا کر محمد دین کافی دیر تک علم الدین کو سمجھاتے رہے۔ پھر خود اٹھ کر محمد دین کھانا لے کر آئے اور اپنے ساتھ بٹھا کر انہیں کھانا کھلایا اور پھر کہا!

''علم الدین! گھر دیر سے نہ آیا کرو۔ لوگ باتیں بناتے ہیں؟''

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے رو دینے والے لہجے میں پوچھا!

''کیا بات بناتے ہیں؟''

محمد دین نے بتایا!

''آج امین آیا تھا اور اس نے شیدے کے ساتھ تیرے گھومنے پھرنے کی نہ صرف شکایت کی ہے بلکہ باپ کو اس بارے میں سختی سے تنبیہ بھی کی ہے، بہرحال! تم گھر والوں کا خیال رکھو اور اپنے

باپ کی عزت پر کوئی حرف نہ آنے دو۔"

اس کے بعد محمد دین اپنے کمرے میں چلے گئے۔

اگلے دن غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بعداز نماز فجر اپنے اوزار اٹھائے اور کچھ کھائے پیئے بغیر اپنے کام پر روانہ ہو گئے۔

شام کو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ گھر آئے تو طالع مند نے انہیں اپنے گلے سے لگا کر اپنے ساتھ کھانا کھلایا اور رات دیر تک اُن سے باتیں کرتے رہے۔

اس دوران غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں گذشتہ رات کے جلسے کی ساری روداد سنائی اور بتایا کہ راجپال واجب القتل ہے اور استفسار کیا کہ کیا راجپال کو قتل کرنے والے کو سزا تو نہیں ہوگی؟

طالع مند نے کہا!

"نہیں ایسی بات تو نہیں ہے اُسے سزا تو ضرور ملے گی کیونکہ کسی کا قتل کرنا قانون کی نظر میں جرم ہے اور قانون ایسے معاملے میں کسی کو بھی معاف نہیں کیا کرتا خواہ قتل کی وجوہات کیسی ہی کیوں نہ ہوں؟"

باپ کی زبان سے یہ سن کر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہو گئے اور کچھ دیر تک باپ کے پاس بیٹھے رہے۔ اتنے میں محمد دین بھی گھر آ گئے تو باپ نے انہیں بتایا کہ وہ آئندہ تین چار روز تک کوہاٹ چلے جائیں گے اور کوہاٹ سے واپسی پر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی شادی بھی کر دیں گے۔ باپ کی یہ بات سن کر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ شرما گئے اور خاموشی سے وہاں سے کھسک گئے جب کہ محمد دین اور باپ طالع مند دیر تک باتیں کرتے رہے۔

خواب میں حکم :۔

چونکہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ ذہنی اور جسمانی لحاظ سے تھکے ہوئے تھے اس لئے بستر پر لیٹتے ہی فوراً نیند آگئی۔ آدھی رات کے بعد انہوں نے خواب میں ایک بزرگ دیکھے جوان سے کہہ رہے تھے!

''غازی علم الدین ! کیا بات ہے؟ تمہیں ابھی تک ہوش نہیں آیا اور مزے سے سو رہے ہو اسلام کے دشمن تمہارے نبی کریم ﷺ کے خلاف اُن کی شان برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور کھلم کھلا کاروائیاں کرنے میں مصروف ہیں، خدارا! اٹھو اور راج پال کو قتل کرنے میں جلدی کرو۔''

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ ہڑبڑا کر فوراً اٹھ بیٹھے۔ خواب نے اُن کے دل کو دہلا دیا تھا۔ ان کا سارا جسم پسینے میں شرابور تھا۔ اس کے بعد انہیں بالکل نیند نہیں آئی بلکہ بار بار یہی خواب انہیں جلدی کرنے پر آمادہ کرتا رہا۔

صبح کو فجر کی نماز کے بعد انہوں نے اپنے اوزار سنبھالے اور گھر سے نکل کر شیدے کے گھر پہنچے۔ وہ ابھی تک نیند کی وادیوں میں کھویا ہوا تھا۔ اسے اٹھایا گیا تو وہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو اتنی صبح اپنے گھر دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جلدی سے تیار ہو کر آنے کو کہا اور اس کا انتظار کرنے لگے۔،وہ تیار ہو کر گھر سے آیا تو دونوں ہی لوہاری بازار کی جانب چلے گئے اور پھر لوہاری دروازہ سے ہوتے ہوئے بھاٹی گیٹ پہنچ گئے اور بھاٹی دروازے کے سامنے کھلے میدان میں دونوں جا کر بیٹھ گئے۔

شیدے نے صبح صبح آنے کی وجہ دریافت کی۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے شیدے کو کہا!

"رات کو میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں
آ رہا کہ میں کیا کروں؟"

شیدے نے جب خواب سنا تو وہ بھی حیران ہو گیا۔ اُس کے ذہن میں یہ بات نہ آ رہی تھی کہ وہ اپنے دوست کو اس خواب کی کیا تعبیر بتائے کیونکہ اُس نے بھی یہی خواب رات کو دیکھا تھا۔

شیدے نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو بتایا کہ اُس نے بھی رات کو یہی خواب دیکھا تھا اور وہ بھی رات سے اسی بارے میں سوچ رہا ہے۔ شیدے کی بات سن کر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ جوش سے بولے!

"یہ خواب میں نے دیکھا ہے اور اب اس حکم پر عمل بھی سب سے پہلے میری طرف سے ہو گا اور اس کا استحقاق بھی مجھے ہی حاصل ہے۔"

شیدے نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی بات سن کر کہا!

"نہیں! اس پر میرا حق ہے اور راجپال کو میں ہی قتل کروں گا۔"

شیدے کا انداز دوٹوک تھا جس پر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو خاموشی اختیار کرنی پڑی۔ کچھ دیر بعد غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے شیدے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا!

"دیکھ شیدے! ہم دونوں نے خواب دیکھا ہے اور اب ہمیں ہی یہ فیصلہ کرنا ہے کہ یہ کام کس طریقے سے ہو گا؟ اور کون کرے گا؟"

قرعہ اندازی کے ذریعے فیصلہ:-

شیدا نے دریافت کیا!

"تم ہی بتاؤ کہ وہ کونسا طریقہ ہے جس کے ذریعے فیصلہ کیا جائے؟"

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا!

''اس کا فیصلہ ابھی ہو جاتا ہے۔''

یہ کہہ کر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے زمین سے کاغذ کے دو ٹکڑے اٹھائے اور شیدے کو دیتے ہوئے کہا کہ

''ان میں سے ایک کاغذ پر تم اپنا نشان لگاؤ اور دوسرے پر میں اپنا نشان لگاتا ہوں۔ نشان لگانے کے بعد ان کاغذوں کو گولیاں بنا کر زمین پر پھینک دیتے ہیں۔ پھر ان میں سے ایک گولی کو اٹھا لیں گے جس کا نام نکل آئے گا وہ راجپال کو قتل کرے گا۔''

شیدے نے کہا!

''ٹھیک ہے لیکن کاغذ تم نہیں اٹھاؤ گے۔''

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اُس کی بات مان لی اور نزدیک ہی موجود ایک نوعمر لڑکے کو بلا کر اس کاغذ کو اٹھانے کا کہا۔ اُس لڑکے نے کاغذ اٹھایا۔ جب کاغذ کھول کر دیکھا گیا تو وہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے نام کی پرچی تھی۔

شیدے نے ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ

''ایک مرتبہ پھر کاغذ پھینکو۔''

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے دوبارہ گولیاں بنا کر کاغذ پھینک دیئے اور بچے کو دوبارہ کاغذ اٹھانے کا کہا۔

اُس بچے نے دوبارہ کاغذ اٹھایا۔ کاغذ کھولا گیا تو اس مرتبہ بھی غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے نشان والا کاغذ تھا۔ شیدے کا چہرہ مرجھا گیا اور وہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ضد کرنے لگا کہ ایک مرتبہ پھر کاغذ پھینکو۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اُسے سمجھانے کے انداز میں بولے!

''شیدے! اب دونوں مرتبہ فیصلہ میرے حق میں ہو گیا اس لئے

مزید کاغذ پھینکنے کی کیا ضرورت ہے؟''

شیدے نے اصرار جاری رکھا کہ ایک مرتبہ پھر کوشش کر لو شاید میری ہی قسمت سنور جائے اور قرعہ میں میرا نام نکل آئے۔ چنانچہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کاغذ کی دوبارہ گولیاں بنا کر زمین پر پھینکیں۔ بچے نے دوبارہ کاغذ اٹھایا۔ کاغذ کھولا گیا تو اُس پر ایک مرتبہ پھر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا نشان تھا۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا چہرہ ایک عجیب سی روحانی کیفیت سے چمک اٹھا۔ شیدا بھی غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی قسمت پر رشک کر رہا تھا۔

کچھ دیر تک وہ دونوں وہاں موجود رہے اور پھر واپس چل پڑے۔ چوک سرجن سنگھ میں دونوں دوست ایک دوسرے سے علیحدہ ہوئے۔ شیدا گھر کو چلا گیا اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے کام پر چلے گئے۔

باپ کی پریشانی:۔

جب صبح کو طالع مند نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو گھر موجود نہ پایا تو بے حد پریشان ہوئے۔ گھر والوں سے پوچھا تو پتہ چلا کہ آج غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ فجر کی نماز کے بعد ہی اپنے اوزار اٹھا کر کام پر چلے گئے ہیں۔ اس پر طالع مند کے دماغ میں تفکرات نے ڈیرہ ڈال لیا کہ آج ایسی کون سی بات ہوگئی ہے جو علم الدین اس قدر صبح سویرے اپنے کام پر چلا گیا۔

طالع مند کے تو وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ مردود راجپال کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔

شیدے کی رازداری:۔

جب شیدا گھر پہنچا تو اس کی والدہ نے صبح منہ اندھیرے گھر سے نکلنے اور اتنی دیر بعد آنے کے بارے میں سختی سے باز پرس کی جس پر شیدے نے راز داری سے کام

لیتے ہوئے جواب دیا!

''علم الدین کو میرے ایک جاننے والے نے کام کرنے کے متعلق کہا تھا اور اسے اس کا گھر معلوم نہ تھا۔اس لئے میں اسے وہاں چھوڑنے گیا تھا۔''

ماں اس جھوٹے جواب کو سچ سمجھ بیٹھی اور شیدے پر غصہ اتارنے سے باز رہی جبکہ دوسری طرف شیدا اس رازداری کی وجہ سے سخت امتحان سے گزر رہا تھا۔

طوفانِ لامتناہی:۔

شیدے سے الگ ہو کر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ لوہاری پولیس اسٹیشن پہنچے اور وہاں قدرے رُک کر اپنی ذہنی کشمکش کا مقابلہ کرتے رہے۔ پھر غیر ارادی طور پر ایک اور جانب چل دیئے۔

اپنی اس ذہنی کشمکش کی وجہ سے وہ یہ نہ دیکھ پائے کہ کس طرف جا رہے ہیں لیکن جب وہ بھاٹی گیٹ چوک میں پہنچے تو وہاں کے شوروغل کی وجہ سے وہ اپنے خیالات اور ذہنی کشمکش سے جاگے اور انہیں احساس ہوا کہ وہ اپنی سوچوں میں غلطاں کام پر جانے کی بجائے پھر بھاٹی گیٹ پہنچ گئے ہیں۔ پھر اُن کے دل نے انہیں کام پر جانے سے روکا تو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ واپس اپنے گھر کی جانب روانہ ہو گئے اور عجیب سی خلش اور کشمکش کے انداز میں وہ گھر پہنچے باپ اس وقت گھر پر موجود نہ تھا۔

انہوں نے اوزار ایک کونے میں رکھے اور ماں کے دریافت کرنے پر کہا کہ

''طبیعت اچانک ناساز ہو جانے کی وجہ سے وہ گھر واپس آ گئے ہیں۔''

اور اتنا کہہ کر اپنے کمرے میں چلے گئے اور چارپائی پر لیٹ کر بظاہر آنکھیں بند کر لیں اور پھر اپنے اندر اٹھنے والے طوفان کی لپیٹ میں گم ہو کر رہ گئے۔

ان کی آنکھوں کے سامنے بار بار ایک ہی منظر ابھر اور ڈوب رہا تھا کہ انہوں نے راجپال کو قتل کر دیا ہے۔ اُس کی لاش اُس کی دوکان کے آگے سڑک پر پڑی ہے اور ہزاروں لوگوں کا مجمع اکٹھا ہو گیا ہے اور وہ پولیس کی حراست میں ہیں۔

انہی سوچوں میں غلطاں انہیں بالکل معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کب نیند کی گہری وادیوں میں کھو گئے اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے۔

خواب میں دوبارہ حکم ہونا:۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں پھر پہلے والے بزرگ کو دیکھا جو اُن سے کہہ رہے تھے!

"علم الدین دیر نہ کرو۔ یہ کام تمہارے ذمے لگ چکا ہے ایسا نہ ہو کہ تمہارے دیر کرنے سے کوئی دوسرا بازی لے جائے اور تم پچھتاتے رہو۔"

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں ان بزرگ سے کچھ پوچھنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ ایسے میں باپ نے انہیں جھنجھوڑ کر اٹھا دیا اور بڑے پیار سے دریافت کیا!

"کیا بات ہے علم الدین تم آج کام پر گئے اور واپس بھی آ گئے؟"

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا!

"ابا جان! میری طبیعت کچھ ناساز ہو گئی تھی لہٰذا میں واپس آ گیا ہوں۔ کل انشاء اللہ کام پر جاؤں گا۔ آپ فکر مند نہ ہوں۔"

طالع مند نے کہا!

"دیکھو میں نے پرسوں کوہاٹ جانے کا فیصلہ کیا ہے اور تمہیں بھی میرے ساتھ وہاں جا کر کام کرنا ہو گا اس لئے کل کام پر مت جانا۔"

اتنا کہہ کر طالع مند کمرے سے باہر چلے گئے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا حتمی فیصلہ:۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ دوپہر تک گھر میں چارپائی پر لیٹے رہے۔ پھر ماں کے اصرار پر اٹھ کر انہوں نے کھانا کھایا اور دوبارہ بستر پر جا کر لیٹ گئے۔ غروبِ آفتاب کے وقت بستر سے اٹھے اور منہ ہاتھ دھویا۔ پھر باپ کو گھر میں موجود نہ پا کر ٹارچ اور چھتری اٹھائی اور شیدے کے گھر جا پہنچے اور شیدے کو آواز دی تو شیدا جو کہ اس وقت گھر پر ہی تھا فوراً باہر آ گیا۔ دونوں ایک تھڑے پر جا کر بیٹھ گئے۔

شیدے نے جب غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے اُن کا پروگرام پوچھا تو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے شیدے کو اپنے پروگرام سے آگاہ کرتے ہوئے کہا!

''دیکھو! شیدے اس بات کو راز ہی رکھنا اور کسی سے کچھ مت کہنا۔ میں تمہیں اپنی ٹارچ، چھتری اور کلائی کی گھڑی دے رہا ہوں۔ خدارا! ان کو میری آخری نشانی سمجھ کر سنبھال کر رکھنا۔ یہ چیزیں تمہیں میری یاد دلاتی رہیں گے۔''

شیدا یہ سن کر جذبات سے مغلوب ہو گیا اور اُس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ پھر وہ دونوں باہم بغلگیر ہوئے۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے اپنا وہ خواب سنایا جو انہوں نے آج دیکھا تھا۔

شیدا، غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی بابت خواب سن کر بولا!

''علم الدین! مجھے تم پر رشک آ رہا ہے یہ تمہاری خوش نصیبی ہے۔ کاش! یہ سعادت میرے حصے میں آتی تو میں بھی اپنے اوپر رشک کرتا۔''

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے شیدے سے کہا!

''شیدے! جذباتیت چھوڑ و اور میرے حق میں دعائے خیر کرو کہ
میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں۔''

اس کے بعد غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت طلب کی اور بغلگیر ہو کر اُس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ دونوں دوست سرجن سنگھ چوک تک آئے اور وہاں سے علیحدہ علیحدہ ہو کر اپنے گھروں کی طرف چل دیئے۔

طالع مند ابھی تک گھر واپس نہ آئے تھے۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے کمرے میں چلے گئے۔ جہاں ماں نے انہیں کھانا دیا جس کو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ اسی دوران باپ بھی گھر آ گئے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ رات دیر تک اپنے ہی خیالات میں مگن رہے اور راجپال کے قتل کے منصوبے بناتے رہے۔ انہیں خیالات میں نہ جانے اُن کی کب آنکھ لگ گئی اور وہ نیند میں کھو گئے۔ صبح کو جب اُن کی آنکھ کھلی تو دن نکل چکا تھا۔

راجپال کا قتل:-

۶ اپریل ۱۹۲۹ء کی صبح تھی۔ طالع مند صبح ہی صبح اپنے اوزار تیز کر رہے تھے کہ کیونکہ اُنہیں اگلے دن غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ کوہاٹ جانا تھا۔ طالع مند کے ساتھ ہی محمد دین کی زوجہ اپنی بچی کو گود میں لئے بیٹھی تھی۔ محمد دین اپنے کمرے میں بیٹھے کچھ لکھنے میں مصروف تھے۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ گھر کی صفائی ستھرائی میں مصروف تھیں۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ماں کے پاس جا کر لاڈ سے کہا!

''ماں! میٹھے چاول پکا کر کھلاؤ! آج بہت جی چاہ رہا ہے۔''

ماں بولیں!

''بیٹے! ذرا صبر سے کام لے، گھر کا تھوڑا سا کام باقی رہ گیا ہے

فارغ ہوتے ہی تجھے پکا دوں گی۔"

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ ماں کا جواب سن کر اپنے باپ کے پاس آ کر بیٹھ گئے جو ابھی تک اپنے اوزاروں کی درستگی میں مصروف تھے۔ کچھ دیر اُن کے پاس بیٹھے رہنے کے بعد وہ اٹھے اور غسل خانے میں جا کر پانی کا ٹب بھرا اور خوب اچھی طرح غسل کیا اور لباس بدلا، پھر خوشبو لگائی اور اپنے کمرے میں جا بیٹھے۔

تھوڑی دیر بعد ماں میٹھے چاول پکا کر لے آئیں اور طالع مند کے پاس لے کر آن بیٹھی اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو پکارا۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ماں کی آواز سنی تو باہر آ کر باپ کے پاس بیٹھ گئے اور پھر باپ بیٹا دونوں نے مل کر میٹھے چاول کھائے۔

ابھی غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے چند نوالے ہی کھائے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھ کر دروازہ پر جا کر پتا کیا تو پتا چلا کہ کوئی آدمی طالع مند سے ملنے کا خواہاں ہے اور انہیں باہر بلا رہا ہے۔ جس پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد کو بلایا اور وہ وہاں آ گئے اور اس نوجوان سے بات چیت کرتے رہے اور پھر اُس کے ساتھ گھر سے چلے گئے۔

کھانے سے فارغ ہو کر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ننھی بھتیجی کو بوسہ دیا جو سو رہی تھی۔ پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بھابھی سے چار آنے مانگے اور ان کے دریافت کرنے پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ مجھے ضرورت ہے حالانکہ پہلے آپ رحمۃ اللہ علیہ کبھی کسی سے بھی رقم نہ لیا کرتے تھے۔

بھابھی سے چار آنے لے کر انہوں نے اپنی جیب میں موجود ان پیسوں میں شامل کیے جو پہلے سے اُن کی جیب میں تھے اور تعداد میں بارہ آنے تھے جس سے ان کے پاس ایک روپیہ ہو گیا۔ پھر کچھ دیر تک والدہ سے میٹھی میٹھی باتیں کرتے رہے اور چہرے پر مسکراہٹ بکھیرے گھر سے باہر آ گئے۔ اس دوران باپ ابھی تک گھر واپس

نہیں آئے تھے۔

شکار کی تلاش:۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے گھر سے باہر تھوڑا سا وقت حاجی صادق دودھ دہی والے کی دوکان پر گزارہ اور پھر وہاں سے گمٹی بازار کی جانب چل دیے جہاں پہنچ کر انہوں نے ادھر اُدھر گھوم پھر کر وقت گزارہ اور پھر آتما رام نامی ایک کباڑیے کی دوکان پر جا پہنچے جو چاقو چھریاں ڈھیر لگا کر بیچ رہا تھا۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تیز دھار چھری اٹھائی اور اس کی قیمت آتما رام سے دریافت کی آتما رام نے اس کی جو قیمت بتائی وہ ایک روپیہ تھی۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جیب سے پیسے نکالے اور وہ ایک روپیہ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا اور چھری اپنی چادر کی ڈھب میں دبوچ لی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کوئی سوال نہ کیا اور نہ ہی چھری کی قیمت کی کمی کے بارے میں کوئی تکرار کی۔ آتما رام ابھی ان کو غور سے دیکھ ہی رہا تھا کہ اتنے میں کسی دوسرے گاہک نے ان کی توجہ اپنی جانب مبذول کرالی۔ اب غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ وہاں سے شاہ عالمی کی جانب چل دیئے اور اُس کی نظروں سے جلد ہی اوجھل ہو گئے۔

اس وقت غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کیفیت دیدنی تھی ان کی روح سرشاری سے جھوم رہی تھی۔

راجپال کے دفتر میں:۔

شاہ عالمی سے ہوتے ہوئے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ لوہاری پولیس اسٹیشن کے پاس پہنچے تو وہاں پولیس کے چند جوانوں کو کھڑے دیکھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ڈھب میں موجود چھری کا جائزہ لیا اور پھر بڑے مطمئن انداز میں انارکلی بازار میں داخل ہو کر ہسپتال روڈ کی جانب مڑ گئے،

اس وقت دن کے ایک بج کر پچاس منٹ ہو چکے تھے۔

راجپال کا دفتر ہسپتال روڈ پر قطب الدین ایبک کے مزار سے تھوڑا پہلے عشرت پبلشنگ ہاؤس کی دوکان کے سامنے واقع تھا۔ جس میں شیطان صفت راجپال اپنا کاروبار کیا کرتا تھا۔ دفتر سے ذرا پہلے لکڑی کا ٹال تھا جس کے ساتھ ایک چھوٹا سا کھوکھا بنا ہوا تھا۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں پہنچ کر کھوکھے کے اندر بیٹھے ہوئے ایک نوجوان سے استفسار کیا!

"راجپال کا دفتر کون سا ہے؟ اور کیا وہ اُس کے اندر موجود ہے؟"

اس نوجوان نے بتایا کہ راجپال کا دفتر ساتھ ہی میں ہے وہ ابھی تک نہیں آیا ہے جس وقت وہ دفتر میں ہوتا ہے تو پولیس کے جوان اس کے دفتر کے آگے پہرا دے رہے ہوتے ہیں۔

نوجوان کی بات سن کر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کھوکھے کے باہر بچھے ہوئے ایک بنچ پر بیٹھ گئے اور راجپال کے انتظار میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر گزری ہو گی کہ دفتر کے عین آگے ایک کار آن کر رکی۔ کار کا دروازہ کھلا تو اس میں سے ایک شخص نکلا جسے دیکھتے ہوئے اس نوجوان نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا کندھا ہلا کر اسے اشارے سے بتایا کہ یہی راجپال ہے جس نے کتاب چھاپی ہے۔

راجپال اپنے دفتر میں چلا گیا اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور اُن کے کانوں میں خواب والے بزرگ کے الفاظ ٹکرائے!

"علم الدین! جلدی کرو، دیر کرنے سے کوئی اور بازی لے جائے گا۔"

ان الفاظ کے ٹکراتے ہی غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ تیزی سے اٹھے اور دفتر کی جانب روانہ ہو گئے۔ کھوکھے والا وہ نوجوان گہری نظروں سے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی جانب دیکھ رہا تھا۔

راجپال ہردوار سے واپس آیا تھا اور دفتر میں جا کر اپنی کرسی پر بیٹھا اور پھر

پولیس کو اپنی آمد کی خبر دینے کے لئے ٹیلی فون کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اتنے میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ دفتر کے اندر داخل ہوئے۔

اُس وقت راجپال کے دفتر میں دو ملازم بھی موجود تھے۔ ان میں سے ایک کدار ناتھ پچھلے کمرے میں کتابیں رکھ رہا تھا جب کہ دوسرا ملازم بھگت رام، راجپال کے پاس ہی کھڑا تھا۔ راجپال نے درمیانے قد کے گندمی رنگت والے نوجوان کو دفتر میں داخل ہوتے دیکھا تو اس نے انہیں کوئی عام گاہک تصور کیا جبکہ وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ اذن الٰہی آچکا ہے اور موت کا فرشتہ اس نوجوان کی شکل میں اُس کی جان لینے کے لئے آن پہنچا ہے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اندر داخل ہو کر راجپال کی میز کے آگے رُکے جس کے پیچھے وہ بیٹھا ہوا تھا اور ٹیلی فون پر اس کا ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ راجپال اور موت کے درمیان انتہائی کم فاصلہ رہ گیا تھا۔ اتنے میں رام بھگت وہاں سے ہٹ کر ایک الماری کی جانب بڑھ گیا تا کہ کتابوں کی جھاڑ پونچھ کر سکے۔

قتل کے روز راجپال کے معمولات:۔

راجپال ہر روز صبح کے وقت لارنس گارڈن کی سیر کو اہل وعیال کے ہمراہ جایا کرتا تھا۔ لیکن آج ۱۶ اپریل ۱۹۲۴ء کو اس کے معمولات میں فرق آ گیا تھا اسے شاید اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ اس کے تعاقب میں شاید موت لگی ہوئی ہے، اس دن وہ خلافِ معمول دریا پر گیا اور وہاں سے واپس آ کر اُس نے دوکان میں کام کیا۔ ایک بجے اس نے کھانا کھایا اور پھر دوکان میں آ کر اس نے کام شروع کیا، اڑھائی بجے موت نے اپنا بگل بجایا اور قاتل نے آ کر اس کا کام تمام کر دیا۔

راجپال، جہنم واصل:۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بغور راجپال کو دیکھا اور اس کے چہرے پر

ثبت خباثت سے سمجھ گئے کہ یہی راجپال ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک ساعت ضائع کیے بغیر انہوں نے اپنی ڈھب سے وہی تیز چھری نکالی اور انتہائی گہری نظروں سے اپنے نشانے کوتا کا تیزی سے ہاتھ کو فضا میں بلند کیا اور سیدھا اس کے جگر پر دے مارا۔ چھری کا پورا پھل انتہائی برق رفتاری سے راجپال کے سینے میں ہڈیوں کو کڑکڑاتا ہوا جگر میں پھنس گیا۔ اس تیز رفتاری کے ایک ہی وار نے اپنا کمال دکھایا۔ راجپال کے منہ سے ہائے کا لفظ نکلا اور بلا تامل وہ اوندھے منہ زمین پر جا گرا۔

راجپال کے گرتے ہی غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے تیزی سے اپنی چھری کو کھینچا جس سے راجپال کے سینے سے خون کا فوراہ انتہائی تیزی سے ابلنے لگے۔ راجپال کے زور سے ہائے کرنے کی آواز سن کر کدار ناتھ اُس جانب لپکا لیکن غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں خون آلود چھری دیکھ کر وہیں خوفزدہ ہو کر رک گیا اور ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتابیں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اچھال دیں لیکن ان میں سے کوئی بھی کتاب غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو نہ لگی۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جب صورتحال کا جائزہ لیا تو راجپال دم توڑ چکا تھا۔ یہ دیکھ کر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ الٹے پاؤں باہر کی جانب تیزی سے لپکے۔ یہ دیکھ کر کدار ناتھ اور بھگت رام دونوں شور مچانے لگے اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے شور مچاتے ہوئے لپکے اور چیخ چیخ کر کہنے لگے!

"پکڑو پکڑو...... مار گیا...... مار گیا راج پال کو مار گیا...... مارا گیا...... مارا گیا...... مارا گیا۔"

توہین رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا بدلہ:۔

راجپال کے دفتر کے عین اوپر پہلی منزل میں اخبار گوروگھنٹال کا دفتر تھا جہاں اخبار کا مالک شام کپور بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کے ساتھ دیوان وزیر چند گوجرانوالہ بیٹھا کسی

مسئلے پر بات چیت کر رہا تھا۔ جب انہوں نے بے انتہا شور وغل سنا تو دیوان وزیر چند نے اٹھ کر کھڑکی سے نیچے سڑک کی جانب جھانکا۔ اسے راجپال کے دفتر کے آگے کتابیں ہی کتابیں نظر آئیں۔ اُس نے ایک نوجوان کو تیزی سے ہسپتال روڈ کی جانب بھاگتے ہوئے دیکھا جس کے پیچھے لوگ پکڑو پکڑو کی آواز لگائے بھاگ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ اوپر سے ہی چیخ و پکار کرنے لگا اور پھر تیزی سے کھڑکی سے ہٹ کر سیڑھیاں اترتا ہوا نیچے آیا اور اس نوجوان کی جانب لپکا۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ وہاں ستیارام سوداگر چوب کی دکان کے اندر گھس گئے اور نلکے پر جا کر اپنے ہاتھ دھونے لگے۔ راجپال کے گندے خون سے اپنے ہاتھ صاف کئے اور پھر واپس لپکے۔ لیکن آگے ہجوم اکٹھا ہو گیا تھا اور شور مچا رہا تھا۔ اتنے میں ستیا رام کے بیٹے دریا نند نے انہیں پکڑ لیا جو اس وقت شور سن کر اپنے دفتر سے باہر آیا تھا۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ صورتحال دیکھی اور لوگوں کا شور وغل سنا تو اس کے جواب میں بلند آواز سے پکارا!

"لوگو! سنو: میں نے ایک ہندو کو نہیں ایک شیطان کو مارا ہے اور میں نے اس سے اس کی گستاخی رسول اللہ ﷺ کا بدلہ لیا ہے۔ میں نے توہین رسول اللہ ﷺ کا بدلہ لیا ہے۔"

اتنے میں دیوان وزیر چند بھی وہاں پہنچ گیا۔ اُس کے دریافت کرنے پر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا!

"میں نے دوکان سے کچھ نہیں چرایا۔ میں نے تو گستاخ رسول اللہ ﷺ کا خاتمہ کیا ہے اور اس سے اپنے رسول مکرم ﷺ کی توہین کا بدلہ لیا ہے۔"

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی گرفتاری:۔

لوگوں نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو گھیر لیا تھا اور انہیں پکڑ کر راجپال کے دفتر کی جانب لوٹے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ راجپال قتل ہو چکا ہے اور زمین پر اُس کی خون میں لت پت لاش پڑی ہے۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک گہری نظر سے اس کی جانب دیکھا۔ پہلے تو ان کا رنگ قدرے زرد ہوا لیکن پھر ان کا چہرہ دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت دیکھ کر سرخ ہو گیا اور ان کے چہرے پر طمانیت چمکنے لگی۔ انہوں نے پھر بلند آواز سے کہا۔

''میں نے اپنے آقا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کا بدلہ لے لیا ہے۔''

اُس وقت غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے پر جو زردی ایک لمحہ کے لئے آئی تھی وہ اس اندیشے سے تھی کہ کہیں دوسروں کی طرح وہ بھی ناکام نہ ہو چکے ہوں۔ مگر اپنی کامیابی کو دیکھ کر اُن کے چہرے پر سرخی لوٹ آئی تھی اور تشویش کی جگہ ایک عجیب قسم کی طمانیت ابھر آئی تھی۔

راجپال کے قتل کی خبر آناً فاناً سارے شہر میں گونج اٹھی اور ہندو آریہ سماج کے نوجوان تیزی سے ہسپتال روڈ پر جمع ہو گئے اور آریہ سماج کی جے جے کے نعرے لگانے لگے۔ اُن کی چیخ و پکار اور شور وغل سے کان پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔

دیوان وزیر چند نے ایک نوجوان کو تھانہ لوہاری گیٹ بھیجا تاکہ پولیس کو بلا لائے۔ تھانے میں اس وقت ڈیوٹی پر برکت علی کانسٹیبل موجود تھا۔ جب اُس کو راجپال کے قتل کی خبر سنائی گئی تو خود رحمت خان کانسٹیبل کے ساتھ چند سپاہی لے کر ہسپتال روڈ پر اس نوجوان کے ہمراہ پہنچا تاکہ اصل صورتحال کا پتہ چل سکے اور ملزم کو تھانے لایا جا سکے۔

برکت علی نے اپنے ہمراہ آنے والے دو سپاہیوں کے حوالے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو کیا اور کہا

"اسے فوری طور پر پولیس چوکی لوہاری دروازہ میں لے جا کر بند کر دے تا کہ ملزم کو لوگوں کے اکٹھے ہونے والے ہجوم کی اشتعال انگیزی سے محفوظ رکھا جا سکے۔"

پولیس کے وہ دونوں سپاہی تیزی سے ہجوم کے اندر سے راستہ بناتے ہوئے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو لے کر پولیس چوکی لوہاری گیٹ میں لے گئے اور اسے حوالات میں بند کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد ہیڈ کانسٹیبل تارا چند وہاں پہنچ گیا۔ اُس نے دفتر کے اندر موجود راجپال کی نعش کا معائنہ کیا۔ خون آلود چھری قبضہ میں لی اور جائے وقوعہ کا سارا جائزہ لے کر کیس مرتب کرنا شروع کر دی۔

جب غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو پولیس چوکی لوہاری گیٹ حوالہ حوالات کیا گیا تو ایک پولیس ملازم نے سب انسپکٹر جلال دین تھانہ کچہری کو فون کر کے راجپال کے قتل کی اطلاع دی۔ جس پر جلال الدین سب انسپکٹر سارے کام چھوڑ کر تیزی سے پولیس چوکی لوہاری گیٹ پہنچا اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی گرفتاری کی تصدیق کی۔ بعدازاں تارا چند ہیڈ کانسٹیبل کی رپورٹ پر اُس نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے کپڑوں اور ہاتھوں کی خراشوں کو بھی قلم بند کیا اور پھر وہ دفتر راجپال پہنچا۔ جلال الدین نے وہاں پر وقوعہ کا مکمل خاکہ قلم بند کیا اور چھڑی کو بند کر کے اس پر امام الدین کانسٹیبل کی مہر لگوا کر سربمہر کر دیا۔

قتل کی رپورٹ:۔

اس قتل کی باقاعدہ رپورٹ ملزم کیدار ناتھ نے انارکلی پولیس تھانہ میں درج کروائی۔ بھگت رام اور کیدار ناتھ نے بطور عینی گواہان قتل اپنا نام درج کرایا۔ پر مانند

اور نانک چند جنہوں نے غازی غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو بعداز اعلانِ قتل پکڑا تھا انہوں نے بھی اپنے بیانات درج کروائے۔ آتما رام دوکاندار نے بھی اپنا بیان درج کروایا کہ وہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو اس قدر جانتا ہے کہ اُس نے میرے سے چھری خریدی تھی اور یہ کہ میں چھری کو بھی پہچانتا ہوں۔

جائے وقوعہ قتل پر انسپکٹر جنرل پولیس، سپرنٹنڈنٹ پولیس خان بہادر عبدالعزیز، مسٹر پکل ڈپٹی کمشنر، روشن لال مجسٹریٹ پہنچ چکے تھے اور بڑی مشکل سے آریہ سماج غنڈوں اور ہجوم کو کنٹرول کر رہے تھے۔ بڑی مشکل سے پولیس نے سڑک کے اس حصے کو ہجوم سے خالی کروایا اور اس سڑک پر آمدورفت بند کروادی۔

پولیس نے راجپال کی نعش کو پوسٹ مارٹم کے لئے میو ہسپتال بھجوایا۔ خون آلود جگہ کو سربمہر کر دیا اور سربمہر سامان قتل علاقہ مجسٹریٹ کی عدالت میں بھیج دیا۔ نعش پوسٹ مارٹم کے لئے بھیجنے سے پہلے دوکان سے باہر ایک چارپائی پر رکھی۔ ایک فوٹوگرافر نے اس کا فوٹو بنایا۔ اس کے بعد نعش کو موٹر کار پر رکھ کر پوسٹ مارٹم کے لئے بھیج دیا گیا تھا۔ بعدازاں پولیس انسپکٹر جواہر لعل پولیس چوکی لوہاری دروازہ پہنچا۔ جہاں اُس نے لوگوں کی موجودگی میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے کپڑے اتروائے کپڑے اتارنے کی کاروائی خوش حال چند نے اپنے سامنے کروائی جو اس زمانے میں قلعہ گوجر سنگھ میں دوکانداری کرتا تھا۔

جواہر لعل نے کپڑوں کا پارسل بنایا۔ پارسل بنانے سے پہلے خون آلود حصہ قمیض اور تہبند سے کاٹ کر علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ ان سب ٹکڑوں کو سربمہر کر دیا گیا۔ پھر ایک فرد ضبطی بنا کر اس پر خوش حال ہندو اور دوسرے گواہان کے دستخط ثبت کروائے اور اس طرح ساری کاروائی مکمل کی۔

نعش کا پوسٹ مارٹم:۔

راجپال کی نعش جب میو ہسپتال پہنچی تو ڈاکٹر ڈارسن نے نعش کا پوسٹ مارٹم کیا

نعش کی۔ شناخت کا فریضہ ڈاکٹر گردھاری لال نے کیا۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ تیار کی گئی جس کے مطابق راجپال کے جسم کے مندرجہ ذیل حصوں پر زخم آئے تھے۔

> ”دونوں ہاتھوں کی انگلیاں، سر، چھاتی، پٹھے جب کہ کلیجہ بُری طرح مجروح تھا۔ کلیجہ کے قریب کی پسلی ٹوٹی ہوئی تھی، چھاتی کے بائیں جانب ایک انچ لمبا اور تقریباً ساڑھے تین انچ چوڑا زخم تھا جس کی گہرائی سات انچ تک تھی چوتھی پسلی بالکل کٹ گئی تھی اور بائیں پٹھے پر نمایاں زخم موجود تھا۔“

ڈاکٹروں کی رپورٹ کے مطابق تقریباً ایک درجن ضربات کے نشانات تھے اور موت کا سبب کلیجے پر لگنے والے گہرے زخم کو قرار دیا گیا تھا جو کہ کسی تیز نوک دار ہتھیار سے لگایا گیا تھا۔

سارے مقدمے کی دستاویزات:۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمات کی قانونی دستاویزات جن میں راجپال کے قتل کی رپورٹ، غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا بیانِ حلفی، وقوعہ کی نشاندہی اور عدالت میں پیش کیا چالان فارم شامل ہیں جو اس وقت ایک دستاویزات کی حیثیت رکھتی ہیں۔

خوف و ہراس اور اشتعال کی کیفیت:۔

راجپال کے قتل کی خبر سارے شہر میں آناً فاناً پھیل گئی۔ ہندوؤں کے علاقوں میں انتہائی خوف و ہراس اور اشتعال پھیل گیا۔ آریہ سماج کے غنڈے بازاروں میں نکل آئے جس سے ہندو مسلم کشیدگی کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ جس پر مجسٹریٹ نے فوری طور پر دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی۔

اس روز روزنامہ زمیندار کے دفتر کے سامنے باغ میونسپلٹی میں کانگریس کی

جانب سے قومی ہفتے کے سلسلہ میں ایک جلسہ بھی رکھا ہوا تھا جس کو فوری طور پر بحکم پولیس انسپکٹر اور ضلعی مجسٹریٹ زیر دفعہ ۱۴۴ کے تحت روک دیا اور اس جلسے کے بعد نکلنے والے جلوس کو بھی حکماً منسوخ کر دیا گیا تاکہ کسی بھی قسم کا فساد نہ ہو سکے اور نہ ہی ہندو مسلم کشیدگی میں مزید اضافہ ہو سکے۔

گھر والوں کو اطلاع:۔

راجپال کے قتل اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی گرفتاری جب گھر پہنچی تو سارا خاندان سکتے میں آگیا اور ان کے گھر میں پورے محلّہ کی عورتوں کا جم غفیر لگ گیا۔ طالع مند اور محمد دین اس وقت گھر میں موجود نہ تھے۔ طالع مند کو یہ خبر کشمیری بازار میں ملی تو وہ لمحہ بھر کے لئے سکتہ میں آگئے اور پھر قدرے سنبھل کر تیزی سے گھر کی جانب بھاگے۔ گھر کے پاس پہنچ کر انہوں نے ایک جم غفیر کو اپنے دروازہ پر موجود پایا تو یک دم ٹھٹک کر رکے اور پھر بلا تامل ہجوم کو چیرتے ہوئے گھر کے اندر داخل ہوئے۔ تھوڑی دیر بعد محمد دین بھی یہ خبر سن کر انتہائی تیزی سے بھاگتا ہوا آیا اور گھر پہنچ گیا۔

ابھی انہوں نے صورتحال کا اندازہ بھی نہ لگایا تھا کہ پولیس پارٹی وہاں پہنچ گئی جس کو دیکھ کر ہجوم اِدھر اُدھر کھسک گیا۔ پولیس آفیسرز نے گھر کے دروازے پر چند مسلح سپاہیوں کی ڈیوٹی لگائی۔ خود اندر جا کر طالع مند کو بلایا اور اسے بتایا کہ اس کے بیٹے کے ہاتھوں راجپال کا قتل ہو گیا ہے اور اسے گرفتار کر لیا گیا ہے۔

چونکہ اس وقوعہ سے ہندو مسلم فساد اور اُس کے گھر والوں کے قتل ہونے کا خطرہ ہے، اس لئے انہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی گھر سے باہر نہ نکلے۔

طالع مند یہ سن کر انتہائی حیرانگی کے عالم میں پولیس انسپکٹر کا منہ دیکھنے لگے۔ بڑی مشکل سے محلے کی عورتوں کو گھر سے باہر نکالا گیا اور طالع مند کو گھر کا دروازہ بند

کرنے کا کہہ کر پولیس انسپکٹر گھر سے باہر نکلا اور اس نے پورے محلہ میں پولیس کے جوانوں کو پہرے کے لئے مختلف جگہوں پر کھڑا کر دیا۔

شیدے کو اطلاع:-

شیدا گھر میں بیٹھا مختلف سوچوں میں گم تھا کہ ایک خیال کے تحت وہ گھر سے نکلا اور مسجد وزیر خان کی جانب چل دیا جہاں اس کو ایک دوست ملا اور اس نے راجپال کے قتل اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے گرفتار ہونے کی خبر اسے سنائی۔

یہ خبر سن کر شیدا چند لمحوں کے لئے سکتے میں آ گیا اور پھر دوست کے جھنجھوڑنے پر تیزی سے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے گھر کی طرف بھاگ گیا۔

وہاں پہنچا تو پولیس نے اسے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے گھر والوں سے ملنے نہ دیا اور وہاں کچھ دیر بے بس کھڑے رہنے کے بعد اپنے گھر واپس آ گیا اور اپنے کمرے میں بند ہو کر رونا شروع کر دیا۔

قدرے رونے کے بعد جب اُس کی حالت سنبھلی تو اس نے یہ تہیہ کر لیا کہ وہ ہر صورت میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے گھر والوں کی مدد کرے گا تا کہ ان کو کسی بھی قسم کی تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

ہندوؤں کا اعلان:-

غروب آفتاب کے وقت راجپال کی نعش کا پوسٹ مارٹم مکمل ہوا اور اخبارات نے ڈاکٹر ڈارسن سے اس پوسٹ مارٹم کی تفصیلات سن کر فوری طور پر اپنے اخبارات کے ضمیمے شائع کئے۔

اس کے ساتھ ہی اس میں ہندو آریہ سماج کی جانب سے یہ اطلاع بھی شائع ہوئی کہ اگلی صبح کو راجپال کی ارتھی کا جلوس نکالا جائے گا۔ اس خبر نے سارے لاہور میں سنسنی خیزی اور کشیدگی کی فضاء قائم کر دی۔

۷ اپریل کی صبح کو سارا لاہور پولیس کی بھاری نفری کے نرغے میں آچکا تھا۔ تمام بازار بند تھے اور بڑے بڑے بازاروں میں پولیس کا گشت تیزی سے جاری تھا۔ پولیس کے پیدل سپاہیوں کے علاوہ گھوڑ سوار اور موٹر سائیکل سوار باقاعدہ گشت کر رہے تھے اور صورتِ حال کا جائزہ لے رہے تھے۔

پنڈٹ ٹھاکروت شرما (امرت دھارا)، رائے بہادر بدری داس، پرمانند نے آریہ سماج والوں کا ایک وفد ترتیب دیا اور ڈپٹی کمشنر سے ملاقات کر کے انہیں ہجوم کو ارتھی کا جلوس نکالنے کی درخواست دی جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ ارتھی کو ہندو محلوں سے گزرنے کی اجازت دی جائے تاکہ ہندو راجپال کا آخری دیدار کر سکیں لیکن ڈپٹی کمشنر نے اس کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔

اب ہندوؤں نے میو ہسپتال کا گھیراؤ کر لیا تاکہ زبردستی نعش حاصل کی جا سکے اور ارتھی نکالی جا سکے لیکن ڈپٹی کمشنر نے اس بات کو سختی سے نبٹانے کی ہدایت کی جس پر ہجوم نے خالی ارتھی اٹھا کر ایک جلوس کی شکل اختیار کر لی۔ جب ڈپٹی کمشنر نے اس کا سختی سے نوٹس لیا تو ٹھاکروت نے میو ہسپتال کی دیوار پر کھڑے ہو کر ہجوم کو ڈپٹی کمشنر کے فیصلے سے مطلع کیا جس پر ہجوم مشتعل گیا اور اُس نے ہنگامہ آرائی شروع کر دی۔

ڈپٹی کمشنر نے پولیس جوانوں کو اس معاملہ سے سختی سے نپٹنے کا حکم دیا اور اس طرح پولیس نے زبردست لاٹھی چارج کر کے ہجوم کو منتشر کر دیا اور ارتھی چھین لی۔ اس سارے معاملہ میں اسی (۸۰) آدمی زخمی ہوئے جن میں سے بعض شدید زخمی ہوئے۔ اس لاٹھی چارج میں ڈاکٹر خان چند دیو، پنڈت ٹھاکروت شرما، پرمانند اور کئی دوسرے بااثر افراد بھی شامل تھے۔

صورت حال انتہائی خراب ہو چکی تھی۔ ہندوؤں نے جگہ جگہ ہنگامہ آرائی کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہے۔ بہرحال بعد میں راجپال کی ارتھی کا مختصر جلوس رام باغ

نزد بادامی باغ شمشان گھاٹ اکٹھا ہوا جہاں راجپال کی نعش نذر آتش کر کے اس کی راکھ دریائے راوی میں بہادی گئی۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے گھر والے مشکلات کی زد میں:۔

اس واقعہ سے سارا شہر لرز چکا تھا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے جذبات میں زبردست اُبال آچکا تھا۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے گھر والے ان حالات میں بالکل محصور ہو کر رہ گئے تھے۔ پولیس کے سر پر بے حد ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ وہ کسی طرح بھی ہندو جلوس یا گروہ کو بازار کوچہ چابک سواراں میں داخل نہ ہونے دے اور وہ لوگ غازی غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے گھر والوں کو کسی بھی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔

طالع مند کے لئے گھر کے لئے ضروریات کا سامان بھی حاصل کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ انہیں اس سلسلہ میں وہ گھر کے بالائی حصہ سے نیچے لالٹین لٹکاتے اور ایک جوان اس میں مٹی کا تیل بھر دیتا۔ اس طرح دوسرا سامان ضرورت بھی اسی طریقے سے حاصل کرنا پڑتا تھا جس سے ان کے گھر میں بے پناہ مشکلات پیدا ہو چکی تھیں، لیکن ماسوائے صبر کے اب اُن کے پاس کوئی چارہ کار نہ تھا۔

شیدے کا احساس ذمہ داری:۔

شیدے نے جب سے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی گرفتاری کا سنا تھا اُس کا حال بہت بُرا تھا۔ اُس کا احساس ذمہ داری اسے کچوکے دے رہا تھا لیکن اُس کی سمجھ میں یہ بات بالکل نہیں آتی تھی کہ ان حالات میں وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ کبھی وہ بھاگم بھاگ پولیس اسٹیشن جاتا کہ کسی طرح اس کی ملاقات غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ہو سکے اور وہ اس کا حال احوال جان سکے اور اپنے من کی بات اسے بتلا سکے لیکن پولیس کسی بھی صورت میں اسے ملنے نہیں دے رہی تھی اور جب وہ وہاں سے گھبرا

کر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے گھر کی طرف بھاگتا ہوا پہنچتا تو پولیس یہاں بھی اس کی راہ میں مزاحم ہوتی اور کسی بھی صورت طالع منداور محمد دین سے اسے ملاقات نہ کرنے دیتی۔ مجبوراً وہ بے بسی کا نمونہ بنا گھر کے عین سامنے چپ چاپ کھڑا رہتا اور جس وقت بھی گھر والوں کو کسی ضرورت کا احساس ہوتا اور طالع مند اوپر سے رسی میں بندھا ہوا برتن لٹکاتے وہ بھاگ کر آگے ہوتا اور ان کے حکم کے مطابق سارا سودا سلف لا کر اس میں ڈال دیتا جسے وہ اوپر کھینچ لیتے۔ اس معاملہ میں شیدے کو کئی مرتبہ پولیس تشدد کا سامنا بھی کرنا پڑا لیکن وہ اپنی اس روش سے بالکل باز نہ آیا۔ صبح منہ اندھیرے سے لے کر رات گئے تک وہ اسی طرح پنڈولم کی طرح گھومتا رہتا۔

شیدے کے والدین کو اصل حالات کی باخبری:۔

دوسری طرف شیدے کے گھر والے شیدے کی اس قسم کی سرگرمیوں سے سخت نالاں تھے۔ انہوں نے ایک دن رات کے وقت شیدے سے اس معاملے میں باز پرس کی اور پوچھا کہ اسے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے کیا لگاؤ ہے؟ جو یوں حواس باختہ سارا دن گھر سے غائب رہتا ہے اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے گھر کے باہر کیوں پہرہ دیتا رہتا ہے؟ کیوں وہ اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالے ہوئے ہے؟ اس پر شیدے نے کہا کہ

> ''اگر اس طرح میری جان چلی جاتی ہے تو چلی جائے لیکن میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے گھر اور پولیس اسٹیشن کے چکر لگانے سے باز نہیں رہ سکتا۔''

اتنا کہتے ہی اس کی آنکھوں میں زار و زار آنسو بہنے لگے جس پر اس کے والدین گھبرا گئے اور انہوں نے اصل بات بتانے پر زور دیا۔

والدین کی ضد کے سامنے شیدے نے ہتھیار ڈال دیئے اور اس نے اپنا

خواب، پرچیاں ڈالنے اور قرعہ اندازی غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے نام نکلنے کا سارا واقعہ بیان کیا اور یہ بھی کہا کہ

''اسے اس بات کا سخت افسوس ہے کہ اس کا نام اس سعادت کے لئے نہیں نکلا۔''

شیدے کی بات سن کر اُس کے باپ نے فوری طور پر اپنے بیٹے کو اپنے سینے سے لگا لیا اور کہا کہ

''تو تو کچھ اور ہی نکلا ہے جبکہ میں تجھے کچھ اور سمجھتا تھا۔ مجھے تو اس بات کا علم ہی نہ تھا کہ تو تو کسی اور راہ کا راہی ہے۔ جا آج سے میری طرف سے تجھے اجازت ہے جیسا بھی بنے اپنی دوستی نبھاتا رہ اور اس معاملے میں کسی بھی قسم کی کوتاہی نہ کرنا اور نہ ہی باوصف مشکلات کے پیچھے ہٹنا۔''

دوسری طرف شیدے کی اس فرض شناسی اور جان پر کھیلنے کے باوصف مستعدی اور خدمت گزاری نے طالع مند کے دل میں شیدے کی وقعت بے حد بڑھا دی۔ وہ تو اسے ایک آوارہ گرد اور اوباش انسان سمجھتے تھے لیکن وہ اندر سے کچھ اور ہی نکلا اور امین نے اس کے بارے میں جو بات کہی تھی وہ محض غلط فہمی کا نتیجہ نکلی تھی۔ اس لئے وہ اب شیدے اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی دوستی کو مشکوک نظروں سے دیکھنے پر پچھتا رہے تھے اور اس کے لئے دل سے دست دعا تھے۔

دوسری طرف شیدے کو اگر کسی طرف سے دل کو تسلی ملتی تھی کہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے اس کے دوست غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو اس مقصد کے لئے چنا ہے اور اس کی عدم موجودگی میں وہ اس کے والدین کا خیال رکھ کر اللہ تعالیٰ عزوجل کی بارگاہ میں اپنا حق دوستی ادا کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ عزوجل ہی اس کا اجر اُسے بھی دینے والا ہے۔

اب چونکہ شیدے کی راہ کی رکاوٹ والدین کی باز پرس ختم ہو چکی تھی اس لئے شیدا اب نمازِ فجر کے ساتھ ہی طالع مند کے محلّہ میں پہنچ کر اپنا مورچہ سنبھال لیتا اور کسی بھی قسم کے خطرات و تشدد کی پرواہ کئے بغیر پروانہ ملتے ہی غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے گھر والوں کی خدمت انجام دینے کی حتی الوسع کوشش کرتا رہتا تھا۔

کچھ عرصہ بعد جب طالع مند کو اصل حقیقت قرعہ اندازی معلوم ہوئی تو وہ بہت پچھتائے کہ انہوں نے کیوں شیدے جیسے لڑکے پر بُرا گمان کیا اور شک کی نظروں سے دیکھا اور طالع مند کو اس بات کا قلق تاحیات رہا۔

قتل کے بعد کے حالات:۔

راجپال کے قتل کے اصل اسباب جانتے ہوئے بھی حکومت اس کا سدباب کرنے میں ناکام رہی تھی۔ مسلمانوں کی یہ خواہش تھی کہ حکومت غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے اس اقدام کو حقیقت کی نگاہ سے دیکھے تاکہ گستاخی رسول اللہ ﷺ جیسے واقعات آئندہ رونما نہ ہونے پائیں اور نہ ہی آئندہ کسی بدبخت انسان کو مذہبی فتنہ گری بالعموم اور حضور رسول کریم ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی اور بے ادبی کا اعادہ نہ ہونے پائے۔

دوسری طرف آریہ سماج والے چلا رہے تھے کہ مسلمان فرنگی حکومت اور ہندوؤں کے عزائم کا پورا ہونے میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔ اس بات سے اُن کی منشاء یہ تھی کہ انہیں اسلام اور بانی اسلام حضور نبی کریم ﷺ کی توہین کی کھلی چھٹی دی جائے اور انہیں روکنے والا کوئی بھی نہ ہو وہ جیسے چاہیں اپنی ہرزہ سرائی سے اخلاق اور قانون کی دھجیاں بکھیرتے رہیں اور ان کا ہاتھ کوئی نہ پکڑے بلکہ اس بات کی انہیں شاباش دی جائے اور مسلمان اس معاملے میں چپ چاپ دیکھتے رہیں اور اپنی بدزبانوں کو ہمیشہ کے لئے تالا لگا لیں۔ جبکہ اس سارے معاملے میں فرنگی یہ چاہتا تھا کہ مسلمان اور ہندو آپس

میں لڑتے رہیں اور وہ ان کی نااتفاقی اور اس مذہبی لڑائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی حکومت کا مزا چکھتا رہے اور یونین جیک برصغیر پر جھوٹی آن شان سے لہراتا رہے۔

دونوں طرف آگ کے شعلے بھڑک اور پھیل رہے تھے اور ان شعلوں کو سرد کرنے والا کوئی نہ تھا، جس کے نتیجہ میں دن بدن نہ صرف اشتعال انگیزی پھیل رہی تھی بلکہ اس کا دائرہ دمبدم وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا تھا اور پورے برصغیر میں اس قتل کی بازگشت نے عجب صورتحال پیدا کر دی تھی۔

افہام تفہیم کی کوشش:۔

جب صورتحال اس سطح پر پہنچ گئی کہ دونوں قوموں میں واضح تصادم اور خون ریزی ہونے کا خدشہ نظر آنے لگا تو ہندوؤں اور مسلمانوں کے زیرک نمائندوں نے باہمی طور پر مل بیٹھ کر اس صورتحال کے سدباب کے لئے سوچا جس میں اخبارات کے ایڈیٹروں اور نمائندوں نے اہم کردار ادا کیا اور ہندو مسلم زیرک راہنماؤں کا ایک اجلاس طلب کیا جس میں کافی بحث و مباحثہ سے یہ بات طے پائی کہ اس معاملے میں سنجیدگی سے غور کیا جائے اور اس کا حل تلاش کیا جائے۔

اس ضمن میں لاہور کے ڈپٹی کمشنر کے زیر اہتمام ایک میٹنگ بلائی گئی جس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے نمائندوں، اخبارات کے ایڈیٹر صاحبان نے شرکت کی اور جس میں یہ طے کیا گیا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں افہام و تفہیم کی فضا قائم کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ دونوں جانب کا غم و غصہ ٹھنڈا ہو سکے اور گلی کوچوں میں پیدا ہونے والی شدید کشیدگی کی وجہ سے خون کی ندیاں نہ بہہ سکیں اور بڑے پیمانے پر معصوم انسانوں کا قتل عام نہ ہو سکے۔ اس میٹنگ میں مولانا ظفر علی خان سے استدعا کی گئی کہ وہ اپنے اخبار زمیندار میں اشتعال انگیز تقاریر اور مضامین کا سلسلہ چھاپنا بند کر دیں جس پر مولانا ظفر علی خان نے دوٹوک الفاظ میں جواب دیا کہ اگر راجپال کے خلاف روز اول سے ہی سخت کارروائی کی جاتی اور آریہ سماج والوں کو ایسی حرکات سے ابتداء ہی میں

روک دیا جاتا تو آج یہ نوبت نہ آتی اور نہ ہی ایسا واقعہ رونما ہوتا۔ اب تو جو کچھ حکومت نے بویا ہے اسے کاٹنا بھی پڑے گا۔ تاہم زمیندار میں ایسی تقاریر اور مضامین شائع نہ کرنے کو تیار ہوں بشرطیکہ ہندو اخبارات بھی اس امر کی یقین دہانی کرائیں کہ وہ بھی ایسی باتوں کے بارے میں اشتعال انگیز تقاریر اور تہذیب و اخلاق اور مذہب سے گرے ہوئے مضامین شائع نہ کریں گے اور اپنی زبان بند رکھیں گے ورنہ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا۔ اس بات پر ڈپٹی کمشنر نے یقین دہانی کروائی کہ وہ ہندو پریس کو بھی کنٹرول میں لائیں گے اور ایسی باتوں کا سدباب کروائیں گے۔

چونکہ یہ معاملہ معمولی نہ تھا اور اس سے مسلمانوں کے جذبات شدید متاثر ہوئے تھے اور لوگ اس کو دل سے اتارنے کے لئے تیار نہ تھے۔ تاہم علامہ اقبال، مولانا محمد علی شفیع، مراتب علی شاہ اور میاں عبدالعزیز نے مساعی بسیار سے ہندو رہنماؤں کو قائل کیا اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں ایک قرار دار منظور کروائی جس کی پیروی میں ہندوستان کے بے شمار ہندوؤں میں ویسی ہی قرار دادیں منظور ہوئیں۔ اس موقعہ پر ایک ہندو رہنما بخشی بشن داس کے اس بیان کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی۔

> ''میں ہندو ہوں اور ہندو بھی کون آریہ بلکہ آریہ سے بھی دس قدم آگے، میں نے قرآن شریف پڑھا ہے، اس میں لکھا ہے کہ تم کسی بت کو گالی نہ دو۔ اس میں تمام مسلمانوں کا قصور نہیں ہے بلکہ بُرا فعل کرنے والا اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہے۔ سوامی دیانند کو ایک ہندو برہمن نے زہر دے دیا، اس میں قصور برہمن کا تھا نہ کہ تمام ہندوؤں کا۔ مہاشے رام چند کو جموں میں ہندوؤں ہی نے لاٹھیاں مار مار کر مار دیا۔ اس میں قصور صرف ان ہندوؤں کا تھا نہ کہ تمام ہندوستان کے ہندوؤں کا۔''

ان قراردادوں کی منظوری اور ان میں طے کیے گئے طریقہ کار پر عمل سے

ہندو مسلم کشیدگی میں کمی واقع ہوئی اور اب ساری توجہ غازی علم الدین شہید کے مقدمہ پر مرکوز ہونے لگی۔

محبت میں شہید:۔

بعض اوقات منزل ایک آہ کے فاصلے پر ہوتی ہے ایسے میں سو سال کا سفر ایک لمحہ میں طے ہو جاتا ہے اور ایسا سفر، سفر نہیں کہلاتا بلکہ جذبۂ شوق کی انتہا کہلاتا ہے اور یہ ایک ایسی سعادت ہوتی ہے جو بے حد کم نصیب والوں کو حاصل ہوتی ہے۔

یہ وہ چنگاری جو اچانک ابھرتی ہے اور ایک آن میں ہی شعلہ فشاں بن کر سامنے آنے والی ہر شے کو جلا کر راکھ بنا دیتی ہے۔ ایسا ہی سفر ایک اَن پڑھ مگر جذبہ عشق سے صادق شخص غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جنہوں نے اس تیزی سے یہ سفر طے کیا کہ عقل حیراں رہ جاتی ہے اور ارباب زہد و تقویٰ اور اصحابِ منبر و محراب بس اسے دیکھتے ہی رہ جاتے ہیں۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک شعر میں یہ مصرع بیان کرتے ہیں!

"طے شود جادۂ صد سالہ بآہے گاہے۔"

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس سفر کو طے کرنے کی ٹھانی اور سوچوں کے سمندروں میں کودنے کی بجائے بے خوف و خطر آگ کے سمندر میں چھلانگ لگائی اور ایک ہی جست میں جنت الفردوس کو حاصل کر کے سرخروئی کا وہ کارنامہ رقم کیا کہ جو رہتی دنیا کے لئے ایک عجوبہ بن گیا۔

لفظ پھر لفظ ہیں جذبوں کو سمیٹیں کیونکر
کیسے کر پاؤں میں اظہارِ عقیدت تجھ سے

جنت الفردوس کی تلاش:۔

جنت الفردوس جس کی تلاش کے لئے زاہدوں اور عابدوں کے نجانے کتنے

قافلے سرگرداں رہے۔ کیسے کیسے لوگ غاروں میں اپنی جانیں حوالہ حق کر گئے۔ کئی پیشانیاں رگڑتے رہے۔ ہزاروں چلہ کش اسی آرزو میں دنیا سے اٹھ گئے۔ لاکھوں طواف وجود میں غرق رہے۔

جنت الفردوس کے حصول کے لئے بے شمار صوفی وقف دعا رہے۔ اُن گنت پرہیز گار خیالِ جنت میں سرشار رہے۔ لیکن ان کے مقابلے میں جنت الفردوس کا متلاشی ایک ایسا نوجوان تھا جو نہ تو چلہ کشیوں میں پڑا اور نہ ہی نماز روزے رکھے۔ نہ وہ غاروں میں معتکف ہوا اور نہ اُس نے مجاہدہ کیا۔ اُس نے نہ تو حج وعمرہ کی سعادت حاصل کی۔ نہ اُس نے مکتب میں داخلہ لیا اور نہ ہی کسی خانقاہ کا راستہ دیکھا۔ البتہ! اسے شوق تھا تو صرف محبوب خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے ٹوٹی پھوٹی محبت کا ربط رکھنے کا اور اس میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے منفرد تھا۔

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

اُس نے وہم وگمان کی خاک کو اپنے سے پلک بھر میں جھپکا اور ایمان وعشق کے نور میں اپنے آپ کو ڈھال لیا۔ ایسے میں وہ کون سی غیبی آواز تھی جس نے اس کے اندر دبی ہوئی چنگاری محبت کو شعلہ فشاں بنا دیا، شعلہ فشاں بھی ایسا کہ جس نے پل بھر میں دل کی کائنات کو بدل کر خاک سے اٹھا کر جنت الفردوس کے محلات میں پہنچا دیا۔

پروانے کا حال اس محفل میں ہے، قابل رشک اے اہل نظر!
اک شب میں ہی یہ پیدا بھی ہوا، عاشق بھی ہوا اور مر بھی گیا

وہ ایک پروانہ جو بظاہر ایک معمولی بڑھئی تھا۔ خاک سے اٹھا اور پہلی ہی جست میں زمان ومکان طے کر ڈالے اور جب اس جوان کے بارے میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے سنا تو دلگیر آواز میں آنسو ٹپکاتے ہوئے کہنے لگے!

"اسی گلاں ای کردے رہ گئے تے ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا۔"

ایک ایسا نوجوان جو کہ ممتاز دانشور، صوفی، درویش، عالم، فاضل، خطیب شعلہ نوا، سیاسی رہنما، علم و فضل میں یکتا و منفرد، پکا غازی، عبادت گزار نہ تھا بلکہ ایک معمولی مزدور، ہاتھ میں تیشہ پکڑنے والا ایک عام انسان تھا۔ اُس نے اپنے اسی تیشہ لکڑی سے اپنے دل کے تیشہ کو تیز دھار بنایا اور ایک آن میں تمام منازل عشق طے کرتا ہوا غازی و شہید کے مرتبے پر جا پہنچا اور یہ ثابت کر گیا!

کلاہ و دستار خودی نشان فضیلت

بندۂ خدا بنتا ہے تو کردار کا غازی بن

یہ وہ غازی ہے جس نے دکھلاوے کے محراب ماتھے پر نہیں سجائے بلکہ حقیقی محراب دل کی پیشانی پر سجائے اور بارگاہ ایزدی میں سرخروئی کے پرچم لہراتا ہوا پیش ہو گیا اور با آواز بلند کہنے لگا!

''اے خدا! میں تیرے پیارے کی آن پر آج اپنا سب کچھ لٹا آیا ہوں تو میری اس قربانی کو قبول فرما اور مجھے اپنے اُن انعامات سے نواز دے جن کا تو نے وعدہ کیا ہے۔
آج میں کسی دنیا کے بادشاہ کے سامنے پیش نہیں ہو رہا ہوں۔
بلکہ حاکم کل کائنات کے حضور اپنے عجز کا نذرانہ لے کر آیا ہوں اور اپنے آقا اور تیرے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی ناموس پر اپنی جان کا حقیر نذرانہ قربان کر کے آیا ہوں اور تیرے وعدہ کا منتظر تیری بارگاہ میں حاضر ہوں۔''

زندۂ جاوید:-

لوگ زندۂ جاوید ہونے کی امنگ اور آرزو میں ساری زندگی مر مر کر جیتے اور جی جی کر مرتے ہیں۔ انہیں جینے کا فن تو آجاتا ہے لیکن مرنے کا ڈھنگ نہیں آتا۔ جبکہ

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات واشگاف طریقے سے واضح کر دی کہ مر کر امر ہو جانے کا راز کیا ہے؟ فنا کے گھاٹ اتر کر لافانی بننے کا طریقہ کیا ہے؟ گمنام ہو کر شہرت و دوام پانے کا نسخہ کیا ہے؟ کسی کے نام پر مٹ کر انمٹ ہونے کی رمز کیا ہے؟ جام شہادت کے ذریعے آب حیات پینے کا گُر کیا ہے؟ وفا کے سمندر میں سرخروئی پانے کا ٹوٹکا کیا ہے؟ شہید محبت کیسے کہلایا جا سکتا ہے؟ اور محبت کو امر کیسے بنایا جا سکتا ہے؟

یہ ہے وہ داستان شہید محبت جو رہتی دنیا پر سنہرے حرف سے جگمگاتی رہے گی اور آنے والی نسلوں کو وفاء محبت میں شہید ہونے اور امر بن جانے کا گر بتاتی رہے گی اور دنیا والوں کو بتلاتی رہے گی۔

وسعتے پیدا کن اے صحرا کہ امشب در غمش
لشکر آہ من از دل خیمہ بیرون می زند

باب 15:

راجپال کے قتل کے اصل محرکات

راجپال کی بدنام کتاب ''رنگیلا رسول'' سے پہلے ایک آریہ سماجی لیڈر نے ''ستیارتھ پرکاش'' جیسی بدنام کتاب لکھ کر مسلمانوں کے جذبات میں زبردست ہلچل اور بے سکونی پیدا کی تھی اور اس کتاب کے چودھویں باب میں قرآنی آیات ''نظریۂ توحید'' صحابہ کبار رضی اللہ عنہم اور محسن انسانیت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مضحکہ اڑایا گیا تھا اور اس کام کی جسارت ایک ہندو ''منشی رام'' نے کی تھی جو ایک معمولی پولیس ملازم تھا اور دیگر ہندو بدنیتوں کی شہ پر گیانی بنا تھا۔ جس نے ۱۹۲۳ء میں ''شدھی'' جیسی خطرناک تنظیم کی بنیاد رکھی تھی جو کہ اسلام دشمنی میں پیش پیش تھی اور کوئی ایسا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی تھی جس سے مسلمانوں کی دل آزاری نہ ہو اور انہیں مذہبی نفرت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

توہین رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟

ایسے ہی دور میں راجپال اس تحریک کا سرگرم رہنما بنا اور اس نے بھی ۱۹۲۳ء میں ''رنگیلا رسول'' نامی کتاب چھاپی جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ، اُمہات المؤمنین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی حیات طیبہ کو تضحیک کا نشانہ بنا کر مسلمانوں کے جذبات کو للکارا جس کے نتیجے میں اُس پر مسلمانوں نے توہین رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیس دائر کیا۔ لیکن فرنگی کی عیاری دیکھیے کہ اُس نے بظاہر مسلمانوں پر اپنی ہمدردی کا جال پھینکا لیکن درپردہ اُن کو نقصان پہنچانے کی خاطر ہندوؤں کا ساتھ

دیا اور اندر ہی اندر سے عدالت کو راج پال کے کیس میں نرمی برتنے کا عندیہ بھی دیا۔

ایسے زمانے میں جب عدالت میں کیس کی سماعت جاری تھی تو مسٹر سی، ایچ ڈزنی مجسٹریٹ درجہ اول نے بڑی تندہی سے دونوں جانب کے لوگوں کے بیانات لئے اور کافی طویل اور مسلسل سماعت کے بعد راجپال کو توہین رسالت مآب ﷺ کے مقدمے میں محض چھ ماہ قید بامشقت اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا سنائی اور اس طرح اسے سخت سزا سے محفوظ رکھا۔

راجپال نے کمال ہوشیاری سے اگلے دن اس فیصلہ کے خلاف سیشن کورٹ میں اپیل دائر کر دی جس کی سماعت کرنل ایف بی نکلس نے کی۔ گو اس عدالت نے راجپال کو مجرم قرار دیا لیکن اس کی سزا میں تخفیف کر دی جس پر راجپال نے ہائی کورٹ میں نگرانی کی درخواست دی اور اس اپیل کی سماعت کنور دلیپ سنگھ مسیح کی عدالت میں کی گئی جبکہ ان دنوں میں پنجاب ہائی کورٹ کا چیف جسٹس سر شادی لال تھا اور وہ راجپال سے گہری دوستی رکھتا تھا۔ سر شادی لال نے کنور دلیپ سنگھ مسیح پر زور دیا اور اس طرح راجپال کو باعزت بری کر دیا گیا۔

عدالت کے فیصلے پر احتجاج:۔

کنور دلیپ سنگھ مسیح نے اپنے فیصلے میں بالواضح لکھا کہ

"کتاب کی عبارتیں کیسی ہی ناخوشگوار ہوں لیکن وہ کسی قانون کی خلاف ورزی نہیں کر رہیں۔"

کنور دلیپ کے اس فیصلے نے مسلمانوں میں شدید بے چینی پیدا کر دی اور انہوں نے کنور دلیپ سنگھ مسیح کے خلاف تحریک چلانے کا فیصلہ کیا اور اس کی فوری طور پر برطرفی کا مطالبہ شروع کر دیا۔ انگریزی روزنامہ مسلم کرانیکل نے اس فیصلے کے خلاف ایک تنقیدی مضمون چھاپا جس میں کہا گیا کہ

''جج کنور دلیپ سنگھ مسیح نے قانون کی غلط تشریح کی ہے ورنہ قانون میں اس امر کی واضح اور کافی گنجائش ہے کہ وہ راجپال جیسے دریدہ دہن اور بے غیرت ملیچھ کا محاسبہ کرے کیونکہ اس سے بڑھ کر مذہبی دل آزاری کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی کہ دنیا کا ہر مسلمان اور برصغیر کا بالخصوص ہر مسلمان کبیدہ خاطر ہے اور حبیب کبریا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ناموس پر کٹ مرنے کو تیار ہے۔''

اخبار نے تو یہاں تک انتباہ کر دیا کہ

''اگر عدالت کے اس فیصلے پر نظر ثانی نہ کی گئی تو کوئی مجاہد اس کا سر قلم کر دے گا۔''

مسلم کرانیکل کے اس اداریئے کی اشاعت پر بہت لے دے ہوئی اور اس اخبار پر توہین عدالت کا مقدمہ قائم کر دیا گیا، جس کے تحت اخبار کے چیف ایڈیٹر سیّد دلاور شاہ اور اخبار کے مالک مولوی نور الحق کو دو دو ماہ قید اور ایک ہزار روپے جرمانہ کی سزا سنائی گئی جس کے خلاف بھی احتجاجی جلسے اور جلوس منعقد ہوئے۔

اخبارات نے اپنے اپنے اداریوں میں اور مختلف بیانات کے حوالے سے ایسی ناانصافی پر واویلا مچاتے رہے لیکن فرنگی حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی۔

مولانا محمد علی جوہر کا خطاب:۔

اسی زمانہ میں شاہی مسجد میں ایک بہت بڑا احتجاجی اجتماع ہوا جس میں مولانا محمد علی جوہر نے اس طرح خطاب فرمایا!

''میں کوئی وکیل یا بیرسٹر نہیں ہوں۔ میں نے قانون سے جو کچھ سیکھا ہے وہ بار بار ملزم کی حیثیت سے عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہو کر سیکھا ہے۔ میرا مشورہ یہی ہے کہ فتنے کے آئندہ

اُبھرنے کے سدباب کے لئے اس قانون ہی کو بدلوا ڈالئے اور تعزیراتِ ہند میں ایک مستقل دفعہ بڑھوا کر توہین بانیان مذاہب کو جرم قرار دیجئے۔ اب تک ایسی کوئی مستقل سزا آپ کے ملکی قانون میں نہیں جو رعایا کے فرقوں کی دل آزاری پر دی جا سکے۔ بعض عدالتیں جو سزا دیتی ہیں وہ محض حاکم کی رائے کا درجہ رکھتی ہیں مستقل قانون کا نہیں۔ دفعہ کا مسودہ میں تیار کئے دیتا ہوں۔ اسمبلی کے کوئی ممبر اس میں مناسب لفظی ترمیم کر کے اسے ایوان میں پیش کریں اور منظور کرائیں ہمارے آقا و ہادی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور اُن کے ساتھ تمام دوسرے مذہبوں کی محترم بانیوں کی شخصیتیں بھی بدزبانی اور بے لگام لکھنے والوں کے حملوں سے محفوظ ہو جائیں گی۔ عملی رنگ میں کسی مذہب یا تاریخی حیثیت سے مذہب کے بانی پر تنقید کرنا بالکل دوسری شے ہے۔ اس کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہنا چاہئے لیکن جو کھلی توہین کسی بھی مذہب کے بارے میں ہو آج سے اسے ہندوستان کے قانون میں قطعی جرم قرار دیا جانا چاہئے۔''

اسی طرح کابل کے مشہور اخبار'' امان افغان'' نے بھی ''رنگیلا رسول'' کے عنوان سے ایک نہایت رقت آمیز اداریہ لکھا جس میں گستاخانِ رسالت مآب ﷺ کی سرزنش اور انگریز عمل داری پر شدید تنقید کی گئی۔

وائسرے ہند کی غلط روش:۔

اس کے بعد مسلمانوں نے سرکردہ لوگوں پر مشتمل ایک وفد ترتیب دے کر اس فیصلے کے خلاف گورنر سے مل کر اس کے اصل حقائق سے اسے آگاہ کیا جس پر گورنر

نے وعدہ کیا کہ وہ اس واقعہ کی چھان بین کر کے اصل بات کی تہہ تک پہنچیں گے اور سخت سے سخت کاروائی کریں گے۔ لیکن یہ وعدہ محض وعدہ ہی رہا۔ جس پر مسلمانوں نے گورنر کے رویے کی شکایت ایک تار کے ذریعے وائسرائے ہند سے کی لیکن وائسرائے ہند نے بھی مسلمانوں کے اس تار کو پس پشت ڈالتے ہوئے عدالت کے فیصلے کو درست قرار دیا۔

مہاتما گاندھی کا احتجاج:۔

مہاتما گاندھی نے اس بھڑکتے ہوئے شعلے کو ٹھنڈا کرنے کی خاطر اخبار ''ینگ انڈیا'' میں آریہ سماج کے اس رویے کی شدید مذمت کی اور اُن کے اس رویے کو ملک کے لئے خطرناک قرار دیا۔

مولانا محمد علی جوہر کی تجویز:۔

اخبار ہمدرد میں مولانا محمد علی جوہر نے اس فیصلے کے خلاف اس طرح اداریہ لکھا!

> ''حکومت نے آرڈی نینس کے بل بوتے پر قانون کی تشکیل کا جو اختیار لے رکھا ہے اُس کا ناجائز استعمال تو اکثر ہوتا ہی رہتا ہے حکومت کو چاہئے کہ کم از کم ایک مرتبہ ہی اس کا جائز استعمال کر دکھائے اور معاملات میں مزید خرابی پیدا ہونے سے پہلے فوری طور پر قانونی غلطی کو دور کر دے۔''

احتجاجی جلسہ:۔

عدالت کے اس فیصلے کے خلاف لاہور میں ضلعی خلافت کمیٹی نے ایک احتجاجی جلسے کا اہتمام باغ بیرون دہلی دروازہ بھی کیا جس کے خلاف حکومت نے دفعہ ۱۴۴ لگا دی جس پر جلسہ مزار حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بالمقابل احاطہ

شیخ عبدالرحیم میں ہونا قرار پایا جس کی تفصیلات سابقہ صفحات میں دے دی گئی ہے اور جو آغاز باعث قطعی انجام راجپال ہوا اور اس احتجاج کا نتیجہ راجپال کے قتل کی صورت میں سامنے آیا لیکن ان دنوں فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کی بناء پر ''ورتمان'' کے ایڈیٹر کے خلاف بھی ۱۵۳ الف کے تحت مقدمہ چل رہا تھا۔

ایسے میں اسیرانِ جلسہ عطاء اللہ شاہ بخاری، غازی عبدالرحمان اور مولانا حبیب الرحمان بھی اس مقدمے میں ان لوگوں کے ساتھ ہی ایک عدالت میں پیش ہوئے اور جس کو ہائی کورٹ کے ڈویژن بنچ کے سپرد کیا گیا۔ اس بنچ کے صدر جسٹس براڈوے تھے۔ اس بنچ نے کنور دلیپ سنگھ کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے ذیل کا فیصلہ دیا۔

دفعہ ۱۵۳ (الف):-

یہ دفعہ ایسے لٹریچر پر حادی ہے جو فرقہ وارانہ فساد پھیلائے یا مذہبی دل آزاری کا سبب بنے۔ اس طرح قانون میں گویا نئی دفعہ شامل ہو گئی لیکن ہائی کورٹ نے ایسا کوئی بھی سخت اقدام تجویز نہ کیا بلکہ الٹا ملزم راجپال کو بری قرار دے دیا۔

راجپال کا اعلان:-

ہائی کورٹ سے بری ہونے کے بعد راجپال نے اعلان کیا کہ آئندہ وہ یہ کتاب شائع نہیں کرے گا لیکن اس نے لاہور کی بجائے یہ کتاب بنارس سے کسی اور نام سے شائع کر دی اور اس طرح وہ اپنے مذموم ارادہ سے باز نہ آیا جس نے مسلمانوں کے جذبات پر مزید جلتی پر تیل ڈالنے کا کام کیا اور یہ آگ پہلے سے بھی زیادہ بھڑک اٹھی۔

راجپال کے قتل کا فتویٰ:-

۱۹۲۷ء میں ماہِ ستمبر کے آغاز میں انجمن خدام الدین شیرانوالہ کا ایک اجلاس

مسجد شیر انوالہ گیٹ ہوا جہاں اجلاس کے اختتام پر علمائے کرام نے راجپال کے قتل کا باقاعدہ فتویٰ جاری کیا اور مسلمانوں سے اپیل کی گئی کہ وہ راجپال جیسے ملعون انسان کا خاتمہ کر کے اپنے محب رسول ﷺ ہونے کا ثبوت دیں اور یہی فتویٰ قتل بعد میں محرک قتل راجپال اور انتقامِ ناموس رسالت مآب ﷺ بنا۔

اسی فتویٰ کے تحت پہلے غازی خدا بخش اور بعد میں غازی عبدالعزیز خان نے راجپال پر قاتلانہ حملے کئے لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

ان غازیوں کے ان اقدامات نے مسلمانوں کو ایک ایسی راہ دکھا دی جس کے نتیجے میں آگے چل کر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس ملعون و نامراد مردود کو قتل کر کے شہادت سے اپنے آپ کو ہمکنار کیا اور بارگاہ رسالت مآب ﷺ اور بارگاہ ایزدی میں سرخروئی حاصل کی۔

طالع مند کی گرفتاری اور بعد میں رہائی:۔

دوران تفتیش غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے طالع مند کو پولیس چوکی لوہاری گیٹ نے تفتیش کے لئے چوکی بلایا اور انتہائی غصے کے عالم میں انہیں گرفتار کر لیا لیکن بعد میں معززین شہر کی طرف سے اس بات کا یقین ہو جانے پر کہ طالع مند اور گھر والوں کا اس معاملہ میں کوئی قصور نہیں ہے انہیں رہا کر دیا اور وہ گھر واپس آ گئے۔

عدالت میں پیشی:۔

پولیس کی طرف سے ابتدائی تفتیش مکمل ہونے کے بعد ۱۰ اپریل ۱۹۲۹ء کو صبح دس بجے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف تعزیراتِ ہند دفعہ ۳۰۲ کے تحت مسٹر لوئیس ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کر دیا جہاں پر استغاثہ کی طرف سے ایشر دواس کورٹ ڈی ایس پی بطورِ وکیل کے پیش ہوئے جبکہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے کوئی بھی وکیل پیش نہ ہوا۔ برصغیر پاک و ہند کی عدالتی تاریخ میں

یہ پہلا واقعہ تھا کہ ایک ہی شخص کے قتل کے الزام میں تین ملزم مختلف اوقات میں پکڑے گئے لیکن ان تینوں اشخاص کی جانب سے وکیل صفائی کی نامزدگی نہیں ہوئی اور اُنہوں نے کسی بھی قسم کی صفائی پیش کرنے سے انکار کر دیا۔ عدالت کی جانب سے استغاثہ کے گواہوں کے بیانات سنے گئے اور اُنہیں قلم بند کیا گیا۔

کیدار ناتھ کا بیان:-

سب سے پہلے کیدار ناتھ ملازم راجپال نے ذیل کا بیان دیا!

''میں ۶ اپریل کو تقریباً دو بجے دوکان کے پچھلے کمرے میں کتابیں رکھ رہا تھا۔ راجپال اپنے دفتر میں کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ملزم اندر آیا اور آتے ہی ان کے جگر میں چھرا گھونپا اور چھرا تیزی سے باہر نکال کر پھینک دیا۔ راجپال کے منہ سے ہائے کی آواز نکلی میں نے تیزی سے باہر آ کر ملزم پر کتب پھینکیں لیکن ملزم بھاگ گیا۔ میں نے اور بھگت رام نے باہر نکل کر شور وغل مچایا ملزم بھاگ نکلا۔ ہم نے اس کا تعاقب کیا، ملزم سیتا رام سوداگر چوب کی دوکان میں گھس گیا مگر راستہ نہ پا کر واپس لوٹا جسے مسٹر ودیانند نے پکڑ لیا۔''

ودیانند کا بیان:-

دوسرے گواہ ودیانند ولد سیتا رام نے یہ بیان دیا!

''میری عمر بائیس سال ہے۔ میں اپنے دفتر واقع ہسپتال روڈ میں بیٹھا ہوا تھا کہ بازار کی جانب سے شور اٹھا۔ ملزم ہماری دوکان کے اندر لپکا لیکن راستہ رکا ہوا پا کر واپس لوٹا۔ میں نے ملزم کو پکڑ لیا اتنے میں اور لوگ بھی آ گئے۔ ملزم کہہ رہا تھا! میں نے رسول

اللہ ﷺ کا بدلہ لے لیا۔ راجپال خون میں لت پت پڑے ہوئے تھے۔"

بعدازاں اس گواہ نے ملزم کی عدالت میں شناخت بھی کی۔

بھگت رام کی تصدیق:۔

اب تیسرے گواہ ملازم بھگت رام نے پہلے گواہ کیدار ناتھ کے بیان کی تصدیق کی۔

برکت علی ہیڈ کانسٹیبل کا بیان:۔

اس کے بعد پولیس کی جانب سے برکت علی ہیڈ کانسٹیبل نے اپنا بیان قلم بند کرایا جس کے مطابق!

"میں لوہاری گیٹ پولیس چوکی میں ڈیوٹی دے رہا تھا جب مجھے معلوم ہوا کہ راجپال کو قتل کر دیا گیا۔ میں رحمت خان اور دیگر سپاہیوں کو لے کر راجپال کی دوکان پر پہنچا جہاں میں نے دو آدمیوں کو ملزم کو لاتے دیکھا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ ملزم نے راجپال کو قتل کیا ہے۔ میں نے ملزم کو دو کانسٹیبلوں کے حوالے کیا اور انہیں کہا کہ وہ بلا تاخیر اسے لوہاری دروازہ پولیس چوکی لے جائیں کیونکہ لوگ جمع ہو رہے تھے اور فساد کا اندیشہ تھا۔ تارا چند ہیڈ کانسٹیبل بھی وہاں پہنچ چکا تھا۔ ہم نے دیکھا کہ راجپال اندر مرا پڑا ہے۔ ہم نے خون آلود چھری قبضے میں لے لی اور فہرست مرتب کی اتنے میں سب انسپکٹر آ گیا۔ نعش اپنے قبضہ میں لے لی اور گواہ نے ملزم کو شناخت کیا۔"

دوسرے گواہ تارا چند کانسٹیبل نے اس کے بیان کی تائید کی اور کہا!
''جب میں آیا تو ہیڈ کانسٹیبل جائے وقوعہ پر موجود تھا۔ تھوڑی دیر بعد سب انسپکٹر بھی آ گئے۔''

جلال الدین سب انسپکٹر کا بیان:-

بعدازاں چودھری جلال الدین سب انسپکٹر نے یوں بیان دیا!
''میں تھانہ کچہری میں تعینات ہوں۔ مجھے تھانہ میں بذریعہ ٹیلی فون اطلاع ملی کہ راجپال قتل ہو گیا ہے۔ میں وہاں سے بے تحاشا بھاگتا ہوا آیا۔ جب میں لوہاری دروازہ کے باہر پولیس چوکی میں پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ ملزم کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ ملزم اس وقت شیر محمد کے قبضہ میں تھا میں نے دیکھا کہ ملزم کی قمیض کی داہنی آستین پر خون کے دو نشان تھے اور شلوار کے داہنے حصے پر بھی خون کے نشان تھے۔ ملزم کے دونوں ہاتھ زخمی تھے۔ میں نے فوراً ان اُمور کو پنسل سے قلم بند کر لیا اور جائے وقوعہ کی جانب بھاگا۔ میں نے ہدایت کی کہ ملزم کو اسی حالت میں رکھا جائے وہاں بہت سے آدمی موجود تھے۔ تارا چند برآمدگی مرتب کر رہا تھا۔ میں نے چھری کا خاکہ تیار کیا چھری کا پارسل بنایا۔ اس پر امام دین کانسٹیبل کی مہر لگائی گئی۔ اس کے بعد میں نے کیدار ناتھ کا بیان قلم بند کیا۔ بیان گواہ کو دکھایا گیا جسے گواہ نے درست قرار دیا اور بیان تھانہ میں بھیج دیا۔ گواہ نے نقشہ صورتحال عدالت میں ملاحظہ کرنے کے بعد اُسے درست تسلیم کیا۔ میں نے ہی نعش کو پوسٹ مارٹم کے لئے بھیجا۔ گواہ کو دو چھریاں دکھلائیں گئیں جن کے

بارے میں گواہ نے کہا کہ ملزم نے یہ چھریاں آتما رام دوکان دار گمٹی بازار سے خریدی ہیں اور ملزم کے بیان کے مطابق اس نے خون آلود چھری گمٹی بازار کے ایک کباڑی کی دوکان سے خریدی ہے۔ آتما رام نے مجھے بتایا کہ چھری میں نے ہی فروخت کی تھی۔ اُس نے جو کچھ بیان کیا اور آدمی کا حلیہ بتایا وہ ملزم کے حلیہ سے ملتا تھا۔ اس کے بعد یہ دو چھریاں مذکور نے بطور نمونہ دی تھیں۔ اس کے بعد شناخت کی پریڈ میں دوکاندار نے ملزم کو شناخت کیا تھا۔"

اس کے بعد ہنس راج ہیڈ کانسٹیبل اور اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پنڈت گردھاری لال نے نعش کے طبی معائنہ کے بارے میں شہادت دی۔

آتما رام کا بیان:۔

استغاثہ کی جانب سے آتما رام گواہ نے یہ بیان دیا۔
"میں گمٹی بازار میں کباڑی کی دوکان کرتا ہوں گذشتہ ہفتے کا ذکر ہے کہ ملزم نے جسے عدالت میں شناخت کرتا ہوں، مجھ سے ایک روپے قیمت پر چھری خریدی۔"
اس کے بعد محمد عثمان نقشہ نویس اور جواہر لال انسپکٹر سی آئی ڈی نے شہادت دی۔

تقریر وکیل صفائی:۔

اس وقت تک غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کوئی وکیل موجود نہ تھا اور وہ اکیلے کھڑے ہوئے تھے۔ بارہ بج کر پانچ منٹ پر مسٹر فرخ حسین بیرسٹر کمرہ عدالت میں تشریف لائے اور عدالت کی جانب سے ملزم غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی جانب

لیکچے اور کچھ دیر تک ان سے باتیں کرتے رہے اور پھر عدالت کی جانب رجوع کرتے ہوئے انہوں نے عدالت سے کہا کہ میں ملزم کی جانب سے وکیل ہوں اور استدعا کرتا ہوں کہ مقدمہ نہایت اہم ہے اس لئے ملزم کو صفائی کی تیاری کے لئے موقع فراہم کیا جائے اور یہ بات بے حد ضروری ہے کہ مقدمہ کی سماعت کچھ عرصہ کے لئے ملتوی کر دی جائے۔

اس پر ایشر داس وکیل استغاثہ نے کہا کہ

''اگر ملزم وکیل چاہیں تو انہیں دو گھنٹہ کا وقت برائے مثل معائنہ دیا جا سکتا ہے۔''

فرخ بیرسٹر نے کہا!

''یہ وقت صفائی کی تیاری کے لئے ناکافی ہے اس میں توسیع کی جائے۔''

لیکن عدالت نے اُن کی یہ درخواست نامنظور کر دی۔ اس پر انہوں نے زیر دفعہ ۵۲۶ ضابطہ فوج داری کے تحت درخواست دی کہ میں مقدمہ کے انتقال کی خاطر ہائی کورٹ میں درخواست دینا چاہتا ہوں۔ اس لئے مقدمہ کی کاروائی روک دی جائے۔ جس پر عدالت نے فیصلہ دیتے ہوئے مقدمہ کی سماعت ۱۶ اپریل تک ملتوی کر دی اور ملزم کو جیل بھیج دیا۔

مستانی کیفیت:۔

بعد از اختتام کاروائی جب غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کانسٹیبلوں کی معیت میں اکیلے ہی پولیس کے ہمراہ روانہ ہوئے تو ان کے چہرے پہ ایک عجیب مسکراہٹ بے تابانہ رقصاں تھی اور وہ بالکل ہشاش بشاش نظر آرہے تھے۔ اُس وقت انہوں نے سفید شلوار، سفید دھاری دار کرتہ پہنا ہوا تھا اور سر پر سفید پگڑی باندھ رکھی تھی اور ان کی

چال میں ایک عجیب مستانی کیفیت تھی۔

ابتداء میں مسلمانوں کی جانب سے مقدمہ میں عدم دلچسپی کا اظہار دیکھنے میں آیا۔لیکن جب اگلے روز کے اخبارات میں مقدمہ قتل کی سماعت کے پہلے روز کی مکمل کاروائی چھپی تو مسلمان اچانک بے خوابی کی نیند سے جاگ اٹھے اور اس مقدمہ میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو گئے۔

مولانا ظفر علی خان پر الزام تراشی:۔

اخبار ''روزنامہ خلافت'' نے مولانا ظفر علی خان کی جلوس ارتھی راجپال پر بے نظیر روئیداد کے عنوان سے اداریہ لکھا!

> ''مولانا ظفر علی خان، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور چند دوسرے مسلمان بھی ننگے پاؤں سوگوار شکل میں ارتھی کے جلوس کے ساتھ شامل تھے اور گل باری فرما رہے تھے۔''

اس خبر نے مسلمانوں کو بے حد چونکا دیا اور ہزاروں مسلمان انتہائی غیظ و غضب کے عالم میں زمیندار اخبار کے دفتر میں پہنچے اور انتہائی غضب کے عالم میں اس رپورٹ کے بارے میں باز پرس کی اور وضاحت مانگی۔

اس کے جواب میں مولانا ظفر علی خان کی جانب سے اخبار زمیندار میں ''جھوٹوں پر خدا کی لعنت'' کے عنوان سے وضاحت شائع ہوئی اور جس میں اس بات کی سختی سے تردید کی گئی اور یہ کہ مولانا ظفر علی خان نے ارتھی کے جلوس میں قطعاً شرکت نہیں کی اور نہ ہی مولانا حبیب الرحمان اس میں شامل ہوئے ہیں، کیونکہ وہ اس روز لدھیانہ میں تھے۔ ارتھی کے جلوس میں کسی بھی مسلمان نے شرکت نہیں کی ہے بلکہ یہ سراسر ہندوؤں پر ہی مشتمل تھا۔

اس کے علاوہ اخبار زمیندار نے عدالت میں گواہان استغاثہ کے بیانات اور

عدالت کی کاروائی بھی من وعن شائع کر دی تا کہ لوگوں کے علم میں مکمل اور درست حقائق لائے جا سکیں۔

عدالت کی اس تیز رفتار کاروائی کے شائع ہونے پر مسلمانوں کے کان کھڑے ہوئے اور وہ پس پشت افرنگ و ہنود کے گٹھ جوڑ اور شاطرانہ سیاست کی موجودگی سے آگاہ ہو کر انگشت بدنداں رہ گئے۔

احتجاجی جلسہ:۔

اخبار زمیندار کی طرف سے مکمل صورتحال کی وضاحت چھپنے پر باغ بیرون موچی دروازہ میں ایک احتجاجی جلسے کا اعلان شہر بھر میں کر دیا گیا۔ وقت مقررہ پر جلسہ شروع ہوا۔ ابھی ایک دو مقرر ہی تقریر کر پائے تھے کہ پولیس کی بھاری نفری ضلع مجسٹریٹ اور ڈپٹی کمشنر سمیت آ گئی۔ ڈپٹی کمشنر نے مسلمان لیڈروں سے اپیل کی اور کہا!

''خدارا جلسے جلوسوں کا سلسلہ بند کر دیں چونکہ مقدمہ عدالت میں زیر سماعت ہے اور جلسے جلوسوں سے شہر کی فضا میں بدامنی پھیل رہی ہے اور امن وامان قائم رکھنا بے حد مشکل ہو گیا ہے۔''

اس اپیل کے جواب میں مسلمان رہنماؤں نے اخبارات میں چھپنے والی بے بنیاد خبروں کی طرف ڈپٹی کمشنر کی توجہ دلائی جس پر ڈپٹی کمشنر نے اس معاملے پر تحقیقات کرانے کا وعدہ کر کے جلسے کی کاروائی ملتوی کروا دی اور لوگ پرامن طریقے سے منتشر ہو گیا۔

طالع مند کی تگ و دو:۔

طالع مند نے عدالتی کاروائی کے بارے میں جب دیکھا کہ کاروائی انتہائی تیز رفتاری سے ہو رہی ہے اور اس میں انصاف کے تقاضے مدنظر نہیں رکھے جا رہے تو انہیں بے حد پریشانی ہوئی۔

انہوں نے ایک اچھا وکیل کرنے کی بہت تگ و دو کی جو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے پیش ہو سکے لیکن وہ ایسا نہ کر سکے اور انہیں مجبوراً فرخ حسین ایڈووکیٹ کو مبلغ چار صد روپے ادا کر کے وکیل مقرر کرنا پڑا تھا۔

جب اگلے دن مسلمان اپنی غفلت میں جاگے تو پھر میدان میں قابل وکلاء بھی نظر آنے لگے۔

میں گونجتا ہی رہا جسم کے بیاباں میں
وہ نغمہ ہوں کہ جسے پیکر صدا نہ ملا

عدالت میں دوبارہ پیشی:-

۱۶ اپریل ۱۹۲۹ء کو مسٹر لوئس ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف تعزیرات ہند دفعہ ۳۰۲ کے تحت مقدمہ کی سماعت دوبارہ شروع کی۔ اس روز حفظ ماتقدم میں عدالت کے باہر پولیس کا زبردست پہرا لگایا گیا تھا اور کمرۂ عدالت میں بھی دو مسلح کانسٹیبل بندوقیں لئے پہرہ دے رہے تھے۔

عدالت کی کاروائی شروع ہوئی تو دو کانسٹیبلوں کی حراست میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو کمرہ عدالت میں لایا گیا۔ کمرہ عدالت میں تماشائیوں کی گیلری میں پچاس کے لگ بھگ لوگ مقدمہ کی سماعت کے لئے بیٹھے تھے۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کمرۂ عدالت میں ایک علیحدہ جگہ پر خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور کسی اندرونی کیفیت میں ڈوبے ہوئے ان کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے۔

استغاثہ کی طرف سے مہتہ اشیرداس اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے خواجہ فیروز الدین بیرسٹر اور ڈاکٹر اے آر خالد موجود تھے۔

سب سے پہلے خواجہ فیروز صاحب نے عدالت میں درخواست گزاری کہ اس مقدمہ میں وکیل صفائی کے فرائض انجام دیں گے۔ اس سے پیشتر چونکہ فرخ حسین بیرسٹر پیش ہوئے تھے اور التوائے مقدمہ کی درخواست کی تھی۔ وہ درخواست واپس لی

جاتی ہے اور اسی عدالت میں ہی مقدمہ کی سماعت کی اجازت میرا موکل دیتا ہے۔

اس کے بعد خواجہ صاحب کی درخواست پر مجسٹریٹ نے انہیں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ قدرے وقت کے لئے گفتگو کی اجازت دے دی اور بعدازاں عدالت کی کاروائی شروع ہوئی۔

سب سے پہلے جواہر لال انسپکٹر کی شہادت پر جرح کی اجازت عدالت نے دی لیکن خواجہ صاحب نے کہا!

''فی الحال کسی گواہ پر جرح کی وہ ضرورت محسوس نہیں کرتے۔''

دیوان وزیر چند کا بیان:-

استغاثہ کی طرف سے دوسرے گواہ دیوان وزیر چند کو پیش کیا گیا جو کہ گوجرانوالہ سے تعلق رکھتے تھے، اس نے درج ذیل بیان دیا!

''میں دو بجے کے قریب دفتر اخبار گورو گھنٹال میں لالہ شام لال کپور ایڈیٹر و مالک اخبار مذکور کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھا۔ اخبار گورو گھنٹال کا دفتر راج پال کی دوکان کے عین اوپر واقع ہے۔ اتنے میں بازار میں سے پکڑو، پکڑو، مار گیا، مار گیا کا شور بلند ہوا۔

مجھے یہ محسوس ہوا کہ بازار میں کوئی شے گری ہے۔ میں نے جلدی سے اٹھ کر نیچے بازار میں جھانکا تو معلوم ہوا کہ چند کتابیں بازار میں گری پڑی ہیں اور ایک لڑکا بھاگا جا رہا تھا۔ میں نے اس کے پیچھے بھاگنے والوں کو کہا کہ اسے پکڑو۔ پھر میں خود بھی نیچے اتر کر بھاگا جب میں موڑ کے قریب پہنچا تو ایک ننگے سر والا ملزم کو پکڑ کر لا رہا تھا۔''

اس کے بعد گواہ نے ملزم کو عدالت میں شناخت کیا اور پھر کہا!

''میرے پوچھنے پر ملزم نے کہا تھا کہ میں نے کچھ نہیں چرایا مسلمانوں نے رسول اللہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا بدلہ لیا ہے۔
ہم ملزم کو راجپال کی دوکان پر لے آئے۔ وہاں معلوم ہوا کہ ملزم نے راجپال کو قتل کر دیا ہے اور چھرا وہیں چھوڑ دیا ہے۔ میں نے لوہاری دروازہ پولیس کو اطلاع دی۔''

ملک راج مجسٹریٹ کا بیان:۔

اس بیان کے بعد جرح محفوظ کر لی گئی اور اگلے گواہ ملک راج مجسٹریٹ درجہ اول کو طلب کیا گیا جس نے اپنے بیان میں کہا!

''میں نے ۹ اپریل ۱۹۲۹ء کو پولیس لائن میں شناخت پریڈ کرائی تھی جس میں ملزم علم الدین کی شناخت کروائی گئی۔ میں نے اس کا میمورنڈم بنایا تھا اور پھر جب انہیں میمورنڈم دکھایا گیا تو انہوں نے اس پر ثبت اپنے دستخطوں کی تصدیق کی اور کہا کہ میں نے اس معاملے میں پوری احتیاط کو ملحوظ رکھا ہے۔ گواہ تھانہ کے ذریعے بلایا گیا تھا۔ گواہ کے لئے ملزم کو پہلے دیکھنے کا کوئی موقع نہ تھا اس پر بھی جرح محفوظ کر لی گئی۔''

کانسٹیبل شیر محمد کا بیان:۔

اس کے بعد اگلے گواہ کانسٹیبل شیر محمد نے اپنا بیان ریکارڈ کروایا۔ اس کے بیان کے مطابق!

''میں نے ملزم کے پارچہ جات اور چھرے کے سربمہر پارسل کیمیکل ایگزامینر کے دفتر میں لے کر گیا تھا۔ جبکہ اس کے ساتھی

کانسٹیبل غلام نبی نے اپنے بیان میں کہا کہ میں سول سرجن کے دفتر سے چار سربمہر شیشیاں کیمیکل ایگزامینر کے دفتر میں لے کر گیا تھا۔"

خوش حال چند کا بیان:۔

اس کے بعد اگلا گواہ خوش حال چند پیش ہوا اس نے اپنے بیان میں کہا!

"میں قلعہ گوجر سنگھ میں دوکان کرتا ہوں۔ لالہ جواہر لال انسپکٹر پولیس نے ملزم کی قمیض اور شلوار میرے روبرو اتروائی تھی، قمیض اور شلوار پر خون کے نشانات موجود تھے۔ لالہ جواہر لال نے کپڑوں کا پارسل بنا کر مہریں لگائیں۔ خون آلود حصہ کاٹ لیا گیا تھا۔ ایک فرد بھی بنائی گئی جس پر میں نے دستخط کیے۔ گواہ نے فرد دیکھ کر اپنے دستخطوں کی شناخت کی وکیل صفائی خواجہ فیروز صاحب نے گواہ پر جرح بالکل نہ کی۔"

ڈاکٹر ڈارسن کا بیان:۔

اس کے بعد اگلے گواہ میو ہسپتال کے ڈاکٹر ڈارسن پیش ہوئے۔ انہوں نے اپنے بیان میں کہا!

"میں نے راجپال کی نعش کا پوسٹ مارٹم کیا تھا اور یہ کام ۶ اپریل ۱۹۲۹ء کو کیا گیا تھا۔ نعش کی شناخت ڈاکٹر گردھاری لال نے کی جو مقتول کا پہلے سے واقف کار تھا۔ مقتول کی انگلیوں، سر، چھاتی اور پٹھوں پر زخم تھے اور کلیجہ کافی مجروح تھا۔ کلیجہ کے قریب کی پسلی ٹوٹی ہوئی تھی۔ چھاتی کے بائیں طرف کا زخم ڈیڑھ انچ لمبا اور چار انچ چوڑا تھا، اس کی گہرائی ساڑھے سات انچ کے قریب

تھی اور پسلی کٹ گئی تھی، جبکہ بائیں پٹھے پر شدید زخم تھا۔ اُن کے خیال میں موت اس ضرب کی وجہ سے ہوئی جو کلیجہ پر لگی اور ایسی ضرب کسی تیز نوک دار ہتھیار سے ہی لگ سکتی ہے۔ دوسرے روز ایک چھرا میرے پاس بھیجا گیا جس سے ایسی ضربات لگ سکتی ہیں۔''

گواہ کو چند چاقو دکھائے گئے تو اُس نے کہا!

''ان سے ایسی ضربات لگ سکتی ہیں جس آلہ سے یہ ضربیں لگائی گئیں وہ آلہ ایسا ہی تھا جو میرے روبرو سات اپریل کو پیش کیا گیا تھا، میں نے پارسل کو کھولا تھا اور چاقو کے معائنہ کے بعد پھر بند کر دیا۔ میں نے یہ معائنہ سوا بارہ بجے کیا تھا۔ ملزم کے دائیں ہاتھ کی انگلی پر دو خراشیں تھیں اور بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر بھی زخم تھا۔ یہ ضربیں چوبیس گھنٹے اندر کی لگی ہوئی تھیں۔ میں نے ملزم کو سرٹیفکیٹ دیا کہ وہ صحیح ہے۔ یہ ضربات بالکل ہلکی سی تھیں اور تیز دھار آلہ سے لگی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔''

وکیل صفائی فیروز نے کوئی جرح نہ کی اور عدالت میں ذیل کے مضمون پر مشتمل ایک درخواست پیش کی!

''عدالت ہذا اس امر کے لئے مجبور نہیں ہے کہ سیشن میں گواہوں کی جو فہرست بھیجے اس میں ڈاکٹر کا نام بھی درج کرے چونکہ سماعت لاہور میں ہے اس لئے کچھ حرج نہیں ہے اور خصوصاً مسٹر ٹیپ سیشن جج ڈاکٹر کی طلبی کی اجازت دے دیا کرتے تھے اس لئے عدالت ڈاکٹر کو بھی پابند کر دے۔''

اس پر عدالت نے جواباً لکھا کہ اس درخواست کی سماعت کے لئے اسے

عدالت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس پر خواجہ فیروز نے کہا کہ میں عدالت میں درخواست پیش تو کروں گا لیکن اس وقت کہیں یہ سوال پیدا نہ ہو کہ میں نے ماتحت عدالت میں یہ درخواست پیش نہیں کی۔ آپ کیلنڈر میں ڈاکٹر کا نام نہ لکھیں۔ البتہ جب عدالت سیشن سے تاریخ پیشی کی اطلاع آئے تو دوسرے گواہوں کے علاوہ ڈاکٹر کو بھی اطلاع دے دیں کہ اس مقدمہ کے لئے فلاں تاریخ مقرر ہوئی ہے۔ اگر سیشن مناسب سمجھے تو انہیں طلب کرے جس پر عدالت نے یہ درخواست منظور کر لی۔ بعد ازاں وکیل صفائی نے درخواست پیش کی کہ ہمیں ملزم کو کپڑے پہنانے کی اجازت دی جائے۔ اس پر عدالت نے وہیں کپڑے پہنانے کی اجازت دے دی۔

چونکہ عدالت میں اس وقت لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا تھا اس لئے کمرہ عدالت سے لوگوں کو باہر چلے جانے کا حکم دیا گیا لیکن فوراً ہی کچھ دیر بعد یہ حکم واپس لے کر یہ حکم دیا گیا کہ ملزم کو جیل میں کپڑے بدلوائیں جائیں۔

تھوڑی دیر کی کاروائی کے بعد مقدمہ کو ۲۴ اپریل ۱۹۲۹ء تک ملتوی کر دیا گیا اور چھرے کو ماہرین کے معائنہ کے لئے کلکتہ بھیج دیا گیا۔

مقدمہ کی دستاویزات

قیدی نمبر 1:

نام علم الدین ولد طالع مند عمر ۱۸ سال۔ ذات ترکھان، سکنہ محلہ سریانوالہ لاہور پیشہ ترکھان۔

میں نے مجسٹریٹ کے روبرو اپنے بیان کو سن لیا ہے، یہ درست ہے۔

سوال: کیا تم نے مزید کچھ اور کہنا ہے؟

جواب: جب مجھے پکڑا گیا اس وقت مجھے بہت مارا پیٹا گیا تھا اور جب مجھے پولیس لائن پہنچایا گیا تو وہاں بھی مجھ پر سخت تشدد کیا گیا۔ کوئی بھی شخص میری بات سننے کو تیار نہیں تھا۔

مجھے شناخت پریڈ سے پہلے پگڑی اور جوتے کا جوڑا دیا گیا۔ میں نے ان کو پہن لیا لیکن انسپکٹر جواہر لال نے مجھے انہیں اتارنے کو کہا میں نے ایسا ہی کیا جب مجسٹریٹ آیا تو مجھے دوسرے افراد کے ساتھ پریڈ میں شامل کیا گیا۔
پریڈ میں شامل میرا نمبر دوسرا تھا اور میرے ساتھ ایک بوڑھا آدمی تھا اُس نے اپنا ہاتھ میرے اوپر رکھ دیا۔
اسی روز صبح ۹ بجے جب میں حوالات میں کھانا کھا رہا تھا تو انسپکٹر جواہر لال گواہ آتما رام کے ساتھ وہاں آیا تھا۔ انسپکٹر نے مجھے پینے کے لئے سگریٹ پیش کیا جو میں نے پی لیا۔
شناخت کے وقت میں نے فقط پگڑی پہنی ہوئی تھی۔ جبکہ پریڈ میں شامل دوسرے افراد نے پگڑیاں نہیں پہنی ہوئی تھیں۔ دوسروں نے جوتے پہنے ہوئے تھے جبکہ میں ننگے پاؤں تھا۔
جب پولیس لائن میں ڈاکٹر میرا معائنہ کر رہا تھا تو اس وقت انسپکٹر جواہر لال نے مجھے دھمکی دیتے ہوئے کہا تھا کہ میں اپنی دائیں کہنی اور بائیں گھٹنے پر جو زخم ہیں ڈاکٹر کو نہ دکھاؤں۔
مجھے یہ دھمکی دی گئی تھی کہ اگر میں نے یہ زخم ڈاکٹر کو دکھائے تو بعد میں سخت تشدد کیا جائے گا۔ جب مجھے پکڑا گیا تو ہندوؤں نے بہت مارا تھا اور مجھے ایک ترازو کے کنڈے کی طرف دھکیلا گیا جس کی نوک سے میری کہنی اور گھٹنے میں کیل لگنے سے زخم آ گئے تھے۔ پولیس نے مجھ پر تشدد کیا اور بُری طرح پیش آئی، اس کے علاوہ مجھے کچھ اور نہیں کہنا ہے۔

سوال: تمہاری کہنی اور گھٹنے پر جو زخم آئے تھے کیا اس میں سے خون بہا تھا؟

جواب: جی ہاں!

سوال: جب تم کو ہندوؤں نے پکڑا تو کیا تم نے قمیض شلوار پہن رکھی تھی؟

جواب: میں نے قمیض پہن رکھی تھی۔ شلوار نہیں پہنی ہوئی تھی۔ میں نے دوسری پتلون پہنی ہوئی تھی جو پھٹ گئی تھی۔

سوال: کیا تم نے اپنے دفاع میں کوئی گواہ عدالت میں پیش کرنا ہے؟

جواب: نہیں۔

جب ملزم کو بیان پڑھ کر سنایا گیا تو اس میں اضافہ کیا۔

''جب مجسٹریٹ شناخت پریڈ کے لئے آیا تو میں نے اُس سے شکایت کی لیکن کسی نے بھی میری بات کو نہیں سنا۔''

۱۶-۵-۱۹۲۹

سیشن جج لاہور

۱۶-۵-۱۹۲۹

فیصلہ تاریخ: ۲۲ مئی ۱۹۲۹ء

بیان حلفی کے بغیر ملزم کا بیان:-

علم الدین ولد طالع مند ذات ترکھان عمر ۱۸ سال سکنہ محلہ سریانوالہ لاہور

سوال 1: کیا تم نے مورخہ ۶ اپریل ۱۹۲۹ء کو بوقت دو بجے دوپہر مقتول راجپال پر قتل کرنے کی نیت سے عدالت میں موجود چاقو سے حملہ کیا تھا اور کیا تم نے مقتول کی چھاتی میں ایک گہرا زخم لگایا تھا جو اس کی موت کا سبب بنا؟

جواب: نہیں۔

سوال 2: کیا تمہارا جائے وقوع سے فرار کے بعد تعاقب کیا گیا تھا اور تم کو واردات کے فوراً بعد ودیا رتن کے ٹال سے گرفتار کیا گیا تھا؟

جواب: میں سبزی منڈی کی طرف سے آ رہا تھا اور لکڑی کے ٹال کے نزدیک مجھے بغیر وجہ کے پکڑا گیا۔

سوال 3: کیا تم نے گرفتار کرنے والوں سے یہ نہیں کہا تھا کہ تم کوئی چور نہیں ہو اور تم نے راجپال کو اس لیے قتل کیا تھا کہ اس نے تمہارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں جو کچھ کہا تھا؟

جواب: نہیں! میں نے صرف یہ کہا تھا کہ میں چور نہیں۔

سوال 4: کیا یہ شلوار اور قمیض جو قتل کے بعد تمہارے جسم سے اتروائی گئی تمہاری نہیں ہے۔

جواب: یہ قمیض میری ہے اور میرے جسم سے اتروائی گئی تھی لیکن یہ شلوار میری نہیں ہے اور نہ ہی مجھ سے لی گئی۔

سوال 5: کیا تم نے قتل والے دن یہ چاقو آتما رام (گواہ نمبر ۱۲) کی دوکان سے خریدا تھا؟

جواب: نہیں۔

سوال 6: تمہارے خلاف یہ مقدمہ کیوں درج کیا گیا؟

جواب: میں بے گناہ ہوں اور میں نہیں سمجھ سکتا ہوں کہ مجھے اس جرم کے تحت کیوں گرفتار کیا گیا ہے؟

سوال 7: کیا تم نے کچھ اور کہنا ہے؟

جواب: کچھ نہیں۔

اے ڈی ایم لاہور

۲۴-۴-۱۹۲۹

آتما رام کا دوبارہ بیان:-

میں پریڈ میں شریک کسی بھی شخص کو پہلے سے نہیں جانتا۔

جرح:-

وکیل گواہ سے کچھ دوسرے اہم نکات کی روشنی میں جرح کرنا چاہتا ہے لہٰذا

میں صرف مذکورہ سوال کی روشنی میں سوال کرنے کی اجازت دوں گا۔

اس گواہ کو دوسری بار بلانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ لالہ ملکھ راج مجسٹریٹ کے بیان کی تصدیق کرنی ہے۔ آیا گواہ پہلے سے ان چھ افراد میں سے کسی ایک کو جانتا تھا یا نہیں۔ لہٰذا وکیل کو صرف یہ جان لینا چاہیے کہ گواہ کمرۂ عدالت میں موجود تھا جبکہ مجسٹریٹ اپنی گواہی دے رہا تھا۔

سیشن جج

۲۹-۵-۱۵

کراؤن بنام غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ

گواہ نمبر۲:

کیدارناتھ ولد پنڈت براج لال عمر ۲۲ سال۔ ذات برہمن۔ سکنہ لاہور۔ مقتول راجپال کا ملازم۔

شہادت بیان حلفی اور گواہی۔

میں نے مقتول کی تین سال ملازمت کی ہے۔ میں اس کی کتابوں کی دکان واقع ہسپتال روڈ پر بطور کلرک ملازم تھا۔ مقتول اپنی دوکان کے سامنے مکان میں رہتا تھا۔ اس کی دکان میں چار آدمی کام کرتے تھے۔ جن کے نام اس کا بھائی سنت رام، بھگت رام، امرناتھ اور میں تھا۔ ۶ اپریل ۱۹۲۹ء کو دو بجے دوپہر میں اندرونی برآمدے میں بیٹھا کام کر رہا تھا۔ جبکہ مقتول باہر والے برآمدے میں بیٹھا ہوا اپنی گدی پر کام کر رہا تھا۔

بیرونی برآمدے کے دو دروازے ہیں اور اُس وقت دونوں دروازے کھلے ہوئے تھے۔ میں کتابوں کے پارسل پر پتے لکھ رہا تھا جن کو بذریعہ ڈاک بھیجنا تھا۔ جبکہ مقتول خط لکھ رہا تھا۔ میرا منہ باہر کی طرف تھا۔ میں نے ایک آدمی کو اندر آتے دیکھا جس نے مقتول کو چاقو سے دو یا تین ضربات لگائیں۔ مقتول اور میں نے شور بلند

کیا۔ میں نے مقتول کے سینے پر ایک وار کرتے ہوئے دیکھا۔ میں کھڑا ہو گیا اور چند کتابیں اٹھا کر قاتل پر پھینکیں۔

میرے، مقتول اور حملہ آور کے درمیان تین یا چار فٹ کا فاصلہ تھا۔ حملہ آور نے جس چاقو سے حملہ کیا تھا۔ اُس کو اندر پھینکا اور دکان سے باہر سڑک پر دوڑ گیا۔ میں اس کے پیچھے دوڑا۔ حملہ آور ہسپتال کی طرف جانے والی سڑک پر دوڑا۔

بھگت رام بھی اسی برآمدے میں بیٹھا ہوا تھا جس میں مقتول بیٹھا ہوا تھا۔ وہ وہاں کام کر رہا تھا۔ اس نے بھی میرے ساتھ حملہ آور کا تعاقب کیا۔ مقتول کی کتابوں کی دکان کے آگے نانک چند کپور کی دکان ہے اور دوسری طرف پرمانند پیپر کی دکان ہے۔ نانک چند اور پرمانند نے جب ہماری چیخ و پکار کو سنا تو وہ بھی ہمارے ساتھ حملہ آور کے تعاقب میں شریک ہو گئے۔ میں حملہ آور کے تعاقب میں برابر شور مچا رہا تھا۔ پرمانند حملہ آور کے بالکل پیچھے تھا تا کہ وہ اس کو پکڑ لے۔ حملہ آور سیتا رام کے تیل کے ڈپو میں داخل ہو گیا۔ ہمارے اور اس کے درمیان ایک یا دو قدم کا فاصلہ تھا۔

سیتا رام مر گیا ہے اور اب اس کا کاروبار اس کا بیٹا ودیا رتن کر رہا ہے۔ ودیا رتن نے جب شور سنا تو وہ اپنے دفتر سے باہر آ گیا۔ ودیا رتن نے حملہ آور کو روکا اور پھر اس کو پکڑ لیا۔ وہ شخص جس کو ہم نے پکڑا وہ ملزم عدالت میں موجود ہے۔ ہم اس کو مقتول کی دوکان پر واپس لائے۔ جب ہم نے ملزم کو پکڑا تو اس نے کہا میں چور یا ڈاکو نہیں ہوں بلکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کا بدلہ لیا ہے۔ ہمارے پہنچنے کے چند منٹ بعد وہاں پولیس افسران آ گئے اور ہم نے ملزم ان کے حوالہ کر دیا۔

وہ تخت پوش جس پر مقتول بیٹھا ہوا تھا وہاں پر ایک چھوٹا سا ڈیسک اور کیش بکس رکھا ہوا تھا۔ وہ ہتھیار جو ملزم نے استعمال کیا تھا وہ کیش بکس پر پڑا ہوا تھا۔ اُس پر خون لگا ہوا تھا۔ پولیس نے چاقو وہاں سے اٹھا لیا۔ میں نے عدالت میں تین چاقو دیکھے تھے اور ان میں قتل میں استعمال ہونے والے چاقو کو پہچان لیا تھا۔ اس وقت اس

کی نوک ٹوٹ گئی تھی اور میں نے اسی سے اس کو پہچانا ہے۔

مقتول اپنے تخت پوش کی گدی پر آخری سانس لے رہا تھا۔ پولیس افسران اس کو لاک اپ لے گئے اور ان کے فوری بعد انسپکٹر جواہر لال آ گیا۔ انسپکٹر نے میرا بیان لیا اور یہی بیان ایف آئی آر تصور کیا گیا۔ میں نے اپنے بیان کو سنا اور اس کو ایف آئی آر قرار دیا۔ یہ درست ہے کہ اس پر میرے دستخط بھی ہیں۔ چاقو کی بازیابی کی فہرست میرے سامنے پولیس افسر نے بنائی اور اس پر میرے دستخط لئے گئے۔ میں ان کاغذات پر اپنے دستخط کو پہچانتا ہوں۔

میں مقتول کے پاجامے، قمیض، کوٹ اور بنیان کو بھی پہچانتا ہوں جو اس نے اس وقت پہن رکھے تھے۔ مقتول کی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے ہسپتال لے جایا گیا۔ مقتول پر پہلے بھی دو قاتلانہ حملے پمفلٹ لکھنے کی وجہ سے ہو چکے تھے جس کے نتیجے میں پولیس گارڈ اس کی حفاظت کے لئے لگا دی گئی تھی۔ مقتول ۲۸ مارچ کو ہردوار گیا جس کی وجہ سے پولیس گارد ہٹالی گئی تھی کیونکہ مقتول نے کہا تھا کہ وہ واپسی پر دوبارہ گارڈ طلب کر لے گا۔ وہ ۴ اپریل کو واپس آیا اور گارڈ کے لئے کہا مگر وقوع کے روز تک پولیس گارڈ نہ آئی۔ ملزم میری نظروں سے اوجھل نہیں ہوا حتیٰ کہ ہم نے اس کو ودیا رتن کے ٹال سے پکڑ لیا۔

جرح:۔

اندرونی اور بیرونی برآمدے کے درمیان دو دروازے ہیں جو بیرونی برآمدے میں ہیں۔ وہ دونوں برآمدے جن کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے وہ حقیقت میں کمرے ہیں۔ میں جس کمرے میں بیٹھا ہوا تھا وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ جس کمرے میں مقتول بیٹھا ہوا تھا اُس میں بھگت رام کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ دونوں دروازے جو اندرونی برآمدے یا کمرے کی طرف جاتے ہیں کھلے ہوئے تھے۔ میں دروازے سے

تین فٹ کے فاصلہ پر تھا۔ میں جہاں بیٹھا ہوا تھا وہاں سے مقتول کو دیکھ سکتا تھا لیکن بھگت رام کو نہیں۔ جہاں میں بیٹھا ہوا تھا وہاں سے صرف ایک باہر کے کمرے کے دروازے کو دیکھ سکتا تھا اور کسی کو نہیں۔

دکان کے سامنے تھڑا ہے۔ میں نے ملزم کو پہلی مرتبہ اس وقت دیکھا جب اس نے اس تھڑے پر قدم رکھا۔ یہ تھڑا دو فٹ چوڑا ہے۔ یہ لکڑی کا ہے جس پر میں نے ملزم کے قدموں کی آواز کو سنا۔ میں نے نظر اوپر اٹھائی اور اس کو دیکھا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ملزم نے چاقو کس طرح پکڑا ہوا تھا۔ میں نے اس کے ہاتھ میں چاقو دیکھا تھا۔ ملزم نے اس قدر تیزی سے مقتول پر حملہ کیا کہ پتہ ہی نہ چل سکا کہ وہ کیا کرنے والا ہے۔ اتنا وقت ہی نہیں تھا کہ مقتول کی مدد کی جاتی یا مدد حاصل کی جاتی۔ میں نے ملزم کو مقتول کے سینے یا چھاتی پر دو یا تین وار کرتے ہوئے دیکھا، اس کے علاوہ میں نے کوئی ضربات لگاتے نہیں دیکھا۔ مقتول نے اپنے بچاؤ کے لئے ہاتھ اوپر اٹھائے جب ملزم نے چاقو نیچے پھینک دیا پھر میں نے اس پر کتابیں پھینکیں۔

جب ملزم مقتول پر حملہ کر رہا تھا میں چلایا کہ مہاشے جی کو مار رہا ہے۔ ملزم نے چاقو کیش بکس پر رکھ دیا۔ یہ کافی بڑا ہے کمرے کے فرش پر ڈیوڑھی ہے۔ جہاں میں کام کر رہا تھا وہاں سے کچھ کتابیں اٹھائیں میں اور ملزم کبھی بھی برآمدے یا باہر کے کمرے میں اکٹھے نہیں ہوئے تھے۔ جب میں ملزم کے تعاقب میں بھاگ رہا تھا تو میں متواتر چلا رہا تھا کہ مہاشے جی کو مار کر بھاگ گیا ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ اس کے علاوہ اور کچھ میں نے کہا۔

پرمانند ہم چاروں تعاقب کرنے والوں میں سب سے آگے تھا۔ میں سب سے آگے تھا مگر پرمانند میرے آگے ہو گیا، جب ملزم ٹال میں داخل ہو گیا تو اس وقت ملزم میرے سے دو قدم آگے تھا۔ پرمانند ٹال کے پچھلے دروازے سے داخل ہوا تھا۔ میں ملزم کے اس قدر قریب تھا کہ میں اس کو چھو سکتا تھا۔ جہاں پر ہم نے اس کا تعاقب کیا

ہے وہاں ایک سڑک ہے جو برہمو سماج مندر کو جاتی ہے۔ یہ سڑک ایک دوسری سڑک سے جا کر ملتی ہے۔ یہ سڑک ۱۰۰ یا ۱۵۰ قدم ہی ہوگی۔ یہ شارع عام ہے۔ اس وقت ہسپتال روڈ یا وہ سڑک جو برہمو مندر کی طرف جاتی ہے اس پر زیادہ ٹریفک نہیں تھی۔

جب میں ملزم کے پیچھے بھاگا تو میں نے مقتول کو گرتے ہوئے دیکھا۔ جب میں ملزم کے ساتھ واپس دوکان پر آیا تو مقتول گرا ہوا تھا۔ میں نے مقتول کی آواز ''ہائے'' صرف ایک دفعہ سنی اس سے زیادہ میں نے اس کی آواز کو نہیں سنا۔ ملزم نے ان الفاظ کو دوبارہ دہرایا جن کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ جب ہم اس کو مقتول کی دکان پر لے کر آئے۔ ملزم نے ان الفاظ کو کئی دفعہ استعمال کیا مگر خصوصا دو جگہوں پر ایک دفعہ اس وقت جب ہم نے اس کو پکڑا اور دوسری دفعہ اس وقت جب ہم اس کو مقتول کی دوکان پر لائے۔

ملزم نے کسی سوال کے جواب میں یہ نہیں کہا تھا۔ ملزم نے کھڑے ہوئے لوگوں کو یہ بھی نہیں بتایا کہ وہ کیوں دوڑ گیا تھا۔ ملزم کو ٹال کے دروازے سے تین یا چار فٹ کے فاصلہ سے پکڑا گیا تھا۔ اس ٹال کے گیٹ ہیں لیکن یہ اس وقت کھلے ہوئے تھے۔ جہاں سے ملزم کو پکڑا گیا تھا۔ اس کو ہم سڑک پر سے دیکھ سکتے ہیں۔ پولیس نے مجھ سے نہیں پوچھا تھا کہ آیا ملزم نے کچھ کہا تھا۔ میں نے اس کا ذکر نہیں کیا جو ملزم نے گرفتاری کے وقت کہا تھا۔ پولیس نے مجھ سے نہیں پوچھا تھا میں نے جو ضروری سمجھا وہ بتا دیا۔ میں نے مجسٹریٹ کے سامنے اس کا ذکر نہیں کیا تھا جو الفاظ ملزم نے گرفتاری کے وقت کہے تھے۔ میں ملزم کو پہلے سے نہیں جانتا ہوں۔ پولیس گارڈ دکان سے باہر اوقات کار کے دوران (۹ بجے صبح تا ۵ بجے شام) موجود رہتی تھی۔ میں نے اس کو ضروری نہیں سمجھا کہ پولیس کو اطلاع کرتا کہ جب میں اپنا بیان دے رہا تھا بھگت رام دکان میں موجود تھا۔

ہائیکورٹ (عدالت سے) میں نقشہ ای ایکس جے پی دیکھتا ہوں۔ مقتول اس جگہ بیٹھا ہوا تھا جو نقشہ میں دکھائی گئی ہے۔ میں پوائنٹ نمبر ۲ پر کام کر رہا تھا اور علات

رام پوائنٹ نمبر۳ پر کام کر رہا تھا۔ جب ہم نے اس کو گرفتار کیا وہاں کوئی نہیں آیا۔ میں وزیر چند نامی کسی شخص کو نہیں جانتا۔

سیشن جج

۲۹-۵-۱۵

گواہ نمبر۳:-

نام بھگت رام ولد بگرمل۔ عمر ۲۵ سال۔ ذات کھتری۔ سکنہ لاہور۔

پیشہ: مقتول کا ملازم۔

میں مقتول کا آٹھ سال منشی رہا ہوں۔ مقتول کی کتابوں کی دکان تھی۔ ۶ اپریل کو دو بجے دن میں اپنے مالک کی دکان میں کام کر رہا تھا اور میرے ساتھ کیدار ناتھ بھی کام میں مصروف تھا۔ کیدار ناتھ اندر کے کمرے میں تھا جبکہ میں بیرونی کمرے میں تھا۔

مقتول اپنی گدی پر مجھ سے آٹھ یا نو فٹ کے فاصلہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں سیڑھی پر کھڑا ہوا کتابیں ترتیب سے رکھ رہا تھا۔ مقتول لکھ رہا تھا جبکہ کیدار ناتھ پارسل بنا رہا تھا۔ میں نقشہ دیکھتا ہوں۔ مقتول نقشہ میں دکھائی جانے والی جگہ نمبر۱ پر بیٹھا ہوا تھا جبکہ میں نقشہ میں دکھائی جانے والی جگہ نمبر۳ اور کیدار ناتھ نمبر۲ جگہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ تخت پوش یا وہ گدی جس پر مقتول بیٹھا ہوا تھا زمین سے چار انچ بلند تھی۔ تخت پوش ملحقہ دروازے کے ساتھ تھا جو کمرے یا برآمدے کی طرف جاتا ہے، جب میں سیڑھی پر کھڑا ہوا کتابیں ترتیب سے رکھ رہا تھا تو میں نے اپنے مالک کی آواز سنی ''میں مر گیا'' اس پر میں نے اس کی طرف دیکھا کہ ایک شخص نے مقتول کو گردن سے پکڑا ہوا تھا اور اس کی چھاتی میں چاقو سے وار کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر میں نے سیڑھی پر سے حملہ آور پر کتابیں ماریں۔ کتابیں اس کو لگنے کے بعد باہر گلی میں گر گئیں اس کے بعد حملہ آور دکان سے باہر سڑک پر دوڑا جس کے تعاقب میں کیدار ناتھ اور میں سیڑھی سے نیچے اتر کر دوڑے۔

بعد میں نانک چند اور پرمانند بھی ہمارے ساتھ شامل ہو گئے۔ حملہ آور ہسپتال

کی طرف دوڑا۔ ہمارے اور اس کے درمیان بمشکل تعاقب میں ایک قدم کا فاصلہ تھا۔ ہم اس کو چھو سکتے تھے لیکن ہم نے اس کو نہیں پکڑا۔ پرمانند آگے دوڑا تا کہ ہم اس کو پکڑ لیں۔ اسی اثناء میں حملہ آور ودیا رتن کے ٹال میں داخل ہو گیا۔ جب حملہ آور اس ٹال کے گیٹ میں داخل ہوا ودیا رتن باہر آیا اور حملہ آور کو پکڑ لیا۔ ہم چار تعاقب کرنے والوں میں ودیا رتن بھی شامل ہو گیا۔ حملہ آور علم الدین ملزم تھا جو عدالت میں ہے۔ ملزم کبھی بھی ہماری آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوا۔ اس وقت سے لے کر جب اس نے قتل کیا اور پکڑا گیا۔ ملزم نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن ہم تعداد میں زیادہ اور اس سے طاقتور تھے۔

جب ہم ملزم کو پکڑ چکے وہ برابر یہی کہتا رہا کہ وہ چور یا ڈاکو نہیں ہے بلکہ اس نے رسول اللہ ﷺ کا بدلہ لیا ہے۔ یہ الفاظ وہ مقتول کی دکان پر پکڑے جانے کے بعد واپسی پر بھی کہتا رہا۔ جلد ہی ہم دکان پر پہنچ گئے۔ وہاں پر پولیس آ گئی اور ہم نے اس کو پولیس کے حوالے کر دیا جب میں دکان پر واپس آیا تو میں نے دیکھا کہ مقتول آخری سانس اس تخت پوش یا گدی جس پر بیٹھا ہوا تھا لے رہا تھا۔ وہاں پر ایک گدی، ایک کیش بکس پڑا ہوا تھا اور یہ اس وقت دکھائی دی تھی جب پولیس نے چاقو قبضہ میں لیا تھا۔ چاقو خون آلود تھا پولیس نے اس کو اپنے قبضہ میں لیا۔ مقتول کے ہردوار جانے سے پہلے پولیس گارد ہوتی تھی لیکن اس کی واپسی پر اس وقوعہ کے روز تک پولیس گارد متعین نہیں کی گئی۔ ملزم کو جب پولیس لے گئی تو سب انسپکٹر جلال دین وہاں آیا۔ اس نے میرے اور دوسرے افراد پر جرح کی۔ مقتول کی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے ہسپتال بھیج دیا گیا۔

جرح:

ملزم کے وکیل کی طرف سے میں اس بیان کو جو گواہ نے پولیس کے سامنے دیا ہے اس کی ایک قیمتا کاپی ملزم کو مہیا کی گئی ہے۔

میں نے مقتول کی صرف ایک ہی دفعہ آواز سنی تھی جن الفاظ کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ مجھے اس کے بارے میں یاد وہ الفاظ جو میں نے استعمال کئے ہیں کوئی شک

نہیں ہے۔ وہ سیڑھی جس پر میں کھڑا ہوا تھا وہ دونوں کمروں کی دیوار کے ساتھ لگی ہوئی تھی اور میری کمر سڑک کی طرف تھی۔ میں سیڑھی کے ساتویں ڈنڈے پر کھڑا ہوا تھا جبکہ اس کے کل بارہ ڈنڈے ہیں۔ حملہ آور نے مقتول کی گردن کو اپنے بائیں ہاتھ سے پکڑا ہوا تھا اور دائیں ہاتھ میں چاقو تھا۔ میں نے چاقو کو مقتول کے زخم میں دیکھا جو ملزم نے لگایا تھا۔ میں نے ضربات لگاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ میں نے ملزم کو چاقو باہر نکالتے اور گدی پر پھینکتے ہوئے دیکھا۔

میں نے مقتول اور حملہ آور کے درمیان بچاؤ کرنے کے لئے کوشش کرتے نہیں دیکھا۔ ملزم مقتول پر جھکا ہوا تھا۔ مقتول کے ہاتھ اس کے سامنے تھے اور وہ ملزم کو پکڑے ہوئے نہیں تھا۔ اس کا ایک ہاتھ اوپر کو اٹھا ہوا تھا جبکہ دوسرا نیچے تھا۔

جب ملزم دوکان میں تھا تو اس نے کچھ نہیں کہا تھا۔ جب میں سیڑھی پر کھڑا ہوا تھا تو ملزم کی کمر میری طرف تھی، مقتول کا چہرہ میرے اور حملہ آور کی طرف تھا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ جو کتابیں میں نے ملزم کو ماری تھیں وہ اس کو لگی تھیں یا نہیں۔ آیا ملزم میرے اور مقتول کے درمیان تھا۔ ہوسکتا ہے کہ کتابیں ملزم کو لگی ہوں۔ یہ بنڈل تقریباً ۲۵ کتابوں پر مشتمل تھا۔ یہ بنڈل مضبوطی سے بندھا ہوا تھا جب یہ بنڈل ملزم کی کمر پر لگا تو وہ گر پڑا۔ میں نے کوئی اور اس کے علاوہ کتابیں نہیں پھینکیں۔ ان کتابوں کا وزن دو یا ڈھائی سیر تھا۔ جب بنڈل کھلا تو کتابیں بکھر گئیں۔ اس طرح کچھ کتابیں سڑک پر جا گریں۔ میں نے کیدار ناتھ کو بھی ملزم پر کچھ کتابیں پھینکتے ہوئے دیکھا۔ یہ دو یا تین بندھی ہوئی کتابیں تھیں کوئی بنڈل نہیں تھا میں نے اس کو یہ کتابیں ایک دفعہ مارتے ہوئے دیکھا۔ پہلے میں نے کتابیں مارتے دیکھا بعد میں مقتول کی آواز کو سنا۔ میں نے کیدار ناتھ کے کتابیں مارنے کے بعد اپنی کتابوں کا بنڈل ملزم کو مارا تھا۔ جو اس کو لگا اور اس نے اپنا چاقو پھینک دیا۔ ملزم پوری رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ ہم ملزم کو نہیں پکڑ سکتے تھے کیونکہ وہ آگے تیز بھاگ رہا تھا۔

پرمانند کی دُکان مقتول کی دکان سے قریب ہے۔ پرمانند بھی ہمارے ساتھ تعاقب میں شامل ہو گیا اور ہم برہمو سماج روڈ پر آ گئے۔ اگر ملزم اس سڑک کی طرف مڑ جاتا جو برہمو سماج کی طرف جاتا ہے، اور اس نے ایسا ہی کیا۔ ہمارے سوا اس وقت روڈ پر کوئی اور نہ تھا۔ وہاں پر دوسری دکانیں بھی اس وقت کھلی ہوئی تھیں۔ میں نے ان دوکانوں سے کسی دوسرے آدمی کو آتا نہیں دیکھا۔ ملزم نے فرار ہونے کی ہر ممکن کوشش کی چونکہ ہم تعداد میں اس سے زائد تھے، لہٰذا وہ ایسا نہ کر سکا۔ ہمارے درمیان معمولی کشمکش ہوئی اور پکڑے جانے پر ملزم نے ازخود کہا کہ اس نے ''رنگیلا رسول'' لکھنے والے سے بدلہ لے لیا ہے۔ یہ الفاظ ملزم کے تھے۔ میرے خیال میں اس کے علاوہ اس نے کوئی اور الفاظ استعمال نہیں کیے تھے۔ میری یاد معمولی ہے۔ ملزم نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ چور نہیں ہے اور جب اسے ہتھکڑی لگائی گئی تو اس نے کہا تھا کہ یہ میرے لئے سونے کی چوڑیاں ہیں۔

سب انسپکٹر نے میرا بیان دکان میں لیا۔ جب میرا بیان لیا جا رہا تھا تو وہاں پر کیدار ناتھ، پرمانند، نانک چند وغیرہ بھی موجود تھے۔ مجھے دوسروں لوگوں کے نام یاد نہیں ہیں اور نہ ہی ان کے نام جانتا ہوں۔ مقتول کے چہرے کا رخ مشرق کی طرف تھا۔ میری کمر مشرق کی طرف تھی کیونکہ دکان کا رخ بھی اسی طرف ہے۔ مقتول مجھ سے جنوب کی طرف تھا۔ کیدار ناتھ کا کام پارسل بنانا اور ان پر پتہ لکھنا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ کیدار ناتھ اس وقت کیا کر رہا تھا۔ جب میں نے اس کو پہلے دیکھا تو وہ لکھ رہا تھا۔ سب انسپکٹر نے وہی کچھ لکھا جو میں نے بیان کیا۔ میں نے اس کے لکھے کو نہیں پڑھا۔

یہ درست نہیں ہے کہ میں نے اپنے بیان میں پولیس کے سامنے کہا تھا کہ راجپال مغرب کی طرف منہ کیے میری طرف بیٹھا ہوا تھا اور کیدار ناتھ اس کے نزدیک بیٹھا کتابیں ترتیب سے لگا رہا تھا۔ یہ میں نے نہیں کہا تھا اور نہ ہی درست ہے کہ میں دوکان کے اندر بیٹھا ہوا تھا۔

میں نے پولیس کو یہی کچھ بتایا تھا جو کچھ اس وقت عدالت میں بتایا ہے۔ نام لیتے ہوئے کہ میں سیڑھی پر کھڑا تھا۔ یہ درست نہیں ہے جو کہ میں نے بیان میں پولیس کے سامنے ریکارڈ کرایا کہ میں نے ملزم کو اپنے ہاتھ میں ایک لمبا چاقو لئے ہوئے دیکھا اور مقتول پر حملہ کرتے ہوئے دیکھا۔

یہ درست نہیں ہے جو میں نے پولیس کے سامنے کہا کہ میں نے درحقیقت ملزم کو مقتول کے سینے میں چاقو گھونپتے دیکھا ہے۔ جب میں نے دکان چھوڑی اس وقت مقتول گر چکا تھا۔ یہ درست نہیں ہے کہ میں نے اور کیدار ناتھ نے کچھ کتابیں ملزم کو ماریں لیکن اس نے چاقو مقتول کے سینے میں پیوست کر دیا تھا۔

سیشن جج

۱۴-۵-۲۹

گواہ نمبر ۴:۔

نام نانک چند ولد ایل بوٹا مل۔ ذات کھتری۔ سکنہ ہسپتال روڈ لاہور۔

پیشہ: کلاتھ مرچنٹ۔

میری دکان مقتول کی دکان سے انارکلی کی طرف ہے، اس کے درمیان ایک گلی اور درزی کی دکان ہے۔ میں یہ نہیں بتا سکتا کہ میری دکان کا رخ اس کے دروازے کی طرف ہے۔ ۶ اپریل کو میں اپنی دکان کے تھڑے پر بیٹھا ہوا تھا۔ دو بجے دوپہر کے قریب میں نے راجپال کی دکان سے سنا کہ "مار گیا مار گیا" میں نے ایک شخص کو راجپال کی دکان سے ہسپتال کی طرف دوڑتے ہوئے دیکھا۔ میں نے راجپال کے دونوں ملازم کیدار ناتھ اور بھگت رام کو اس کے پیچھے بھاگتے ہوئے دیکھا۔ میں بھی اس کے پیچھے دوڑا۔ پرمانند جس کی دکان میری دکان سے دوسری طرف ہے، وہ بھی تعاقب کرنے والوں میں شامل ہو گیا۔ جس آدمی کا ہم تعاقب کر رہے تھے۔ وہ ہم سے پانچ یا چھ قدم آگے تھا۔ جس آدمی کا ہم تعاقب کر رہے تھے وہ سیتا رام کے ٹال میں گھس گیا۔ سیتا رام مر گیا ہے اب اس کے لڑکے ودیا رتن اور پرکاش چندر اس کا کاروبار سنبھالے

ہوئے ہیں۔ جب وہ آدمی ٹال میں داخل ہوا تو ودیا رتن نے اس کو پکڑ لیا۔ ہم بھی وہاں پہنچ گئے اور میں نے اس شخص کو وہاں دیکھا جو اس وقت عدالت میں بطور ملزم کھڑا ہے۔

جس شخص کا ہم تعاقب کر رہے تھے وہ پکڑے جانے تک میری نظروں سے اوجھل نہیں ہوا تھا۔ مجھے پتہ چلا کہ ملزم نے راجپال کو قتل کر دیا تھا۔ پھر ہم ملزم کو مقتول کی دکان پر لائے جہاں پر اس نے کہا مقتول میرا دشمن نہیں تھا بلکہ میرے رسول ﷺ کا دشمن تھا اور اس نے بدلہ لے لیا ہے۔ ہمارے دکان پر پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد پولیس آگئی اور ہم نے اس کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ میں نے مقتول کو اس کی گدی پر مرا ہوا دیکھا۔ میں نے ایک زخم اس کے دل میں دیکھا۔ اُس کے کپڑے خون میں بھرے ہوئے تھے۔ میں نے گدی کے نیچے پڑے ہوئے ڈیسک پر چاقو پڑا ہوا دیکھا۔ میں نے عدالت میں تین چاقو دیکھے اور ان میں سے وہ چاقو پہچان لیا جو میں نے مقتول کی دکان پر دیکھا تھا۔ میں نے اُس کی نوک ٹوٹنے کی بناء پر پہچانا۔ پولیس نے چاقو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اُس کی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے ہسپتال بھیج دیا گیا۔ بہت سے پولیس افسران دکان پر آئے جن میں سے ایک سب انسپکٹر نے میرا بیان لیا۔ میں اس کا نام نہیں جانتا۔

جرح:۔

جب میں نے ملزم کو دیکھا وہ تیز بھاگ رہا تھا۔ میں نے بھی تیز بھاگنے کی کوشش کی لیکن اس کی طرح تیز نہ بھاگ سکا۔ ہمارے درمیان فاصلہ ایک جیسا رہا۔ دوسرے تین تعاقب کرنے والے مجھ سے آگے تھے۔ جب ملزم لکڑی کے ٹال میں داخل ہوا۔ اُس وقت میں اس سے پانچ یا چھ قدم کے فاصلہ پر تھا۔ دوسرے تین تعاقب کرنے والے ملزم کے ساتھ ٹال میں داخل ہوئے۔ میں نے ودیا رتن کو ملزم کو پکڑتے ہوئے دیکھا۔ اس نے ملزم کو اکیلے پکڑا۔ دوسرے بہت سے لوگ وہاں جمع ہو گئے۔ اگرچہ ملزم نے فرار ہونے کی کوشش کی مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔ تقریباً دس یا پندرہ آدمی جمع ہو گئے تھے۔ یہ اشخاص بھی اسی طرف سے آئے تھے جدھر سے ہم آئے تھے۔ وہاں پر کوئی

پولیس آفیسر نہیں آیا۔ ملزم نے جو الفاظ کہے ان کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ یہ الفاظ اُس نے مقتول کی دکان کے تھڑے پر کہے تھے۔

میں نے کیدار ناتھ اور بھگت رام کے الفاظ سنے تھے کہ "مار گیا، راجپال کو مار گیا" ان الفاظ کو سننے کے بعد میں اپنی دکان کے اندر سے باہر آیا۔ میں نے بہت سے زخم دیکھے تھے۔ میں نے بہت زیادہ خون بہنے کی وجہ سے ان زخموں کا اندازہ لگایا تھا۔ میں نے ملزم کو مقتول کی دکان سے باہر آتے ہوئے دیکھا تھا۔ میری توجہ اس طرف شور ہونے کی وجہ سے گئی تھی۔ میری دکان اور مقتول کی دکان جہاں سے ملزم بھاگ رہا تھا کا فاصلہ پندرہ یا بیس قدم کا تھا۔

میں اپنی دکان پر اکیلا تھا۔ اس وقت ہسپتال روڈ کی تمام دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ ملزم کو بھاگتے اور واپس اس کو پکڑ کر مقتول کی دکان میں لانے کے لئے چار یا پانچ منٹ کا وقت گزرا ہوگا۔ ہمارے دکان پر پہنچتے ہی پولیس آ گئی تھی۔ اس وقت پولیس نہیں آئی تھی جب ملزم نے وہ الفاظ کہے تھے جن کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے میرا بیان دوسروں کے بعد لیا گیا تھا۔ دوسرے لوگوں کا بیان میری موجودگی میں لیا گیا تھا۔ یہ بیانات مقتول کی دکان میں لئے گئے تھے۔ اس مقدمہ میں صرف گواہوں کے بیانات پولیس نے لئے تھے۔ میں نے ملزم سے کوئی سوال نہیں کیا تھا اور نہ ہی میری موجودگی میں کسی دوسرے شخص نے اس سے کوئی سوال کیا یا سنا تھا۔ میں وزیر چند کو جانتا ہوں۔ میں نے اس کو دکان پر دیکھا لیکن میں نے اس کو وہاں آتے ہوئے نہیں دیکھا۔ میں نے اس کو اس وقت مقتول کی دکان پر دیکھا جب ہم ملزم کو ٹال سے پکڑ کر لائے تھے۔ میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی۔

آر۔ او۔ اے۔ سی

سیشن جج

۱۴-۵-۱۹۲۹

گواہ نمبر ۵:-

پرمانند ولد کیدار ناتھ۔ عمر ۳۳ سال۔ ذات کھتری۔ سکنہ ہسپتال روڈ لاہور۔

پیشہ: پیپر مرچنٹ۔

میری دکان انارکلی کی طرف سے مقتول کی دکان سے چوتھی دکان ہے۔ ۶ اپریل کو دو بجے دوپہر میں اپنی دکان کے تھڑے پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے کیدار ناتھ کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا "مار گیا، مار گیا پکڑو پکڑو" اور اس کو ایک آدمی کے پیچھے دوڑتے ہوئے دیکھا۔ جب میں نے کیدار ناتھ کی چیخ و پکار سنی تو اُس دوران میں نے ایک آدمی کو مقتول کی دکان سے باہر دوڑتے ہوئے دیکھا اور کیدار ناتھ اس کے پیچھے تھا۔ بھگت رام بھی اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ میں اور نانک چند بھی اس کا تعاقب کرنے میں شامل ہو گئے۔

وہ شخص ہسپتال کی طرف بھاگا۔ میں اس شخص کے آگے بھاگا تاکہ ہم اس کو پکڑ لیں۔ وہ سیتا رام کے ٹال میں دوڑا جہاں پر ودیا رتن اور پرکاش چندر نے اس کو پکڑ لیا۔ ہم چاروں جو اس کا تعاقب کر رہے تھے وہاں پہنچ گئے اور اس کو پکڑ لیا۔ جس آدمی کا ہم تعاقب کر رہے تھے وہ ملزم عدالت میں موجود ہے۔ جب ملزم کو پکڑا تو کیدار ناتھ نے کہا کہ اس نے راجپال کو مار دیا ہے جب ہم نے ملزم کو پکڑا تو اس نے کہا کہ راجپال نے رسول خدا ﷺ کی شان میں گستاخی کی تھی اور میں نے اس کا بدلہ لے لیا ہے۔ پھر ہم ملزم کو مقتول کی دکان پر لائے۔ میں نے مقتول کو اس کی دکان میں گدی پر مرا ہوا دیکھا۔ اُس کے کپڑے خون میں بھرے ہوئے تھے اور میں نے اس کی چھاتی میں ایک زخم دیکھا۔ ڈیسک اور کیش بکس کے درمیان چاقو پڑا ہوا تھا جو خون سے بھرا ہوا تھا۔ اس چاقو کو میں نے عدالت میں پہچان لیا کیونکہ اس کی نوک ٹوٹی ہوئی تھی۔ جلد ہی وہاں پولیس آ گئی اور اس کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ دوسرے پولیس افسران بعد میں آئے۔ میرا بیان بھی اسی وقت لیا گیا۔

جرح:-

جب میں نے پہلی دفعہ کیدار ناتھ کو دیکھا تو میری توجہ اس کی چیخ و پکار کی طرف گئی۔ وُہ اپنی دکان کے تھڑے سے اُتر رہا تھا اور ملزم اس سے دو قدم آگے تھا جب کیدار ناتھ نے ہمیں بتایا کہ ملزم نے مقتول کو جان سے مار دیا ہے تو پھر میں "مار گیا مار گیا" کا مطلب سمجھ گیا۔ مجھے یاد نہیں کہ جب ہم نے ملزم کو پکڑا وہاں پر دوسرے لوگ بھی جمع ہو گئے تھے۔ جب ملزم کو پکڑا گیا تو کسی نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا اور نہ ہی کچھ پوچھا تھا۔ اس نے مذکورہ الفاظ اپنی مرضی سے کہے تھے۔ یہ کسی سوال کے جواب میں نہیں کہے تھے۔

جب ہم ملزم کو مقتول کی دکان پر لائے تو وہاں بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ میں اس مقدمہ میں کسی گواہ وزیر چند کو نہیں جانتا۔ جب ہم ملزم کو مقتول کی دکان پر لائے تو وہاں بہت سے آدمی جمع ہو گئے مگر پولیس نے ان کو دکان کے اندر داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔ میں نے مقتول کو اپنی دکان کی گدی پر مرا ہوا دیکھا تھا۔ میں دکان کے اندر نہیں گیا۔ جب ہم ملزم کو دکان پر لائے تو وہاں ایک بڑا ہجوم لوگوں کا تھا۔ کچھ کتابیں سڑک پر پڑی تھیں جن کو اٹھا کر دکان کے اندر لائے۔ یہ کتابیں لوگوں کے پیروں میں پڑی تھیں۔

جب میں واپس ہوا تو دکان میں ایک یا دو آدمی تھے جب میں نے مقتول کو گدی پر مردہ دیکھا تو میرے اور مقتول کے درمیان کوئی شخص کھڑا نہیں تھا۔ میں نے چاقو اس وقت دیکھا جب مقتول گدی پر مردہ پڑا تھا۔ میں نے چاقو تھڑے پر پڑا ہوا دیکھا تھا۔ میرا بیان پولیس نے مقتول کی دکان سے باہر سڑک پر لیا تھا۔ دوسرے گواہوں کا بیان میرے سامنے نہیں لیا گیا اور نہ ہی میں نے سنا۔ مجھے یاد نہیں جب میں نے کیدار ناتھ کی چیخ سنی میری دکان پر کوئی اور دوسرا شخص موجود تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میرا ملازم وہاں تھا یا نہیں۔ ہو سکتا ہے میری دکان پر کچھ گاہک ہوں جو وہاں سے ہو

سکتا ہے دوڑ گئے ہوں۔

دوبارہ جرح:-

ہجوم سڑک پر باہر جمع ہو گیا تھا۔

سیشن جج

۱۹۲۹ء-۵-۱۴

گواہ نمبر ۶:-

دویارتن ولد سیتا رام۔ عمر ۲۳ سال۔ قوم آریا۔ سکنہ لاہور۔

پیشہ: ایندھن فروش۔

میری ایندھن کی دکان ہے جو مقتول راجپال کی دکان سے دو سو فٹ کے فاصلہ پر ہے۔ میری دکان مقتول کی دکان سے مخالف سمت ہسپتال روڈ پر ہے، وہاں رہتا بھی ہوں گذشتہ اپریل کو دو بجے دوپہر میں اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا جو میرے لکڑی ٹال کے سامنے ہے۔ ٹال میں داخلہ کے لئے ایک طرف سے کھلا ہے۔ ہم رات کو اسے ایک کھڑکا سے بند کرتے ہیں۔

جب میں وقوعہ کے روز اپنی دکان میں بیٹھا ہوا تھا تو میں نے شور سنا'' پکڑو پکڑو، مار گیا مار گیا'' یہ شور مقتول کی دکان کی طرف سے آرہا تھا۔ میرے دفتر کے دو دروازے اور دو کھڑکیاں ہیں۔ ایک دروازہ اور کھڑکی سڑک کی طرف کھلی ہوئی تھیں، شور سننے اور کھلے ہوئے دروازے میں سے سڑک پر دیکھنے سے میں نے ایک آدمی کو سرخ دھاری دار قمیض پہنے دوڑتے ہوئے دیکھا جس کے تعاقب میں آٹھ یا دس آدمی تھے جس آدمی کا تعاقب کیا جا رہا تھا۔ وہ میرے ٹال کی طرف آرہا تھا۔ تب ٹال میں کھلنے والے دفتر کے دروازے سے اندر داخل ہوا اور تعاقب کرنے والے آدمی کو پکڑ لیا۔ تعاقب کرنے والوں کے پہنچنے پر اس آدمی کو ہم نے قابو کر لیا۔

اُس آدمی نے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کی وہ شخص جس کو ہم نے پکڑا

تھا۔ ملزم علم الدین عدالت میں موجود ہے۔ تعاقب کرنے والوں میں کیدار ناتھ، بھگت رام، پرمانند اور نانک چند تھے جن کو میں پہلے سے جانتا ہوں۔ میں وہاں پر جمع ہونے والے آدمیوں کے نام نہیں جانتا، ان کو پہچان سکتا ہوں جب میں نے ملزم کو پکڑا تو اس نے پہلے کہا کہ مجھے جانے دو، میں نے کچھ نہیں کیا۔ میں نے رسول اللہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا بدلہ لیا ہے۔ میں اور دوسرے لوگ پھر ملزم کو مقتول کی دکان پر لے آئے جب ہم ملزم کو مقتول کی دکان پر لا رہے تھے تو ملزم متواتر کہہ رہا تھا کہ میں کوئی چور یا ڈاکو نہیں بلکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کا بدلہ لیا ہے۔

پولیس بھی اسی وقت دکان پر پہنچ گئی اور ہم نے اس کو پولیس کے حوالہ کر دیا جس وقت پولیس نے اس کو ہتھکڑی لگائی تو ملزم نے کہا کہ یہ میرے لئے سونے کی چوڑیاں ہیں۔ پولیس ملزم کو لوہاری گیٹ کی طرف لے گئی۔ میں نے مقتول کو دکان میں پڑے ہوئے دیکھا اس کے کپڑے خون میں بھرے ہوئے تھے اور اس کے جسم سے خون بہہ رہا تھا۔ مقتول تخت پوش پر پڑا ہوا تھا جہاں پر ڈیسک اور کیش بکس رکھا ہوا تھا۔ چاقو کی نوک بھی ٹوٹی ہوئی تھی۔ چاقو کو میں نے عدالت میں شناخت کیا ہے۔ پولیس نے چاقو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اس کی فہرست بنائی جس پر میں نے دستخط کئے۔ دوسرے پولیس افسران بعد میں آئے اور ان میں سے ایک نے میرا بیان لیا۔

جرح:۔

ملزم کے وکیل کے کہنے پر گواہ کے بیان کی کاپی جو اس نے پولیس کو دیا تھا حوالے کی جاتی ہے۔

وہ تمام آدمی جو ملزم کا تعاقب کرتے ہوئے میرے ٹال پر آئے وہ تمام کے تمام ہندو تھے۔ ملزم کے یہ الفاظ کہنے کہ ''مجھے جانے دو'' کے درمیان کوئی وقفہ نہیں تھا۔ میرا بھائی پرکاش چندر میرے ساتھ دفتر میں تھا۔ وہ بھی میرے ساتھ ٹال میں گیا۔ اُس نے بھی ملزم کو پکڑنے میں میری مدد کی جب میں نے ملزم کو پکڑا تو عین اس وقت

تعاقب کرنے والے لوگ بھی آ گئے۔ ملزم ٹال میں داخل ہونے کے چار یا پانچ منٹ بعد گیا تھا جب میں نے اس کو پکڑا۔ میرا منہ میرے گھر کی طرف تھا جب میں نے ملزم کو پکڑا۔ ملزم نے ٹال سے باہر نکلنے کی کوشش کی اور مزاحمت نہیں کی اور مزید اندر جانے کی کوشش کی۔ یہ درست ہے جو پولیس کو بیان دیا ہے کہ وہ میری رہائش کی طرف جا رہا تھا چونکہ اس کا دروازہ بند تھا۔ لہٰذا وہ واپس ٹھہرا۔ میں نے یہ آج نہیں کہا تھا کیونکہ یہ مجھ سے نہیں پوچھا گیا تھا مجھے وہ حقیقی الفاظ یاد نہیں ہیں جو ملزم نے کہے تھے بلکہ ان الفاظ کا نچوڑ بیان کیا ہے۔

مجھے یاد نہیں کہ ملزم کو پکڑا گیا تھا تو اس نے کچھ اور الفاظ بھی کہے تھے۔ میں ملزم کو پہلے سے نہیں جانتا جب ملزم کو پولیس کے حوالے کیا گیا تو اس نے اپنا نام بتایا۔ تب میں نے اس کا نام سنا۔ ملزم نے یہ کہا تھا کہ نہ تو وہ چور ہے اور نہ ہی ڈاکو۔ یہ الفاظ اس نے پولیس کے ہتھکڑی لگانے سے پہلے کہے تھے جب میں نے اس کو پکڑا تھا۔ مجھے یہ یاد نہیں ہے کہ میں نے پولیس کے سامنے یہ کہا ہو کہ ملزم نے اپنا نام علم الدین ترکھان کہا ہو اور کہا کہ میں چور نہیں ہوں اور اس نے مقتول کو قتل کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کا بدلہ لے لیا ہے۔ اگر میں نے ایسا کہا ہے تو یہ درست ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ملزم نے اپنا نام اس وقت بتایا تھا جب ہم اس کو ٹال سے مقتول کی دکان پر لے جا رہے تھے۔ لہٰذا یہ درست نہیں ہے کہ مجھے اس کے نام کا پتہ اس وقت چلا جب وہ پولیس کی تحویل میں تھا۔ جب ہم ملزم کو لے کر مقتول کی دکان پر پہنچے تو کچھ لوگ دکان سے باہر اور کچھ اندر موجود تھے۔ جب میرا بیان لیا جا رہا تھا تو مقتول کی لاش کو ہسپتال نہیں لے جایا گیا تھا بلکہ وہ سڑک پر ایک بستر پر پڑی تھی۔ ایک شخص جو تھڑے پر کھڑا تھا وہ مسلمان دکھائی دیتا تھا۔ جب ہم نے ملزم کو پکڑا اس وقت جائے وقوعہ پر کوئی اور شخص نہیں آیا تھا لیکن جب ہم اس کو مقتول کی دکان پر لا رہے تھے تو بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ پرکاش چند بھی ہمارے ساتھ مقتول کی دکان پر آیا۔ میں

نہیں جانتا آیا کہ پولیس نے اس کا بیان لیا یا نہیں۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میری موجودگی میں دو یا تین آدمیوں کے بیانات پولیس نے لئے تھے۔

یہ درست ہے کہ میں نے مجسٹریٹ کے سامنے بیان دیا تھا کہ جب میں نے ملزم کو دیکھا تو وہ میری رہائش گاہ کی طرف سے آرہا تھا۔ دکان میں دو آدمی تھے۔ ان میں سے ایک کو میں جانتا ہوں جس کا نام ڈاکٹر دھلا رام ہے دوسرا مسلمان تھا جس کے بارے میں بعد میں پتہ چلا کہ وہ بھی ڈاکٹر تھا۔ ڈاکٹر دھلا رام کی ڈسپنسری لوہاری گیٹ کے باہر سڑک پر ہے جو باغ کی طرف جاتی ہے۔ میں نے اس کا ذکر ملزم کے سامنے نہیں کیا تھا کہ جب اس نے ہتھکڑی پہنی تو یہ کہا تھا کہ سونے کی چوڑیاں دی گئی ہیں۔

میں نے نقشہ میں اس جگہ کی نشاندہی کی جہاں سے ملزم پکڑا تھا۔ ملزم میری رہائش گاہ کی طرف دوڑا اور پھر واپس مڑا جیسا کہ نقشہ میں دیکھایا گیا اور جہاں پر میں نے پکڑا وہ نقشہ میں نمبر ۸ میں دیکھا گیا۔

سیشن جج

۱۵-۵-۱۹۲۹

گواہ نمبر ۷:-

نام وزیر چند ولد نہال چند۔ عمر ۵۰ سال۔ قوم کھتری۔ سکنہ گوجرانوالہ۔

پیشہ: ٹھیکیداری۔

گزشتہ ۶ اپریل کو دو بجے دوپہر میں گورو گھنٹال کے دفتر بیٹھا ہوا لالہ شام لال ایڈیٹر سے بات چیت کر رہا تھا۔ اس صبح میں لاہور پہنچا تھا۔ گورو گھنٹال کے دفتر کے نیچے مقتول راج پال کی کتابوں کی دکان ہے جب میں وہاں بیٹھا ایڈیٹر سے باتیں کر رہا تھا تو میں نے نیچے سے آواز سنی "مار گیا مار گیا پکڑو" میں نے گلی میں کسی چیز کے گرنے کی آواز سنی اور جب میں نے کھڑکی میں سے دیکھا تو چند کتابیں سڑک پر گری تھیں اور ایک آدمی ہسپتال کی طرف بھاگ رہا تھا جس کے تعاقب میں دو یا تین آدمی تھے۔ تعاقب کرنے

والے چلا رہے تھے ''مار دیا، مار دیا'' میں بھی چلایا، اس کو پکڑو اور جانے نہ دو، اور سیڑھیوں سے نیچے آیا اور تعاقب کرنے والوں میں شامل ہو گیا اور سیتا رام کے ٹال کے نزدیک میں نے دو یا تین آدمیوں کو دیکھا جنہوں نے اس کو پکڑ لیا تھا۔

میں نے ملزم کو عدالت میں شناخت کر لیا۔ میں نے ملزم کو بازو سے پکڑا اور پوچھا تم نے کیا کیا تھا؟ اس پر اس نے اپنا بازو چھڑایا اور کہا کہ میں نے کچھ نہیں چرایا ہے۔ میں نہ تو چور ہوں اور نہ ہی میں نے کچھ کیا ہے۔ میں نے تو صرف رسول اللہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا بدلہ لیا ہے۔ اس وقت مجھے نہیں پتا تھا کہ اصل ملزم نے کیا کیا تھا۔ ہم ملزم کو مقتول راجپال کی دکان پر واپس لائے لیکن میں اندر نہیں گیا۔

مجھے پتہ چلا کہ ملزم نے راجپال کو چاقو سے قتل کیا ہے۔ میں پولیس کو لینے لوہاری چوکی پر گیا یہ یقین کرنے کے لیے کہیں ملزم بھاگ نہ جائے۔ جس چاقو سے اس نے قتل کیا تھا وہ دکان میں پڑا ہوا تھا۔ میں نے پولیس چوکی میں جا کر واقعہ کے بارے میں بتایا اور کچھ پولیس والے میرے ساتھ آئے۔ پولیس ملزم کو لے گئی فوری طور پر کچھ پولیس افسران آئے اور ہجوم بڑھ گیا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے پولیس نے دو یا ڈھائی گھنٹے کے بعد میرا بیان لیا۔ میں گوجرانوالہ شام ۵ بجے والی ریل گاڑی سے واپس گیا۔

جرح:۔

میں نے ملزم کو پکڑتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن جب ٹال کے قریب جائے وقوعہ پر پہنچا تو میں نے لوگوں کو اسے پکڑے ہوئے پایا اور پتہ چلا کہ وہ ٹال کے اندر سے پکڑا گیا ہے۔ اس وقت ملزم کے ساتھ پانچ یا چھ آدمی تھے، ان میں سے کسی شخص کا نام نہیں جانتا لیکن ان میں سے ایک یا دو کو پہچاننے کے قابل ہوں۔ ان میں سے سیتا رام کے بیٹے نے ملزم کو پکڑا ہوا تھا۔ میں نے ماسوائے متذکرہ افراد کے کسی اور شخص کو سڑک پر نہیں دیکھا۔ میں نے دوسرے دکانداروں کو اپنی اپنی دکانوں پر بیٹھا ہوا دیکھا۔ مگر ان میں سے کوئی بھی باہر نہیں آیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ جن افراد نے ملزم کو پکڑا تھا وہ

سب کے سب ہندو تھے یا نہیں۔ جب ملزم زور سے پکارا تو اس وقت مجھے پتہ چلا کہ وہ علاقہ کے مسلمان دکانداروں سے مخاطب تھا۔ میں نے ملزم کو اس لئے بازو سے پکڑا تھا تاکہ مجھے یقین ہو جائے کہ اس کے پاس کوئی اور دوسری چیز نہیں ہے۔ میرا ہاتھ اس کے بازو پر ہی رہا۔ جب اس نے اپنے ہاتھ پھیلائے میں نے ملزم کی دب بھی دیکھی تاکہ اس میں کوئی اور چیز چھپی نہ ہو۔ مجھے یاد نہیں کہ جب ہم ملزم کو واپس لے کر آئے تو مقتول کی دکان پر کوئی افسر موجود تھا۔

جب مجھے راجپال کے قتل کے بارے میں معلوم ہوا تو میں بمشکل مقتول کی دکان پر ایک منٹ رکا۔ میں فوری طور پر پولیس چوکی گیا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے کہ جب میں پولیس چوکی گیا تو لوگوں نے اس وقت اس کو پکڑا ہوا تھا۔ میرا بیان مقتول کی دکان سے باہر لیا گیا تھا۔ تین یا چار آدمیوں کا بیان میری موجودگی میں لیا گیا تھا۔ میں مقتول کو چہرے سے جانتا ہوں جہاں تک مجھے علم ہے مقتول ملزم سے چھوٹے قد کا آدمی تھا۔

دوبارہ جرح:-

جس شخص کا تعاقب کیا جا رہا تھا اس نے سرخ دھاری کی قمیض سفید شلوار اور سفید پگڑی پہنی ہوئی تھی۔

جب میں نیچے گلی میں آیا تو میں نے تعاقب کرنے سے پہلے چند آدمیوں کو تعاقب کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے ملزم کو نہیں دیکھا۔

۱۴-۵-۱۹۲۹

گواہ نمبر ۸:-

نام۔ آتما ولد گوپی مل۔ عمر ۷۰ سال۔ ذات کمبوہ۔ سکنہ گمٹی بازار لاہور۔

پیشہ: کباڑیہ

آج سے تقریباً تین یا ساڑھے تین سال پہلے میں نے پانچ سو چاقو لاہور چھاؤنی کے میڈیکل شعبہ سے نیلامی میں خریدے۔ میں نے عدالت میں ان تین

چاقوؤں میں سے ایک کی شناخت کر لی ہے جو ملزم نے میری دکان سے خریدا تھا جواب عدالت میں ہے۔

تقریباً ایک ماہ سے زائد کا عرصہ ہوا یہ شخص ایک صبح ساڑھے نو بجے کے قریب میری دکان پر آیا اور مجھ سے پوچھا کیا کوئی چاقو فروخت کرنے کے لئے ہے؟ میں نے دکان پر نیلام میں خریدے ہوئے چاقو لگائے ہوئے تھے۔ ان میں سے دو یا تین چاقو میں نے اس کو دکھائے۔ ان میں ایک چاقو کی قیمت ملزم نے مجھ سے پوچھی تو میں نے اس کی قیمت ایک روپیہ بتائی تھی اس نے مجھے دس آنے کہے جس پر میں نے انکار کر دیا۔ پھر بارہ آنے کہے اس پر بھی میں نے انکار کر دیا۔ آخر ایک روپیہ میں سودا ہو گیا۔

ملزم نے ان میں سے ایک چاقو منتخب کیا اور کہا کہ اس کو علیحدہ رکھو تا کہ میں واپسی پر روپیہ لے آؤں۔ وہ ایک گھنٹہ بعد واپس آیا۔ اُس نے مجھے روپیہ دیا اور میں نے چاقو اس کے حوالے کر دیا دو دن کے بعد دو پولیس آفیسر میری دکان پر آئے اور مجھ سے پوچھا کہ یہ چاقو میری دکان پر تھے میں نے کہاں سے خریدے ہیں، میں نے ان کو بتایا۔ پولیس افسران نے دو چاقو لئے۔ انہوں نے ایک کاغذ پر کچھ لکھا جس پر میں نے دستخط کر دیئے۔ میں اپنے دستخط کو پہچانتا ہوں۔ پولیس افسران نے مجھ سے پوچھا آیا کہ میں نے کوئی چاقو فروخت کیا تھا جس پر میں نے ان کو جواب دیا کہ ہاں بیچا تھا۔

دو دن بعد مجھے نولکھا تھانہ سول لائن بلایا گیا اور وہاں ٹھہرنے کو کہا۔ دو گھنٹے بعد مجھے تھانہ سول لائن لے جایا گیا اور مجھ سے پوچھا گیا کہ آیا میں اس شخص کو پہچان سکتا ہوں جس کے ہاتھ چاقو فروخت کیا۔ مجھے اس کمرے میں لے جایا گیا جہاں سات یا آٹھ آدمیوں کی لائن لگی ہوئی تھی۔ میں نے تین دفعہ اس لائن کے گرد چکر لگائے اور آخر کار میں نے ملزم کو پہچان لیا جس کے ہاتھ میں نے چاقو فروخت کیا تھا۔ اگلے دن میں نے مجسٹریٹ کے سامنے اپنا شہادتی بیان دیا۔ شناخت کے دوران افسران کمرے میں موجود تھے۔ میں نے عدالت میں چاقو دیکھا اس کے بعد دو چاقو جو پولیس میری دکان

سے لائی تھی وہ بھی دیکھے میں نے اس کو چند مخصوص نشانات کی وجہ سے شناخت کیا ہے۔
جب میں نے چاقو فروخت کیا تھا اس وقت اس کی نوک ٹوٹی ہوئی نہیں تھی۔

جرح:۔

میں ملزم کو پہلے سے نہیں جانتا۔ وہ میری دکان پر پہلی مرتبہ آیا۔ میں نے اس کو پہلے نہیں دیکھا تھا۔ میں نے ملزم کو اس لئے پہچانا کیونکہ اس کے کان چھیدے ہوئے تھے اور اس کی ناک کے دائیں جانب نشان تھا۔ ملزم نے چھیدے ہوئے کانوں میں دھاگہ ڈالا ہوا تھا۔ یہ میں نے اس کو شناخت کرتے وقت دیکھا۔ اس کے علاوہ میں نے کوئی اور نشان نہیں دیکھا تھا۔ میں خصوصاً ان لوگوں کو دیکھتا ہوں جو چاقو خریدنے آتے ہیں۔

میں ہر اس شخص کو پہچان سکتا ہوں جو دو یا تین دفعہ میرے سے چاقو خریدتا ہے۔ میں اپنا فروخت شدہ خاص چاقو شناخت کرسکتا ہوں۔ میں نہیں بتا سکتا کہ اس قسم کے کتنے چاقو عدالت میں تھے، ان پانچ سو چاقوؤں میں سے کچھ بڑے اور کچھ چھوٹے اور مختلف قسم کے تھے۔ میں چاقو خریدنے والے کا نام معلوم نہیں کرتا ہوں۔ میں خصوصاً خریدنے والے کی شکل کو یاد رکھتا ہوں تاکہ اگر وہ چاقو سے کوئی واردات کرے تو میں اس کو پہچان سکوں۔ جس روز میں نے ملزم کے ہاتھ چاقو فروخت کیا تھا اس روز میں ڈاکٹر دھلا رام کے درخواست کرنے پر اس کی کچھ چیزیں دیکھنے گیا تھا۔ میرے ساتھ پانچ یا چھ اور کباڑیئے بھی گئے تھے۔ میں ان میں سے کسی کباڑیئے کا نام نہیں جانتا ہوں۔ ڈاکٹر دھلا رام وہاں پر تھا میں اس کے ساتھ انارکلی کی طرف نہیں گیا لیکن جب ہم وہاں پر تھے تو اس کے بیٹے نے آکر بتایا کہ ایک قتل ہوگیا ہے۔ ڈاکٹر دھلا رام نے دکان کو تالا لگایا اور چلا گیا۔

اس کے بعد میں گھر واپس آگیا۔ میں نے دوسرے کباڑیوں کو دو بجے دوپہر بلایا۔ یہ کباڑیئے پانی والے تالاب کے قریب رہتے ہیں۔ میں نے تقریباً پندرہ منٹ

تک ڈاکٹر کی چیزوں کو دیکھا۔ میری نظر اچھی نہیں ہے۔ میں پچاس قدموں سے کسی کی شکل نہیں پہچان سکتا۔ جب ملزم میری دکان پر آیا تو اس نے قمیض شلوار اور پگڑی پہنی ہوئی تھی۔ مجھے ان میں سے کسی کا رنگ یاد نہیں ہے جب میں نے ملزم کی شناخت کی اس وقت اس نے دوسرے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ یہ کپڑے زیادہ میلے تھے۔ اس وقت ملزم کے کان چھیدے ہوئے نہیں ہیں اور ان میں دھاگے بھی نہیں ہیں۔ میں نے ملزم کے رخسار کی ہڈی یا ماتھے پر کوئی نشان نہیں دیکھے تھے۔ اُس وقت اس نے اپنی پگڑی ماتھے پر پہنی ہوئی تھی۔

وکیل کی درخواست پر ملزم کے چہرے کا معائنہ کیا گیا اور بائیں رخسار کی ہڈی پر نشان اور ناک کی دائیں جانب بھی چوٹ کا نشان موجود تھا۔ ماتھے کا نشان ان دونوں نشانوں سے زیادہ نمایاں ہے۔ ملزم کے کان کی لو میں چھیدے جانے کے نشانات نہیں ہیں۔ البتہ ان کو شیشہ کی مدد سے دیکھا جا سکتا ہے کہ کان کے چھیدے جانے کے نشان ضرور تھے۔ کتنے عرصہ پہلے تھے یہ کہنا ناممکن ہے۔ یہ کہنا درست نہیں ہے جیسا کہ پولیس کے سامنے کہا ہے کہ ملزم پہلے بھی دو یا تین دفعہ میری دکان پر آچکا ہے۔ میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ ملزم کی ناک پر چوٹ کا نشان تھا یا یہ کہ اس کے کان چھیدے ہوئے تھے اور ان میں دھاگہ بھی تھا۔ جب اُس سے مخصوص چاقو اٹھانے کے لئے کہا گیا جو اس نے ملزم کے ہاتھ فروخت کیا تھا۔ پولیس کے پیش کردہ چاقوؤں میں سے اس نے ایک اٹھایا۔ میں نے ایسے بہت سے چاقو فروخت کئے ہیں۔

دوبارہ جرح:

جب ملزم میری دوکان پر دو موقع پر چاقو خریدنے آیا، اس وقت وہ میرے سے دو قدم کے فاصلہ پر کھڑا تھا۔

پولیس ملزم کو میری دکان پر نہیں لے کر آئی۔

سیشن جج

۱۹۲۹ء-۵-۱۵

گواہ نمبر ۹:-

رحمت خان ولد نا معلوم عمر...... ذات...... سکنہ تھانہ کچہری

پیشہ: کانسٹیبل نمبر ۲۰۴۵

گذشتہ ۶ اپریل کو میں انار کلی بازار میں ڈیوٹی پر تھا۔ جب میں لوہاری گیٹ چوک کے قریب پہنچا تھا ایک لڑکا جس کی عمر ۱۰ یا ۱۲ سال تھی نے مجھے بتایا کہ راجپال کو قتل کر دیا گیا۔ میں راجپال کی دکان ہسپتال روڈ گیا جب میں ودیارتن کے ٹال کے قریب پہنچا تو میں نے ملزم کو دو تین آدمیوں میں گھرا ہوا دیکھا۔ مجھے بتایا گیا کہ ملزم نے راجپال کو قتل کر دیا ہے۔ برکت علی ہیڈ کانسٹیبل اور شیر محمد کانسٹیبل بھی تقریباً اسی وقت موقع پر پہنچ گئے۔ ہم مقتول کی دکان پر پہنچ گئے وہاں پر مجھے ہیڈ کانسٹیبل برکت علی نے ہتھکڑی لانے کو کہا۔ میں لوہاری گیٹ پولیس چوکی گیا۔ تھانہ کچہری میں ٹیلی فون کیا اور سب انسپکٹر کو واقعہ کے بارے میں آگاہ کیا اور ہتھکڑی لے کر واپس مقتول کی دکان پر آیا۔ میں نے ملزم کو ہتھکڑی لگائی اور اس کو پولیس چوکی لوہاری گیٹ لے آیا۔

سب انسپکٹر جلال دین نے چند باتیں معلوم کیں اور وہ جائے وقوعہ پر چلا گیا۔ میں نے راجپال کو اس کی دکان میں مردہ پایا۔ جب میں ہتھکڑی لینے گیا تو ہیڈ کانسٹیبل برکت علی اور کانسٹیبل شیر محمد مقتول کی دکان میں موجود رہے۔

جرح:-

مین نے ملزم اور اس کے پکڑے جانے والوں کو ٹال کے نزدیک دیکھا۔ وہ اس کو مقتول کی دکان پر لا رہے تھے۔ ملزم کو تین سے زائد افراد نے پکڑا ہوا تھا۔ اس

وقت وہاں پر اور کوئی نہیں تھا۔ برکت علی اور شیر محمد میرے ساتھ مقتول کی دکان پر آئے تھے۔ جب ہم دکان پر پہنچے تو بیس یا پچیس لوگ وہاں جمع ہو گئے تھے۔ وہ لوگ جنہوں نے ملزم کو پکڑ رکھا تھا۔ ان میں سے میں صرف اس شخص کو جانتا ہوں اور اُس نے ودیارتن کی طرف اشارہ کیا۔

سیشن جج

۱۴-۵-۱۹۲۹

گواہ نمبر ۱۰:-

برکت علی ہیڈ کانسٹیبل ٹریفک ڈیوٹی لاہور۔

گذشتہ ٦ اپریل کو میں لوہاری گیٹ چوک پر دو بجے ڈیوٹی پر تھا۔ میں کوتوالی سے آ رہا تھا۔ میں نے سنا کہ راجپال کو قتل کر دیا گیا ہے۔ میں سائیکل پر تھا میں شیر محمد کانسٹیبل کے ساتھ مقتول کی دکان پر آیا۔ جب میں جائے وقوعہ پر پہنچا تو میں نے ملزم کو دو آدمیوں کے درمیان پکڑے ہوئے دیکھا جو اس کو مقتول کی دکان پر لا رہے تھے۔ ان دونوں آدمیوں نے ملزم کو بازوؤں سے پکڑا ہوا تھا۔ ان کے علاوہ اور کوئی آدمی نہیں تھا۔

مقتول کی دکان پر بیس یا پچیس افراد جمع ہو چکے تھے۔ رحمت خان کانسٹیبل مجھے اس وقت راستے میں ملا جب ہم مقتول کی دکان پر جا رہے تھے۔ میں نے راجپال کو دکان پر مردہ پایا اور اس کی چھاتی میں ایک زخم تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ملزم نے راجپال کو قتل کر دیا تھا۔ میں نے رحمت خان کو لوہاری گیٹ پولیس چوکی ہتھکڑیاں لانے کے لئے بھیجا۔ رحمت خان ہتھکڑیاں لایا۔ میں نے اس کو ہتھکڑی لگائی اور پولیس چوکی لوہاری گیٹ رحمت خان اور شیر محمد اس کو لے گئے۔

اس وقت لوگوں کا ہجوم بڑھ گیا تھا۔ جب میں ملزم کو بھیج رہا تھا۔ اس وقت تارا چند ہیڈ کانسٹیبل موقع پر آیا۔ مقتول کی لاش گدی پر پڑی ہوئی تھی اور خون آلود چاقو ڈیسک کے نزدیک پڑا ہوا تھا۔ چاقو کی نوک ٹوٹ گئی تھی۔ وہاں پر کچھ کتابیں بھی بکھری

ہوئی تھیں۔ وہاں پر کوئی تخت پوش نہیں تھا۔ عدالت میں جو چاقو ہے یہ وہی ہے جس کی نوک ٹوٹی ہوئی تھی۔ تارا چند نے چاقو اپنے قبضہ میں لے لیا اور ضروری فرد تیار کی جس پر میرے دستخط ہیں جب تارا چند فرد تیار کر رہا تھا سب انسپکٹر جلال دین وہاں آیا اور اُس نے وہاں انکوائری شروع کر دی۔

جرح:۔

راجپال تنومند شخص تھا۔ چاقو کی ٹوٹی ہوئی نوک کو تلاش کیا گیا مگر وہ نہ مل سکی۔

سیشن جج

۱۴-۵-۱۹۲۹

گواہ نمبر ۱۱:۔

تارا چند ہیڈ کانسٹیبل نمبر ۱۶۵۸ تھانہ کچہری

گذشتہ ۶ اپریل کو دو بجے دوپہر میں سیتلا مندر کی طرف آ رہا تھا کہ میں نے شور سنا کہ راجپال کو قتل کر دیا گیا ہے۔ میں فوری طور پر مقتول کی دکان کی طرف دوڑا۔ میں اس کی دکان کو جانتا تھا۔ میں نے برکت علی ہیڈ کانسٹیبل اور دو یا تین آدمیوں کو مقتول کی دکان کے اندر دیکھا اور باہر لوگوں کا ہجوم تھا۔

راجپال اپنی دکان کی گدی پر مردہ پڑا ہوا تھا۔ اِس کی چھاتی پر زخم تھا اور اس کے کپڑے خون آلود تھے۔ ایک نوک ٹوٹا خون میں بھرا ہوا چاقو کیش بکس اور مقتول کی لاش کے درمیان پڑا ہوا تھا۔ میں نے چاقو کو اپنے قبضہ میں لیا اور سپردگی کی فہرست بنانے لگا۔ جب میں فہرست تیار کر رہا تھا سب انسپکٹر جلال دین وہاں آیا۔ سب انسپکٹر نے فوری طور پر اس کا خاکہ کھینچا اور اُس کی ہدایت کے مطابق میں نے اُس کا پارسل بنایا۔ زیر بحث چاقو وہی ہے مقتول کی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے ہسپتال بھیج دیا گیا۔ دس یا پندرہ منٹ کے بعد پولیس کے اعلیٰ افسران جائے وقوعہ پر پہنچ گئے۔ جب میں

مقتول کی دکان پر پہنچا اس وقت تک ملزم کو پولیس چوکی بھیج دیا گیا تھا۔

جرح:-

تقریباً چاقو کا پورا پھل خون سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے فرش پر خون کے دھبے نہیں دیکھے تھے۔

سیشن جج

۱۵-۵-۱۹۲۹

گواہ نمبر ۱۲:-

لالہ ملکھ راج مجسٹریٹ درجہ اوّل لاہور۔

میں ای ایکس پی/ کیو دیکھتا ہوں۔ پولیس کی درخواست پر میں نے ۱۹ اپریل ۱۹۲۹ء کو پولیس لائن میں شناخت پریڈ کرائی۔ پریڈ کا مقصد ملزم علم الدین کی شناخت کرانا تھا۔ ملزم علم الدین سول لائن کی حوالات میں تھا۔ گواہ پولیس لائن میں نہیں تھا بلکہ وہ تھانہ نولکھا میں تھا۔ حوالات ایمپرس روڈ سے سو گز کے فاصلہ پر ہے۔ میں نے حوالات میں ملزم کی شناخت چھ دوسرے آدمیوں کے ساتھ کرائی۔

تقریباً سات یا آٹھ منٹ کے بعد پریڈ تیار ہوگئی۔ میں نے گواہ آتما رام کو حوالات میں لائن میں داخل ہوتے ایمپریس روڈ کی طرف سے دیکھا۔ جدھر سے وہ آیا وہاں سے وہ پریڈ کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ملزم پریڈ میں نمبر دو پر دائیں طرف میرے بائیں کھڑا تھا۔ ملزم نمبر دو یہاں پر اپنی مرضی سے کھڑا تھا۔ میں نے اس کو اس نمبر پر کھڑے ہونے کو نہیں کہا تھا۔ ملزم کے علاوہ تین اور آدمیوں نے شلوار پہن رکھی تھی۔ ملزم کے ساتھ چار اور آدمیوں نے بھی شناخت پریڈ میں پگڑی پہن رکھی تھی۔ دوسرے افراد کے علاوہ ماسوائے دین محمد کے وہ ملزم سے مشابہت رکھتا تھا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ دوسرے افراد سے چھوٹا تھا یا بڑا۔ گواہ آتما رام کو اس کمرے میں بلایا گیا جہاں پر

شناخت پریڈ کا انعقاد تھا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے میرے ساتھ کمرے میں انسپکٹر جواہر لال تھا گواہ نے شناخت پریڈ کے گرد ادھر سے ادھر کا چکر لگایا اور پھر اس نے ملزم علم الدین کو شناخت کر لیا۔ آتما رام سے کہا گیا تھا کہ وہ اس شخص کی شناخت کرے جس کے ہاتھ اس نے چاقو فروخت کیا تھا جس پر گواہ نے کہا تھا کہ یہ وہ آدمی ہے جس کے ہاتھ اس نے چاقو فروخت کیا تھا۔ اس پر میں نے پریڈ کی رپورٹ تیار کی۔

جرح:-

میں پولیس لائن شام ۴ بجے یا ۵ بجے پہنچا تھا۔ میں وہاں پر نصف گھنٹہ رہا وہ چھ افراد جن کو پریڈ میں شامل کیا گیا تھا وہ میرے سے پہلے وہاں موجود تھے۔ میں ان چھ افراد کو نہیں جانتا اور نہ ہی مجھے ان کے نام معلوم ہیں۔ ان چھ آدمیوں نے اپنے نام مع ولدیت کے مجھے دیئے اور اپنا نام پتہ بھی بتایا۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ درست ہے یا نہیں۔ میں نے اس کی تحقیق نہیں کی کہ آیا گواہ آتما رام ان چھ آدمیوں میں سے کسی کو پہلے سے جانتا تھا یا نہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ چار آدمیوں نے پگڑی پہنی ہوئی تھی جن میں تین افراد شلوار پہنے ہوئے تھے۔ میرا تاثر یہ ہے کہ ملزم کے علاوہ دوسروں نے بھی شلوار اور پگڑی پہنی ہوئی تھی۔

میں نے ملزم کے چہرے پر ایسا کوئی نشان نہیں دیکھا جس سے اس کی شناخت میں آسانی ہو۔ اگر ملزم کے چہرے پر کوئی نمایاں نشان ہوتا تو پھر میں اس کو ضرور نوٹ کرتا۔ میں نے ملزم کے کانوں میں کوئی دھاگہ نہیں دیکھا تھا۔ میں اب بھی اس کی ناک یا چہرے پر کوئی نشان نہیں دیکھتا ہوں۔ ملزم اور گواہ کے درمیان سات یا آٹھ فٹ کا فاصلہ تھا۔

مجھے یاد نہیں کہ ملزم کا لباس صاف ستھرا تھا یا گندہ اور دوسرے افراد کے لباس کے بارے میں بھی مجھے یاد نہیں۔ میں نے ملزم کی شناخت پریڈ میں چھ افراد کو شامل کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ان میں سے کچھ حاضر ہیں۔ میں نے جگہ کی تنگی ہونے کی وجہ

سے زیادہ افراد شامل نہیں کیے تھے۔ مجھے یاد نہیں کہ ملزم نے مجھے بتایا ہو کہ شناخت سے پہلے اس کی نشاندہی کی جا چکی تھی۔ اگر وہ ایسی شکایت کرتا تو پھر میں اس کو کاروائی میں ضرور لکھتا۔ اس پریڈ کے دوران میں ملزم سے تین یا چار فٹ سے زیادہ قریب نہیں رہا تھا۔ مجھے اس کے چہرے یا کان پر کسی قسم کے نشان نظر نہیں آئے، جس انداز سے گواہ نے ملزم کی نشاندہی کی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملزم کی شناخت درست ہوئی ہے اور اس کو پہلے سے آگاہ نہیں کیا گیا تھا۔

سیشن جج

۱۵-۵-۱۹۲۹

گواہ نمبر ۱۳:-

نام ہنس راج ہیڈ کانسٹیبل نمبر ۱۸۱۸ تھانہ کچہری۔

میں راجپال کی لاش کو اس کی دکان سے پوسٹ مارٹم کے لئے لے کر گیا تھا یہ پوسٹ مارٹم تک میری تحویل میں رہی۔ پوسٹ مارٹم تک کسی بھی شخص نے کوئی مداخلت نہیں کی۔ مقتول کے جسم سے کپڑے پوسٹ مارٹم سے پہلے اتار لئے گئے تھے۔

جرح:-

مقتول ایک تنومند شخص تھا اس کا قد ۵ فٹ ۶ انچ تھا۔

سیشن جج

۱۵-۵-۱۹۲۹

گواہ نمبر ۱۴:-

گردھاری لال ولد پنڈت نتھو رام عمر ۴۵ سال سکنہ لاہور۔

پتہ: اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ ڈی اے وی سکول بورڈنگ ہاؤس۔

میں مقتول کی لاش کے ساتھ پوسٹ مارٹم کے لئے گیا اور ڈاکٹر کے سامنے لاش کی شناخت کی۔ راستہ میں کسی نے بھی کوئی مداخلت نہیں کی۔ میں مقتول کو کئی سالوں سے جانتا تھا۔

جرح:-

کوئی نہیں۔

سیشن جج

۱۵-۵-۱۹۲۹

گواہ نمبر ۱۵:-

نام۔محمد عثمان ولد عبدالسبحان۔ ذات سیّد۔ سکنہ مزنگ پیشہ ڈرافٹ مین۔

میں نے نقشہ ای ایکس جے/پی تیار کیا۔ یہ دس فٹ ایک انچ کے سکیل پر درست بنایا گیا ہے۔ میں وقوع کے روز وہاں پر شام کو گیا اور مختلف لوگوں نے جو مقامات مجھے دکھائے ان کو میں نے نقشہ پر ظاہر کیا ہے۔

جرح:-

پوائنٹ نمبر ۷ کی جانب ودیارتن (گواہ نمبر ۶) اور پرکاش چندر نے نشاندہی کی تھی۔ پوائنٹ نمبر ۸ میں ان دونوں اشخاص نے نشاندہی کی۔ دونوں پوائنٹ نمبر ۸ پر ان دونوں اشخاص نے نشاندہی کی۔ دونوں پوائنٹ ۷ اور ۸ کے درمیان فاصلہ پیمانے کے مطابق ہے۔تمام نقشہ پیمانے کے مطابق بنایا گیا ہے۔

ٹال میں داخل ہونے کی چوڑائی اٹھارہ فٹ ہے۔ پوائنٹ نمبر ۸ اور پوائنٹ نمبر ۸ کے درمیان فاصلہ ۳۳۲ فٹ کا ہے۔ پوائنٹ نمبر ۱ کے درمیان فاصلہ ۱۲ فٹ کا ہے اور ڈوٹ لائن کا فاصلہ ۳۳۲ فٹ کا ہے۔ جہاں تک میں جانتا ہوں ٹال میں داخل

ہونے اور باہر جانے کا ایک ہی راستہ ہے۔ پوائنٹ نمبرا اور تھڑے کے درمیان سات فٹ کا فاصلہ ہے۔

گواہ نمبر ۱۶:-

نام خوشحال چند ولد لالہ گنگا بشن۔ عمر ۴۲ سال۔ ذات آڑوا۔ سکنہ۔ قلعہ گوجر سنگھ۔

پیشہ: دکاندار۔

جس روز راجپال قتل ہوا مجھے انسپکٹر جواہر لال نے پولیس لائن بلایا۔ میری موجودگی میں انسپکٹر جواہر لال نے ملزم کی قمیض اور شلوار کواٹر گارد پولیس لائن میں اتروائی۔ ان کپڑوں پر خون کے دھبے تھے۔

ان کو میری موجودگی میں پارسل بنانے کے بعد سیل کر دیا گیا۔ اس ضمن میں کاغذات تیار کئے گئے جن پر میں نے دستخط کئے۔ میں یادداشت ایکس پی / کے دیکھتا ہوں جس پر میرے دستخط ثبت ہیں۔ ان دونوں کپڑوں قمیض اور شلوار کا پارسل بنانے سے پہلے میں نے ان پر دستخط کئے۔ زیر بحث اس قمیض اور شلوار کو شناخت کرتا ہوں۔

جرح:-

جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے قمیض کی دائیں آستین پر کہنی کے نزدیک اور شلوار کے دائیں طرف پر گھٹنے کے نزدیک خون کے دھبے تھے۔ دونوں دھبے نہایت ہی معمولی نوعیت کے تھے۔

گواہ نمبر ۱۷:-

نام شیر محمد کانسٹیبل نمبر ۱۸۹۳ تھانہ کچہری۔

۸ اپریل کو مجھے انسپکٹر جواہر لال اور سب انسپکٹر جلال دین نے دو پارسل

دیئے۔ ان میں سے ایک میں کپڑے اور دوسرے میں چاقو تھا۔ میں ان کو لے کر کیمیکل ایگزامینر کے دفتر گیا اور وہاں پر کیمیکل ایگزامینر کے حوالے ان دونوں پارسل کو کیا۔ یہ کپڑے ایک قمیض اور ایک شلوار پر مشتمل تھا۔

جرح:۔

میں اس افسر کا نام نہیں جانتا جس نے یہ پارسل لئے تھے۔

سیشن جج

۱۵-۵-۱۹۲۹

گواہ نمبر ۱۸:۔

نام غلام نبی کانسٹیبل نمبر ۱۷۶۶ تھانہ کچہری۔
جرح کے لئے اس کی شہادت غیر ضروری سمجھی جاتی ہے۔

جرح:۔

کوئی نہیں۔
عدالتی کاروائی ملتوی کی جاتی ہے۔

سیشن جج

۱۵-۵-۱۹۲۹

گواہ نمبر ۱۹:۔

نام جلال دین سب انسپکٹر نمبر سی۔۲۳۴ تھانہ کچہری۔
گذشتہ ٦ اپریل دو بجے دوپہر کو مجھے تھانہ محرر نے بتایا کہ ایک ٹیلی فون چوکی لوہاری گیٹ کے ذریعہ معلوم ہوا ہے کہ راجپال کو قتل کر دیا گیا ہے۔ میں فوراً جائے وقوعہ پر گیا۔ ابھی میں راستہ ہی میں تھا کہ ہیڈ کانسٹیبل نے مجھے بتایا کہ حملہ آور گرفتار کر

لیا گیا ہے اور اس کو پولیس چوکی لوہاری گیٹ پہنچا دیا گیا ہے۔ میں پھر پولیس چوکی گیا اور وہاں پر میں نے ملزم علم الدین کو پولیس کی تحویل میں پایا۔ میں نے ملزم اور اس کے کپڑوں کو دیکھا۔ میں نے ملزم کی قمیض کی دائیں آستین پر چھوٹے خون کے دھبے دیکھے۔ عدالت میں وہی قمیض ہے۔ اس کی شلوار کے دائیں طرف بھی خون کے دھبے تھے۔ یہ بھی اس وقت عدالت میں ہے۔ ملزم کا معائنہ کرتے وقت میں نے اس کی بائیں ہتھیلی کے کونے پر ایک نشان دیکھا۔ دوسرا بائیں ہاتھ کی انگوٹھی والی انگلی اور تیسرا اس کی کہنی پر دیکھا۔ میں نے ڈائری میں ان نشانات اور خون کے دھبوں کو نوٹ کیا۔ بعد میں اس یادداشت کے نوٹ کو ضائع کر دیا۔

میں نے ملزم کے کپڑے اس لئے نہیں بدلوائے کیونکہ مجھے جائے واردات پر پہنچنے کی جلدی تھی۔ میں جائے واردات پر سوا دو بجے پہنچ گیا۔ میں نے مقتول کی لاش گدی پر پڑی ہوئی دیکھی۔ اس کا سر الماری سے لگا ہوا تھا۔ تارا چند ہیڈ کانسٹیبل نے چاقو اپنے قبضہ میں کیا اور برآمدگی فہرست تیار کر رہا تھا۔ چاقو خون سے بھرا ہوا تھا اور اس کی نوک ٹوٹی ہوئی تھی۔ فہرست پر میرے دستخط ثبت ہیں۔ میں نے چاقو کا خاکہ کھینچا اور اس کا پارسل بھی میری موجودگی میں بنایا گیا جس پر میرے دستخط ہیں۔

اس کے بعد میں نے انکوائری کا آغاز کیا اور کیدار ناتھ کا بیان لیا اور اسی کو ایف آئی آر تصور کیا گیا۔ اس کو میں نے تھانہ میں درج کرنے کے لئے بھیج دیا۔ اس کے بعد میں نے ودیا رتن، بھگت رام، نانک چند اور پرمانند کے بیانات ریکارڈ کئے۔ جب میں بھگت رام کا بیان لے رہا تھا تو پولیس کے اعلیٰ حکام وہاں پر پہنچ گئے۔ پھر میں نے زخموں کی اور تفتیش قتل کی رپورٹ شروع کی۔ میں نے مقتول کے سر پر کوئی زخم نہیں دیکھا۔ میں نے ہنس راج ہیڈ کانسٹیبل کو لاش کے پوسٹ مارٹم کے لئے ہسپتال روانہ کیا۔ تفتیش کے دوران پتہ چلا کہ ملزم نے چاقو گمٹی بازار کے ایک کباڑیہ سے خریدا تھا۔ چنانچہ ۷ اپریل کو میں اور انسپکٹر جواہر لال بتائے ہوئے پتہ پر آتما رام کی دکان پر گئے۔

اس کی دکان پر پندرہ چاقو اسی طرح کے لگے ہوئے تھے جیسا کہ ایک اس وقت عدالت میں ہے۔ ہمارے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ اسی قسم کا ایک چاقو اس نے کل بیچا تھا۔ ملزم کے وکیل نے گواہ کے بیان کے اس حصہ پر اعتراض دفعہ ۱۶۲ ضابطہ فوجداری کے تحت کیا۔

ہم نے آتما رام سے دو چاقو لئے تا کہ ان کا موازنہ کیا جا سکے اور اس ضمن میں فرد تیار کی۔

سوال: آپ کو کس سے معلوم ہوا کہ چاقو مقتول کے پاس کہاں پڑا ہوا تھا؟ اس کو کہاں سے خریدا یا حاصل کیا گیا؟

ملزم کے وکیل نے اس پر اعتراض ان وجوہات کی بناء پر کیا کہ اس کا حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا قانون شہادت کی دفعہ ۲۷ کے تحت اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اس کے بارے میں ہائیکورٹ کا ایک فل بینچ فیصلہ دے چکا ہے۔ استغاثہ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ ملزم نے چاقو خریدنے والی دکان کی ازخود نشاندہی کی ہے۔

میری رائے میں ملزم نے جو پتہ بتایا ہے کہ اس نے کہاں سے یہ چاقو خریدا تھا۔ حقائق پر مبنی ہے کہ اس نے یہ چاقو آتما رام کی دکان سے خریدا تھا۔ یہ مسئلہ اس وقت عدالت میں زیر بحث بھی ہے۔ یہ حقیقت میں ذہنی علم ہے جس کی وجہ سے پولیس نے ملزم سے آتما رام کی دکان کا پتہ دریافت کیا۔ اُس نے چاقو وہاں سے خریدا لہٰذا میرے نزدیک اس سوال کی اجازت دی جاتی ہے۔

ملزم نے ہم کو بتایا تھا کہ اس نے یہ مخصوص چاقو گمٹی بازار میں واقع دکان سے خریدا تھا۔ مقتول کو اپنی حفاظت کے لئے پولیس گارد مہیا کی گئی تھی۔ وقوعہ کے روز بھی ایک کانسٹیبل اس کی حفاظت کے لئے دیا گیا تھا اور اس روز کانسٹیبل مقتول کی اجازت سے روٹی کھانے کے لئے گیا تھا۔

جرح:-

میں نے بھگت رام کا بیان ٦ اپریل اور آتما رام کا بیان ٧ اپریل کو تفتیش کے دوران لیا تھا۔ یہ بیانات درست اور احتیاط کے ساتھ ہیں جو کچھ گواہوں سے کہا ریکارڈ کئے گئے تھے۔

ملزم کا وکیل بھگت رام کے بیان کا حصہ اے اور بی اور آتما رام کے بیان کا حصہ سی ان کے بیان کی اصل کاپی سے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا ملزم کو اس کی خواہش کے مطابق ایسا کر دیا گیا۔

بھگت رام کے بیان میں حصہ اے اور بی اور آتما رام کے بیان میں حصہ سی درست ہے اور یہ حصے وہی کچھ پیش کرتے ہیں جو ان دونوں گواہوں نے کہا ہے۔

میں نے وزیر چند کا بیان مقتول کی دکان پر شام ٥ بجے ریکارڈ کیا تھا۔ وزیر چند نے بیان لینے کے دوران صرف جگہ کے معائنہ کرنے، چاقو کا پارسل بنانے اور لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے بھیجنے میں جو وقت لگا صرف اتنے وقت کا وقفہ ہے۔ میں نے چاقو کی ٹوٹی ہوئی نوک کو تلاش کیا۔ اس کو دو دفعہ تلاش کرنے کی کوشش کی گئی۔ میں نے ودیا رتن کے بھائی پرکاش چندر کے بیان کو بھی ریکارڈ کیا۔ میں نے اس کو مقدمہ میں گواہ بنانا ضروری نہیں سمجھا۔ میں نے اپنی ڈائری میں بطور یادداشت کے ملزم کے کپڑوں پر خون کے دھبے یا اس کے جسم پر پائے جانے والے نشانات کو نوٹ نہیں کیا تھا اور یہ کہ بعد میں اس کو ضائع کر دیا۔

یہ کہ آتما رام کی دکان سے چاقو خریدا گیا تھا اس کی اطلاع ٧ اپریل کو ملی تھی۔ اس وقت انسپکٹر جواہر لال بھی موجود تھا۔ اس کے علاوہ دو خفیہ پولیس کے آدمی بھی موجود تھے۔ جو لوگ وہاں موجود تھے وہ باآسانی سن سکتے تھے کہ ملزم نے کیا کہا تھا۔ ہم آتما رام کی دکان پر ٧ اپریل کو شام ساڑھے پانچ بجے گئے تھے، میں نے آتما

رام سے یہ تحقیق نہیں کی تھی کہ چاقو ۷ اپریل کی صبح کو فروخت کیا گیا تھا۔کومیٹنگ مجسٹریٹ کے روبرو میرا یہ بیان درست طور پر ریکارڈ نہیں کیا کہ آتمارام نے کہا تھا کہ چاقو ۷ اپریل کی صبح کو فروخت کیا گیا تھا۔

(گواہ کا بیان انگریزی میں اس طرح ہے)

آتمارام نے مجھے اس صبح آگاہ کیا کہ اس نے چاقو فروخت کیا تھا اور گواہ نے اس کی وضاحت کی "اس صبح" جس کا حوالہ اس صبح جس روز قتل ہوا یعنی ۶ اپریل ہے۔ اس کا بیان مقامی زبان میں ہے۔ لہٰذا اس وضاحت سے اس پر اثر پذیر نہیں ہوتا۔

ملزم کی شلوار کے دائیں طرف جو خون کے دھبے تھے وہ مجھے اس وقت اس کے گھٹنے اور کولہے کے درمیان باہر کی ران پر تھے۔شلوار پر جو خون کے نشانات تھے وہ قمیض کے کونے سے ڈھکے ہوئے نہیں تھے۔ میں نے قمیض اٹھا کر یا کسی اور چھونے کے طریقے سے خون کے دھبے نہیں دیکھے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ملزم نے جو قمیض پہن رکھی تھی وہ اتنی لمبی تھی جس سے اس کی شلوار پر خون کے دھبے چھپ گئے تھے۔

سیشن جج

۱۴-۵-۱۹۲۹

گواہ نمبر ۲۰:۔

نام جواہر لال انسپکٹر پولیس سی آئی اے لاہور۔

میں پولیس سپرنٹنڈنٹ کے دفتر میں تھا کہ ۶ اپریل کو دو بجے کے قریب مجھے راجپال کے قتل کی اطلاع موصول ہوئی۔ میں ایس ایس پی کے ہمراہ وہاں پر ڈھائی بجے پہنچ گیا، وہاں پر عوام کا بڑا ہجوم تھا۔سب انسپکٹر جلال دین گواہوں کے بیانات قلم بند کر رہا تھا۔مقتول اپنی گدی پر مردہ پڑا ہوا تھا اور آلہ قتل چاقو جو مقتول کے قریب سے پایا گیا تھا۔ وہ ہیڈ کانسٹیبل تاراچند کے قبضہ میں تھا۔ اس وقت یہ چاقو عدالت میں

ہے۔ یہ خون سے بھرا ہوا اور اس کی نوک ٹوٹی ہوئی تھی۔ اس وقت ملزم پولیس چوکی لوہاری گیٹ کی تحویل میں تھا مگر ایس ایس پی کے حکم پر اس کو پولیس لائن کی حوالات میں لے جایا گیا۔ مجھے ذاتی طور پر ملزم کے گھر کی تلاشی کے لئے حکم دیا گیا۔ میں پولیس لائن گیا اور ملزم سے اس کے گھر کا پتہ معلوم کیا اور پھر اس کے گھر کی تلاشی لی۔ ملزم کے گھر کی تلاشی لینے پر وہاں سے کوئی خاص چیز برآمد نہیں ہوئی۔

ملزم اپنے والد اور بھائی کے ساتھ ڈبی بازار کے پیچھے ایک گلی میں رہتا تھا۔ تلاشی لینے کے بعد میں جائے وقوعہ پر آیا اور پھر یہاں سے پولیس لائن گیا۔ میں پولیس تھانہ چھ اور ساڑھے چھ بجے کے درمیان پہنچا۔

پھر میں نے ملزم کے خون کے دھبے والی قمیض اور شلوار اتروائی۔ میں نے یہ کپڑے دو شخص ایک خوشحال چند اور دوسرا ہری سنگھ کی موجودگی میں اتروائے۔ اس ضمن میں فرد تیار کی گئی ہے۔

میں نے ان دونوں کپڑوں کا پارسل بنانے کے بعد اگلے روز کیمیکل اگزامینر کے لئے بھیج دیا۔ شلوار کے ایک طرف میں جو سرخ رنگ کا داغ ہے وہ حقیقت میں سرخ سیاہی کا ہے جو میرے سے اس پر گر گئی تھی جس کی فرد موجود ہے۔

میں نے ملزم کے جسم پر بھی زخموں کے نشانات دیکھے۔ میں نے بیان تیار کیا جب میں نے اس کا حلیہ لکھنا شروع کیا تو میں نے دیکھا کہ اس کے دونوں کان چھیدے ہوئے ہیں جن میں دھاگہ پڑا ہوا تھا اور ناک کے دائیں کونے پر نشان تھا۔

جس وقت ملزم پولیس لائن کی حوالات میں بند تھا تو اس طرف کے تمام راستے بند تھے۔ ایک سپیشل گارڈ حوالات پر متعین کر دی گئی تھی تا کہ کوئی بھی شخص ملزم سے رابطہ یا کسی بھی قسم کی اطلاع یا اس کو نہ دیکھ سکے۔ ملزم کو ۱۰ اپریل کی صبح تک حوالات میں رکھا گیا تاوقتیکہ سنٹرل جیل میں مجسٹریٹ کے سامنے انکوائری شروع ہوئی۔ اس کے بعد ملزم جیل میں مقید رہا۔ ۶ اپریل کو شام سے لے کر ۱۰ اپریل کی صبح تک

جب کہ اس کو سنٹرل جیل انکوائری کے لئے پہنچایا گیا۔ اس دوران اُس سے کسی نے بھی کوئی رابطہ نہیں کیا۔

پولیس لائن میں سول سرجن ڈاکٹر نے ملزم کے جسم پر پائے جانے والے زخموں کا معائنہ کیا۔ ۷ اپریل کی صبح کو میں سیل شدہ پارسل جس میں چاقو تھا، ڈاکٹر ڈی آر سی کے پاس لے کر گیا تاکہ یہ معلوم کیا جا سکے واقعی یہ آلۂ قتل میں استعمال ہوا تھا اور اس کی ٹوٹی ہوئی نوک کو بھی تلاش کر سکوں۔ ڈاکٹر ڈی آر سی نے پارسل بنایا اور پھر اس کو کیمیکل معائنہ کے لئے بھیج دیا۔

۷ اپریل کی شام کو ملزم نے مجھے بتایا کہ اس نے یہ چاقو گمٹی بازار سے ایک دکان سے خریدا تھا۔ اس نے مجھے دکان کا پتہ اور دکاندار کا حلیہ بھی بتایا۔ اس اطلاع کے نتیجے کے طور پر میں نے آتما رام کی دکان کا پتہ چلالیا۔ اسی قسم کے چند چاقو آتما رام کی دکان پر رکھے ہوئے تھے۔ آتما رام سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس نے وقوعہ کے روز صبح ایک چاقو اسی نوعیت کا فروخت کیا تھا۔ میں نے نمونے کے طور پر دو چاقو اس کی دکان سے لئے جو اس وقت عدالت میں ہیں، ان دو چاقوؤں کے ضمن میں سب انسپکٹر نے فرد تیار کی جس پر میرے اور آتما رام کے دستخط ثبت ہیں۔

چاقو کی ٹوٹی نوک نہیں ملی تھی۔ مقتول کی لاش پوسٹ مارٹم کے بعد ۹ اپریل کی صبح تک ہسپتال میں رہی۔ کیونکہ اس کے عزیز لاش لینے کے لئے نہیں آئے تھے۔ تقریباً ایک بجے دوپہر میں پولیس دفتر گیا تاکہ ملزم کی شناخت پریڈ کا اہتمام کروں جس میں آتما رام نے ملزم کی شناخت کرنی تھی۔

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی منظوری کے بعد یہ اہتمام کیا گیا کہ لالہ ملکھ راج شناخت پریڈ کی نگرانی کرے گا۔ لالہ ملکھ راج نے پریڈ کے لئے شام ۵ بجے کا وقت پولیس لائن میں مقرر کیا۔ میں نے پولیس دفتر سے ایک ہیڈ کانسٹیبل کو پولیس لائن ٹیلی فون کیا کہ وہ آتما رام کو تھانہ نولکھا لے آئے اور اس کو اس وقت تک وہاں رکھے جب

تک اس کو بلایا نہ جائے۔ میں پولیس لائن تقریباً ساڑھے ۴ بجے پہنچ گیا اور جب مجھے یہ اطمینان ہو گیا کہ ہیڈ کانسٹیبل آتما رام کو تھانہ نولکھا لے کر پہنچ گیا ہے، پھر میں مجسٹریٹ کی آمد کا انتظار کرنے لگا اور ایک ہیڈ کانسٹیبل کو قلعہ گوجر سنگھ بھیجا تاکہ وہ ملزم کے ہم عمر اور اس سے مشابہ چند افراد کو پریڈ میں شامل کرنے کے لئے لے آئے۔

مجسٹریٹ شام ۵ بجے پہنچ گیا۔ ان افراد میں سے مجسٹریٹ نے چھ یا سات افراد کو پریڈ میں شامل کرنے کے لئے منتخب کیا اور ٹیلی فون کے ذریعہ تھانہ نولکھا اطلاع دی گئی کہ وہ ملزم کی شناخت کے لئے آتما رام کو پولیس لائن لے آئے۔ جب آتما رام کو لایا گیا تو وہ حوالات کے گیٹ سے پریڈ کو نہیں دیکھ سکتا۔ جب آتما رام کو حوالات میں لایا گیا تو اس نے پریڈ میں شامل افراد میں سے ملزم کو پہچان لیا۔ یادداشت مجسٹریٹ نے تیار کی اور بعد میں وہ مجھے دے دی۔

جرح:۔

میں نے اُس جگہ کی تلاشی نہیں لی جہاں پر ملزم ترکھان کا کام کرتا تھا۔ جب میں نے ملزم کے گھر کی تلاشی لی تھی اس وقت تک مجھے اس کی کوئی اطلاع نہیں تھی کہ اُس نے یہ چاقو کہاں سے خریدا یا پھر حاصل کیا تھا۔

میں یہ تو جانتا تھا کہ ملزم ترکھان تھا۔ ملزم کے گھر کی تلاشی کسی ہتھیار کی تلاش کے سلسلہ میں نہیں لی گئی تھی کیونکہ آلہ قتل تو پہلے ہی برآمد ہو چکا تھا۔

میں نے گھر میں کچھ ایسے اوزار دیکھے تھے جو ترکھان استعمال کرتے ہیں۔

جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے جب ملزم نے آتما رام کی دکان کا پتہ بتایا تھا اس وقت میں اور دوسی آئی ڈی افسر اور سب انسپکٹر جلال دین بھی وہاں موجود تھا۔ میں نے آتما رام سے تفتیش کی اور سب انسپکٹر نے اس کا بیان ریکارڈ کیا۔

مجھے یاد نہیں کہ جب میں آتما رام کا بیان قلم بند کر رہا تھا وہاں کوئی اور آدمی بھی موجود تھا اس کا بیان اس کی دکان کے تھڑے کے نزدیک لیا گیا تھا۔ آتما رام اپنی

دکان کے بائیں طرف بیٹھا تھا۔ آتما رام کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ چاقو خریدنے والے کی شناخت کے سلسلہ میں ضرورت پڑنے تک لاہور میں رہے۔

میں نے ملزم کا حلیہ لکھتے وقت اس کے کانوں میں چھیدے نشانات اور ناک کے نزدیک نشان کو قلم بند کیا تھا۔ ملزم کی بائیں آنکھ کے نزدیک جو نشان ہے ہوسکتا ہے اس وقت میں نے اس کو نہ دیکھا ہو اور اگر میں نے دیکھا بھی ہو تو میں نے یہ ضروری نہیں سمجھا کہ اس نشان کو شناخت کے طور پر درج کرلوں کیونکہ جن نشانات کو میں نے اس کے حلیہ کی شناخت کے لیے مناسب سمجھا تھا وہ میں نے درج کر لئے تھے۔ میں نے ملزم کے چھیدے ہوئے کانوں سے دھاگہ نہیں نکالا تھا۔ مجھے یہ یاد نہیں آیا کہ شناخت پریڈ کے دوران ملزم کے چھیدے ہوئے کانوں میں دھاگہ تھا یا نہیں۔

آر او اے سی

سیشن جج

۱۶-۵-۱۹۲۹

باب 16:

وکلاء کے دلائل

اگرچہ اُس دور میں برصغیر پاک و ہند میں انگریزوں کی حکومت تھی لیکن اُن کی مسلمانوں سے دشمنی اور تعصب کی بناء پر اُنہوں نے کئی اہم عہدوں پر ہندوؤں کو تعینات کر رکھا تھا۔ اگر کسی جگہ کوئی انگریز عہدیدار بھی ہوتا تھا تو وہ بھی مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتا تھا۔ ایسے موقع پر قتل کا کیس جسے حتمی مقدمے میں منتقل ہونے، ملزم کو مجرم قرار دینے کے لئے کم از کم ایک سال کا عرصہ درکار ہوتا ہے لیکن یہاں تو پوری مشینری اس مقدمہ سے جلد از جلد چھٹکارا پانے کے درپے تھی۔ اس لئے اس کیس کی پہلی دو پیشیوں کے بعد ہی مقدمہ علاقہ مجسٹریٹ سے سیشن کورٹ میں منتقل ہو چکا تھا۔ اس عدالت کے جج مسٹر ٹیپ تھے اور وہ اس مقدمہ کو جلد از جلد ختم کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے وہ بہت سے قانونی دلائل کو بلا کسی عذر خواہی اور جواز کے رد کرتے جاتے تھے۔

دوسری پیشی کے بعد ہی ہندو اخبار غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو سخت سے سخت سزا کی اپیل کر کے عدالت کو مزید الجھن میں دھکیل رہے تھے اور اس فیصلہ پر اپنا سیاسی دباؤ بڑھا رہے تھے۔ بہرحال اس ساری صورتحال میں بھی خواجہ فیروز الدین بیرسٹر اور ان کے معاونین بیرسٹر محمد سلیم اور مسٹر فرخ حسین نے عدالت میں ذیل کے دلائل پیش کیے۔

"استغاثہ کے مطابق جب دوکان میں قاتل آیا تو وہاں صرف دو آدمی موجود تھے جو واقعہ کے عینی شاہد ہیں۔ ان کے سامنے ملزم

نے حملہ کیا۔ مقتول نے حملہ روکا قاتل کے ہاتھوں پر زخم بھی آئے۔ آخر کئی ضربوں کے بعد وہ اسے مار گرانے میں کامیاب ہو گیا اور اپنا کام مکمل کر کے بھاگ گیا۔ جسے تعاقب کے بعد گرفتار کر لیا گیا یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ جو کہ عینی شاہدین ہیں اس اثنائے قتل میں کیوں نہ بولے اور کیوں نہ انہوں نے شور و غوغا بلند کیا تا کہ قاتل موقع پر پکڑا جاتا۔ پھر جو چھری پکڑی گئی ہے اس کا سرا ٹوٹا ہوا ہے جس سے آدمی قتل نہیں ہو سکتا۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب قاتل آیا اس وقت راجپال دوکان کے اندر بیٹھا ہوا تھا اور مقتول بڑے اطمینان سے اس کا کام تمام کر کے ہوا ہو گیا۔ ملازموں نے جو آ کر دوکاندار کو مقتول پایا تو چلاتے ہوئے دوڑے اور ایک مسلمان کو پکڑ کر قاتل بنا دیا حالانکہ اگر یہ قاتل ہوتا تو بھاگ کر انارکلی کے پُررونق بازار میں لوگوں کے جم غفیر میں شامل ہو کر بچ نکلتا نہ کہ غیر آباد سڑک کی طرف جا کر پکڑا جاتا۔ جس دوکان سے چھری خریدنا بیان کیا جاتا ہے وہ کمزور نظر آدمی نظر آتا ہے۔ اسے کس طرح یاد رہ سکتا ہے کہ فلاں شکل و صورت کا ایک آدمی آیا تھا اور چھری خرید کر لے گیا تھا۔ اس سے مقدمہ بالکل ثابت نہیں ہوتا اس لئے جج صاحب کو چاہیے کہ ملزم کو بری کر دیں۔"

لیکن کیس کی سماعت کے دوران جج صاحب نے ذرا برابر بھی بات نہ سنی اور کسی کے دلائل کو قابل اتفاق نہ گردانا بلکہ انہیں تو اس مقدمہ سے جان چھڑانے کی جلدی تھی اور یوں جج نے انتہائی سرعت سے کام لیتے ہوئے غازی علم الدین شہید

رحمۃ اللہ علیہ پر فردِ جرم عائد کرتے ہوئے انہیں دفعہ ۳۰۲ تعزیزات ہند کے تحت مجرم قرار دیا اور ۲۲ مئی ۱۹۲۹ء کو پھانسی کی سزا کا حکم سنا دیا۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی عمر اُس وقت اکیس برس تھی۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا بیانِ حلفی:۔

علم الدین ولد طالع مند ذات ترکھان عمر ۱۸ سال بڑھئی سکنہ محلہ سریانوالہ لاہور

سوال 1: کیا تم نے مورخہ ۶ اپریل ۱۹۲۹ء بوقت دو بجے دوپہر مرحوم راجپال پر چاقو سے حملہ اس کو قتل کرنے کی نیت سے کیا تھا۔ کیا تم نے مقتول کے سینے میں چاقو پیوست نہیں کیا جس سے اس کی موت واقع ہوئی؟

جواب: نہیں

سوال 2: کیا تمہارا واردات کے موقع سے تعاقب کیا گیا اور ودیارتن کے ٹال سے اس واقعہ کے فوری بعد گرفتار کیا گیا؟

جواب: میں سبزی منڈی کی طرف سے آ رہا تھا اور بغیر کسی وجہ کے مجھے گرفتار کر لیا گیا۔

سوال 3: کیا تم نے پکڑے جانے کے وقت یہ نہیں کہا تھا کہ میں کوئی چور نہیں ہوں بلکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدلہ لے لیا ہے؟

جواب: میں نے صرف یہ کہا تھا کہ میں چور نہیں ہوں۔

سوال 4: کیا گرفتاری کے بعد تمہارے قبضہ سے قمیض اور شلوار برآمد نہیں ہوئی تھی؟

جواب: قمیض میری ہے اور میرے قبضہ سے برآمد ہوئی تھی لیکن شلوار میری نہیں ہے اور میرے سے برآمد نہیں ہوئی۔

سوال 5: کیا تم نے قتل کے روز چاقو آتما رام سے خریدا تھا؟

جواب: نہیں

سوال 6: تمہارے خلاف یہ مقدمہ کیوں درج ہوا؟

جواب: میں بے گناہ ہوں اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ میرے خلاف یہ جرم کیوں لگایا گیا ہے۔

سوال 7: کیا تم کچھ اور کہنا چاہتے ہو؟

جواب: کچھ نہیں۔

اے ڈی ایم لاہور

۲۴-۴-۱۹۲۹

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا دفاعی بیان:-

کراؤن بنام علم الدین

قیدی نمبر۱: نام علم الدین ولد طالع مند عمر ۱۸ سال (۲۰ سالہ دکھائی دیتا ہے)

ذات ترکھان سکنہ محلہ سریانوالہ لاہور، پیشہ۔ بڑھئی

ملزم نے اپنے دفاع میں مندرجہ ذیل بیان دیا!

میں نے مجسٹریٹ کے روبرو جو بیان دیا ہے وہ سن لیا ہے اور وہ درست ہے۔

سوال نمبر: کیا تم نے مزید کچھ اور کہنا ہے؟

جواب: جب مجھے پکڑا گیا تو مجھے بہت مارا گیا اور پولیس لائن میں بھی جب مجھے لے جایا گیا تو وہاں بھی خوب مارا۔ جو کچھ میں نے کہا وہ کسی نے نہیں سنا۔ شناخت پریڈ میں مجھے ایک پگڑی اور ایک جوتے کا جوڑا دیا گیا۔ میں نے ان کو پہن لیا لیکن انسپکٹر جواہر لال نے مجھے ان کو اتارنے کو کہا اور میں نے ایسا ہی کیا۔ جب مجسٹریٹ آیا تو مجھے دوسرے لوگوں کے ساتھ پریڈ کرائی گئی۔ میرا دوسرا نمبر تھا اور میرے ساتھ ایک بوڑھا آدمی آتما رام آیا اور اس نے اپنا ہاتھ مجھ پر رکھ دیا۔ اسی صبح تقریباً ۹ بجے جب میں حوالات میں آیا۔ انسپکٹر نے مجھے ایک سگریٹ پیش کیا جو میں نے پیا۔ شناخت کے وقت صرف میں نے پگڑی پہنی ہوئی تھی اور کسی نے نہیں پہنی ہوئی تھی اور

دوسرے شناخت میں شامل لوگوں نے جوتے پہنے ہوئے تھے جبکہ میں نے جوتے نہیں پہنے ہوئے تھے۔ جب ڈاکٹر پولیس لائن میں میرا معائنہ کر رہا تھا تو انسپکٹر نے مجھے بتایا کہ میں اپنی دائیں کہنی اور گھٹنے پر آنے والے زخموں کو نہ دکھاؤں۔ مجھے دھمکی دی گئی تھی کہ اگر میں نے اپنے یہ زخم ڈاکٹر کو دکھائے تو مجھے سخت مار پڑے گی۔ جب مجھے پکڑا گیا اس وقت ہندوؤں نے مجھے بہت مارا تھا اور ایک بڑے ترازو کی طرف دھکیلا گیا تھا جس سے میری کہنی اور گھٹنے میں کیل لگنے سے زخم آئے تھے۔ پولیس نے بھی میرے ساتھ بے حد تشدد کیا۔ اس کے علاوہ میں نے کچھ نہیں کہنا۔

سوال: تمہاری کہنی اور گھٹنے پر جو زخم آئے تھے کیا ان سے خون بہا تھا؟

جواب: ہاں۔

سوال: جب تم کو ہندوؤں نے پکڑا تو کیا تم نے یہ شلوار قمیض پہن رکھی تھی؟

جواب: میں نے قمیض پہن رکھی تھی لیکن یہ شلوار میری نہیں۔ میں نے دوسری شلوار پہنی ہوئی تھی جو پھٹ گئی تھی۔

سوال: کیا تم نے کوئی اور گواہ عدالت میں پیش کرنا ہے؟

جواب: نہیں

جب بیان پڑھا جا رہا تھا تو ملزم نے مزید اضافہ کیا۔

جب مجسٹریٹ شناخت کے لئے آیا تو میں نے شکایت کی لیکن کسی نے میری بات کو نہیں سنا۔

دستخط سیشن جج لاہور

۱۹۲۹-۵-۱۶

عدالتی فیصلہ:-

علم الدین ولد طالع مند عمر اٹھارہ یا بیس سال، ترکھان، سکنہ محلہ سریانوالہ اندرون شہر لاہور پر تعزیزات ہند کی دفعہ ۳۰۲ کے تحت قتل کا الزام ہے جس نے ایک ہندو کتب فروش راجپال کو ہسپتال روڈ پر ۶ اپریل ۱۹۲۹ء کو قتل کیا۔

مقتول جو ایک پمفلٹ بعنوان ''رنگیلا رسول'' کا ناشر تھا اُس پر حکومت نے دفعہ ۵۳/اے تعزیزات ہند کے تحت مقدمہ درج کیا کیونکہ اس پمفلٹ کی اشاعت سے مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان دشمنی پیدا ہوئی تھی۔ اس کو ڈیڑھ سال قید بامشقت کی سزا کے علاوہ ایک ہزار روپے جرمانہ بھی ہوا اور عدم ادائیگی جرمانہ کی صورت میں اسے مزید چھ ماہ جیل میں گزارنے پڑیں گے۔ اس کو ۱۸ جنوری ۱۹۲۷ء کو سزا سنائی گئی اس کی اپیل ۱۸ فروری ۱۹۲۷ء کو سنی گئی اور سزا کی مدت چھ ماہ کر دی گئی اور جرمانہ برقرار رکھا گیا۔

نظر ثانی کی درخواست ہائیکورٹ میں دائر کی گئی جس کی بناء پر مجرم کی سزا کو ۴ مئی ۱۹۲۷ء کو معاف کرتے ہوئے بری کر دیا گیا۔ اس کی وجوہات یہ بیان کی گئی کہ اگرچہ پمفلٹ میں مسلمانوں کے مذہب کے بانی پر سخت فحش زبان میں طنز نہ کیا گیا ہے اور نہ ہی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے مذہب پر حملہ کیا گیا ہے۔ جس سے ہندو اور مسلمان قوموں کے درمیان دشمنی یا نفرت پائی جاتی ہو۔ لہٰذا مقدمہ دفعہ ۱۵۳/اے کے دائرے میں نہیں آتا۔

شہادت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مقتول پر اس سے پہلے بھی دو دفعہ قاتلانہ حملے کیے گئے جس کے نتیجے میں اس کے گھر پر پولیس گارڈ اس کی غیر موجودگی میں نہیں بٹھائی گئی اور جب وہ ۴ اپریل کو واپس آیا تو گارڈ کو بحال نہیں کیا گیا جیسا کہ مقتول کے ملازمین (گواہ نمبر ۲ اور ۳) کیدارناتھ اور بھگت رام نے بتایا۔

سب انسپکٹر جلال الدین (گواہ نمبر ۱۹) نے بتایا کہ اس کو ایک کانسٹیبل مہیا کر

دیا گیا تھا لیکن وقوع کے وقت وہ مقتول کی اجازت سے کھانا کھانے چلا گیا تھا۔ یہ نکتہ کوئی اہمیت کا حامل نہیں ہے۔ لہٰذا میں ان دونوں ملازمین کی گواہی کو زیادہ ترجیح دیتا ہوں اور میرے خیال میں سب انسپکٹر کی گواہی میں کوئی ٹھوس ثبوت موجود نہیں ہے کیونکہ عام طور پر پولیس ملازم دوپہر کو کھانا نہیں کھاتے۔

جیسا کہ نقشہ ای ایس بی / جے جس کو محمد عثمان ڈرافٹ مین نے بنایا ہے اس میں دکھایا گیا ہے کہ ہسپتال روڈ انارکلی بازار کے قریب لوہاری چوک سے جا ملتا ہے جو کہ جنوب مغرب سے شمال مشرق کو ہے۔ مقتول کی دکان انارکلی بازار اور لوہاری گیٹ چوک سے جنوب مشرق کی طرف ہے۔

دکان دو کمروں جو کہ آگے پیچھے ہیں اور ایک لکڑی کا نچلا تھڑا جو کہ سامنے ہے اُس پر مشتمل ہے۔ وہ دروازے بیرونی کمروں کی طرف جاتے ہیں اور پھر دو دروازے اندر کے کمروں کو جاتے ہیں۔ دکان کے اوپر گوروگھنتال کا دفتر ہے۔

وہ دن جو زیرِ سوال ہے تقریباً دو بجے دن کو مقتول اپنی گدی پر بیٹھا ہوا خط لکھ رہا تھا جیسا کہ نقشہ میں ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ بیرونی کمرے کے باہر کے دروازے کے نزدیک بیٹھا تھا کیدار ناتھ (گواہ نمبر ۲) جو کہ مقتول کا ملازم ہے وہ اندرونی کمرے میں کام کر رہا تھا (نقشہ میں پوائنٹ نمبر ۳) جبکہ بھگت رام (گواہ نمبر ۳) مقتول کا دوسرا ملازم لکڑی کی سیڑھی پر کھڑا شیلف میں کتابیں رکھ رہا تھا۔

ان دو چشم دید گواہوں کے مطابق قاتل اپنے ہاتھ میں چاقو لئے ہوئے دکان میں داخل ہوا۔ اس نے مقتول پر حملہ کیا اور اس کے سینے پر وار کیا۔ چاقو کو پھینکا یا نیچے رکھ دیا اور باہر ہسپتال کی طرف بھاگا، جب کیدار ناتھ اور بھگت رام نے اپنے مالک پر حملہ ہوتے دیکھا تو انہوں نے قاتل پر کتابیں پھینکیں۔ وہ زور سے چلائے اور اس کے تعاقب میں بھاگے۔ کیدار ناتھ اور بھگت رام کی چیخ و پکار نے نانک چند اور پرمانند کی توجہ اپنی طرف کر لی (گواہ نمبر ۴ اور ۵) اور وہ بھی ان کے ساتھ تعاقب کرنے میں

شریک ہو گئے۔ ملزم کے پیچھے پرمانند تھا جس نے دیکھا کہ ملزم ودیارتن کے ٹال میں گھس گیا جو اس وقت اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا جیسا کہ نقشہ میں پوائنٹ نمبر ۶ میں دکھایا گیا ہے۔ ودیارتن جس نے ملزم اور تعاقب کرنے والوں کو اپنے دفتر کے دروازے میں سے جو سڑک کی طرف کھلتا تھا اس میں سے ان کو دیکھا وہ صحن میں دوسرے دروازے سے گیا۔

ملزم واپس مڑا (نقشہ نمبر ۷) ودیارتن اس سے ٹکرایا اور پھر اس کو پکڑ لیا۔ نقشہ نمبر ۸ کا پوائنٹ ظاہر کرتا ہے جب تعاقب کرنے والے آئے اس وقت تک ملزم پر پوری طرح قابو پایا جا چکا تھا۔ اس وقت ملزم نے کہا تھا کہ وہ کوئی چور یا ڈاکو نہیں ہے۔ بلکہ اس نے محمد ﷺ کا بدلہ لے لیا ہے۔

وزیر چند (گواہ نمبر ۷) جو گوجرانوالہ کا ٹھیکیدار ہے وہ گورو گھنٹال کے دفتر میں بیٹھا ایڈیٹر سے باتیں کر رہا تھا، اس وقت اس نے شور سنا، ''مار دیا، مار دیا'' ''پکڑو'' اور راستے میں کسی چیز کے گرنے کی آواز بھی سنی۔ جب اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا تو اس نے سڑک پر کچھ کتابوں کو پڑا ہوا پایا اور ایک آدمی جس نے سرخ دھاری والی قمیض (ملزم نے تسلیم کیا کہ یہ اس کی قمیض تھی) سفید پگڑی اور سفید شلوار پہنے ہوئے سڑک پر بھاگ رہا تھا۔ جس کے تعاقب میں دو یا تین افراد تھے۔

وہ بھی تعاقب کرنے والوں کی چیخ و پکار میں شامل ہو گیا اور سیڑھیوں سے نیچے آکر اس کے تعاقب میں بھاگا۔ جب میں ودیارتن کے ٹال پر پہنچا تو اس کو قابو میں کر لیا جس کو بعد میں ملزم نے شناخت کی۔ اس گواہ نے بتایا کہ ملزم کو جب پکڑا گیا تو اس نے اپنے بازو بلند کیے اور کہا کہ میں نہ تو چور ہوں اور نہ ہی ڈاکو ہوں بلکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کا بدلہ لے لیا ہے۔ ملزم کو پکڑنے والے اسے مقتول کی دکان پر لائے اور اس کو پولیس کے حوالے کر دیا جس میں کانسٹیبل رحمت خان (گواہ نمبر ۹) برکت علی ہیڈ کانسٹیبل (گواہ نمبر ۱۰) اور تارا چند ہیڈ کانسٹیبل (گواہ نمبر ۱۱) سب سے پہلے جائے

واردات پر پہنچے۔ ملزم کو ہتھکڑی لگائی اور اس کو لوہاری گیٹ پولیس چوکی رحمت خان کانسٹیبل لے کر گیا۔ سب انسپکٹر جلال الدین کو بذریعہ تار پیغام کچہری تھانے اطلاع دی گئی تھی لیکن ابھی وہ راستہ ہی میں تھا کہ اس کو بتایا گیا کہ ملزم کو گرفتار کر کے پولیس چوکی لوہاری گیٹ پہنچا دیا گیا ہے، لہٰذا وہ پہلے وہاں گیا۔ اس نے دیکھا کہ ملزم کی قمیض کی دائیں آستین پر خون کے دو چھوٹے دھبے تھے اور شلوار کے دائیں پائنچے پر خون کا دھبہ تھا۔ اس نے ان دھبوں کو نوٹ کیا اور یہ بھی دیکھا کہ اس کے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر بھی ضرب کا نشان تھا۔ دوسرا زخم بائیں ہاتھ کی انگلی اور تیسرا دائیں ہاتھ کی کہنی پر بھی تھا۔ اس کے بعد انسپکٹر جائے وقوعہ کی طرف روانہ ہوا۔ تارا چند ہیڈ کانسٹیبل نے آلہ قتل چاقو کو پہلے ہی اپنے قبضہ میں کر لیا تھا جو اس کو مقتول کے قریب پڑا ہوا ملا تھا۔ اس پر سب انسپکٹر کے دستخط بھی موجود ہیں۔ چاقو کا خاکہ بنانے کے بعد اس کو پارسل میں محفوظ کر لیا گیا اور اس کو سیل کر دیا گیا۔

کیدار ناتھ کے بیان کو سب سے پہلے قلم بند کیا گیا اور اس کو ہی ایف آئی آر تصور کیا گیا۔ پھر دوسرے گواہان کا بیان قلم بند کیا گیا۔ اسی دوران سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس اور انسپکٹر جواہر لال (گواہ نمبر ۲۰) وہاں پہنچ گئے۔ مقتول کے زخموں کی رپورٹ تیار کرنے کے بعد اس کو پوسٹ مارٹم کے معائنہ کے لئے لاش کو ہسپتال بھیج دیا گیا۔

ایس ایس پی کے حکم کے مطابق ملزم کو لوہاری گیٹ پولیس چوکی سے سول لائن کے تھانے میں بند کر دیا گیا۔ انسپکٹر جواہر لال نے ملزم کے گھر کی تلاشی لینے کے بعد وہاں سے خوشحال چند (گواہ نمبر ۱۶) کی موجودگی میں وہاں سے اس کی قمیض اور شلوار برآمد کی جس کو ملزم پہنے ہوئے تھا اور ان پر خون کے دھبے بھی موجود تھے۔ شام کو انسپکٹر تھانہ سول لائن کے سامنے انکا بھی پارسل بنایا گیا۔ اس کو سیل کرنے کے بعد کیمیکل ایگزامینر کے لئے روانہ کر دیا گیا۔ ۷ اپریل کی شام کو ملزم کے بتانے پر آتما رام (گواہ نمبر ۸) جو کہ کباڑیہ یا پرانی چیزوں کے فروخت کرنے کا سٹور چلاتا ہے۔

اس کا پتہ انسپکٹر جواہر لال اور سب انسپکٹر جلال الدین سے لگا لیا گیا جو کہ گمٹی بازار میں کاروبار کرتا ہے، اس کی دکان پر ایک ہی جیسے کئی چاقو نظر آئے اور اس نے بتایا کہ گذشتہ روز اس نے ان چاقوؤں سے ملتا جلتا چاقو ملزم کے ہاتھ فروخت کیا تھا۔ دونوں پولیس افسروں نے وہاں سے دو چاقو لئے اور یادداشت تیار کی۔

اس ضمن میں جو ملزم نے آتما رام کی دکان کے بارے میں انکشاف کیا ہے میں نے اس بات کو بھی نوٹ کیا ہے کہ مسٹر سلیم نے ان حقائق پر اعتراض کیا ہے کہ دونوں پولیس افسران نے اپنے ذہنی علم کی بدولت ایسی بات بنائی ہے جس کے تحت انھوں نے آتما رام کی دکان کا سراغ لگایا اور حال ہی میں فل بنچ ہائیکورٹ کا فیصلہ قانون شہادت کی دفعہ ۲۷ کے تحت اہم واقعات پر لاگو ہوتی ہے نہ کہ ذہنی حقائق پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

ان دلائل کا فائدہ معزز کونسل کی اختراع کو جاتا ہے لہٰذا میں اس اعتراض کو رد کرتے ہوئے کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا ہوں اور گواہ کی طرف اتنی بات ہی اہم ہے کہ چاقو آتما رام کی دکان سے خریدا گیا تھا۔ اس کا انکشاف خود ملزم نے کیا ہے اور اسی کے انکشاف کرنے پر دکان کا پتہ چلایا گیا۔ اگر ملزم چاقو لے جاتا اور اس کو چھپا دیتا تو پھر اس بات کی شہادت ہوتی کہ اس نے کہاں پر چھپایا اور کہاں سے اس کو برآمد کیا گیا۔ شناخت کے طور پر دو ایک جیسے چاقو پیش کئے گئے اور ملزم نے واردات میں استعمال ہونے والے چاقو کو پہچان لیا جس سے اس نے قتل کیا تھا۔ یہ اہم حقائق ہیں اس کے علاوہ اس مقدمہ میں کسی اور چیز کو برآمد نہیں کرنا تھا کیونکہ یہی چاقو بطور آلہ قتل استعمال ہوا تھا۔

۹ اپریل کو تھانہ پولیس لائن میں شناخت پریڈ مجسٹریٹ درجہ اول ایل ملکھ راج کی سربراہی میں کرائی گئی جس میں چھ افراد میں سے آتما رام نے اس شخص کو پہچان لیا جس نے اس کی دکان سے چاقو خریدا تھا۔ آتما رام، لالہ ملکھ رام اور انسپکٹر جواہر

لال کی شہادتوں کو اور اس محضر نامہ کو بھی دیکھو جو مجسٹریٹ کی موجودگی میں تیار کیا گیا۔

آتما رام کی گواہی سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے چھاؤنی کے ایک میڈیکل سٹور سے پانچ سو کے قریب چاقو نیلام میں تین سال یا اس سے کچھ پہلے خریدے تھے۔

ان چاقوؤں میں سے کچھ چاقو اس نے اپنی دکان کے باہر فروخت کرنے کے لئے لگائے ہوئے تھے کہ ۶ اپریل کی صبح کو ملزم اس کی دکان پر آیا اور پوچھا کہ کیا کوئی چاقو اس کے پاس فروخت ہونے کے لئے ہے۔ آتما رام نے اس کو کچھ چاقو دکھائے جن میں سے ملزم نے ایک چاقو پسند کیا اور تھوڑی دیر سودا بازی کرنے کے بعد چاقو کی قیمت ایک روپیہ طے ہوئی۔ ملزم نے آتما رام سے کہا کہ وہ اس چاقو کو علیحدہ رکھے تا کہ وہ اس اثناء میں ایک روپیہ لے آئے۔ وہ ایک گھنٹے کے بعد واپس آیا اور اس نے ایک روپیہ ادا کیا اور چاقو لے لیا۔

آتما رام نے مزید حلفی بیان دیا کہ اس نے ملزم کو اس لئے شناخت کر لیا کہ جس وقت اس نے چاقو خریدا تھا اس نے دیکھا تھا کہ ملزم کے دونوں کان چھیدے ہوئے تھے جن میں دھاگہ پڑا ہوا تھا اور ناک کی دائیں طرف ایک نشان تھا۔ انسپکٹر نے اپنی گواہی میں بتایا ہے کہ جس وقت اس نے ملزم کا حلیہ اپنی ڈائری میں لکھا تھا تو یہ دونوں باتیں اس نے لکھی تھیں یہ بھی درست ہے کہ ملزم کی ناک کی دائیں طرف ایک نشان ہے اور ایسے شواہد بھی ملتے ہیں کہ اس کے کان چھیدے ہوئے تھے۔ اس نکتہ پر جب عدالت میں کاروائی اختتام پذیر ہو گی تو اس وقت بحث کروں گا۔ آتما رام کی باقی گواہی ملزم کی شناخت سے تعلق رکھتی ہے۔

ہنس راج ہیڈ کانسٹیبل (گواہ نمبر ۱۳) کی گواہی کو سرسری طور پر دیکھتے ہوئے جو کہ پوسٹ مارٹم تک لاش کے پاس رہا۔ گردھاری لال (گواہ نمبر ۱۴) جس نے لاش کی شناخت کی اور شیر محمد (گواہ نمبر ۱۷) جس نے چاقو اور کپڑوں کا پارسل جس پر خون کے نشانات تھے کیمیکل ایگزامینر سے وصول کئے، اب میں میڈیکل رپورٹ کی طرف

آتا ہوں۔

ڈاکٹر ڈی آرسی کے مطابق مقتول کے جسم پر آٹھ زخم آئے جن میں سے چار زخموں نے اس کے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو چیر ڈالا تھا جبکہ دائیں ہاتھ کی درمیان والی انگلی بائیں ہاتھ کی انگلی میں بھی جلد کی گہرائی تک زخم آئے۔ پانچویں زخم نے اس کے سر کو چیر ڈالا اور جو کھوپڑی کی کھال تک گہرا زخم آیا جس سے کھوپڑی کی دائیں طرف ٹوٹ گئی۔ دو گہرے زخم بائیں طرف کندھے پر آئے۔ سب سے زیادہ گہرا زخم بائیں طرف چھاتی پر آیا جو پسلیوں کو چیرتا ہوا بائیں پھیپھڑے سے ہوتا ہوا دل تک آیا اور یہی زخم موت کا سبب بنا۔

وہ چاقو جو مقتول کے پاس سے ملا تھا اس کی نوک آگے سے ٹوٹی ہوئی تھی اور انسپکٹر جواہر لال نے ڈاکٹر ڈی آرسی سے کہا تھا کہ اس کا ٹوٹا ہوا نوک کا ٹکڑا مقتول کے جسم میں سے تلاش کرنے کی کوشش کرے مگر اس کو اس میں کامیابی نہ ہوئی۔

گواہ نے اپنی رائے کا اظہار کیا کہ ہو سکتا ہے کہ ٹوٹے ہوئے نوک کی وجہ سے ہی چھاتی کے بائیں طرف گہرا زخم آیا کیونکہ اس طرح استعمال کرنے میں زیادہ طاقت استعمال ہوئی ہو جس قسم کے زخم کی طرف ڈاکٹر وی آرسی نے نشاندہی کی ہے۔ اس کے بارے میں میرا خیال ہے کہ بڑی حد تک زیادہ طاقت کا استعمال ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ڈی آرسی کی شہادت سے مزید پتہ چلتا ہے کہ چاقو نہایت تیز تھا۔ چاقو کی کل لمبائی ساڑھے تیرہ انچ تھی جس میں ساڑھے ۸ انچ لمبا اس کا پھل (بلیڈ) تھا۔ ڈاکٹر کی رائے میں مقتول کی ہتھیلی پر جو زخم آئے ہیں وہ اس نے اپنی جان بچانے کے لئے ملزم سے مقابلہ کے دوران کھائے ہیں۔

اس کی یہ بھی رائے تھی کہ وہ خون کے نشان جو قاتل کے کپڑوں پر پائے گئے ہیں اس خون کے نہ ہوں جو زخم سے نکلا ہو۔ جرح کے دوران دوسرے اور نکات جن پر بحث کی گئی ہے میرے خیال میں اتنے اہم نہیں ہیں۔

چاقو اور لباس کے کپڑوں کو جو کیمیکل ایگزامینر کے لئے بھیجا گیا تھا، اس کی رپورٹ کے مطابق ان دونوں چیزوں پر انسانی خون کے دھبوں کے نشان ہیں۔

ڈاکٹر ڈی آر سی نے ۷ اپریل کی دوپہر کو ملزم کا بھی طبی معائنہ کیا تھا جس سے یہ پتہ چلتا تھا کہ اس کے دائیں ہاتھ کی انگلی اور بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے نزدیک چھوٹی انگلی پر بھی زخم آئے تھے۔ یہ نشان گواہی کے نزدیک اس کے ترکھان ہونے کے پیشہ کی وجہ سے بھی آسکتے ہیں۔

ملزم نے مجسٹریٹ کو بتایا تھا کہ اس نے مقتول کو قتل نہیں کیا تھا لیکن اس بات کو تسلیم کیا کہ اس کو ودیارتن کے ٹال سے گرفتار کیا گیا جبکہ وہ سبزی منڈی کی طرف سے آرہا تھا۔ اس نے ان لفظوں سے بھی انکار کیا جو اس نے پکڑے جانے کے وقت استعمال کئے تھے کہ وہ چور نہیں ہے۔ اس نے اس کو بھی تسلیم کیا کہ قمیض اس کی ہے جبکہ شلوار اس کی نہیں ہے۔ اس نے اس امر سے بھی انکار کیا کہ اس نے چاقو آتمارام سے خریدا تھا لیکن اس ضمن میں وہ کوئی معقول جواب نہ دے سکا۔

اس عدالت میں اس نے مجسٹریٹ کے روبرو جو بیان دیا ہے اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے اور کہا ہے کہ پولیس نے اس کے ساتھ بدسلوکی کی ہے، اس نے یہ بھی کہا ہے کہ شناخت کی صبح کو انسپکٹر جواہر لال نے آتمارام کو اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ دوسرے تمام شناخت میں شریک افراد نے اس کے علاوہ سب ہی نے جوتے پہنے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ اور کسی نے پگڑی بھی نہیں باندھی ہوئی تھی۔

اس نے مزید بیان دیا کہ جب وہ پکڑا گیا تو ہندوؤں نے اس کو بہت مارا اور پھر وزن تولنے والے کانٹے پر اس کو دھکا دیا جس سے اس کی کہنی اور گھٹنے میں زخم آئے۔ ملزم نے اس کے بارے میں یقین سے نہیں کہا ہے۔ لہٰذا اس کے بیان سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ خون کے وہ دھبے جو قمیض کے دائیں بازو پر پائے گئے ہیں وہ کیل لگنے کی وجہ سے زخم خون کے ہوں۔ وہ اس کے بھی دلائل دیتا ہے کہ وہ دھبے جو شلوار پر پائے

گئے ہیں وہ کیل لگنے کی وجہ سے ہو سکتے ہیں۔ لیکن وہ اس سے انکار کرتا ہے کہ شلوار اس کی ہے۔ اس نے اپنے دفاع میں کوئی ٹھوس شہادت مہیا نہیں کی ہے۔

مقدمہ کی سماعت کے دوران دو مسلم اور ہندو ثالثوں نے عدالت کی مدد کی۔ اول الذکر کی رائے میں ملزم پر قتل کا جرم ثابت نہیں ہوتا ہے جبکہ موخر الذکر کے نزدیک یہ جرم ثابت ہوتا ہے۔ مسلمان ثالث کی رائے کو قبول کرنا مشکل ہے کیونکہ اس میں ان کے مذہبی جذبات شامل ہیں۔ مجھے یہی تاثر ملتا ہے جبکہ دونوں ہندو ثالثوں کے بارے میں بھی یہی ہے کہ وہ مقتول کے مذہب سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کی رائے بھی یکساں جذبات رکھتی ہے۔ میری اپنی رائے کے مطابق جبکہ میں نے گواہوں اور دوسری شہادتوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ملزم پر قتل کی فرد جرم درست ثابت ہوتی ہے۔

مسٹر سلیم کا یہ کہنا کہ کسی بھی شخص نے قاتل کو نہیں دیکھا تھا اور یہ کہ اگر دو آدمی موجود ہوں تو پھر قاتل ان کی موجودگی میں قتل کرنے کے بعد جائے وقوعہ سے فرار نہیں ہو سکتا۔ دوسرے وہاں پر کوئی عینی شاہد بھی نہیں تھا۔ میرے خیال میں یہ دلائل کوئی وزن نہیں رکھتے ہیں۔ حقائق سے بالاتر کیدار ناتھ اور بھگت رام ہندو ہیں اور دونوں ہی مقتول کے ملازم بھی ہیں۔ لہٰذا ان کی شہادت پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ ایسی شہادت کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ میں اس بات سے اتفاق نہیں کرتا کہ قاتل اور مقتول کے درمیان کوئی کشمکش ہوئی ہو۔ جس کی بناء پر جیسے کہ معزز وکیل نے اشارہ کیا ہے کہ زخم اسی کی وجہ سے آئے ہیں۔ جس حالت میں مقتول تھا اس حالت میں اپنا بچاؤ کرنے کا جواز ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میڈیکل شہادت بھی کیدار ناتھ اور بھگت رام کی گواہی کی تائید کرتی ہے کہ مقتول اپنی گدی پر بیٹھا ہوا لکھ رہا تھا۔ میری رائے میں ہاتھوں، سر اور کندھوں پر جو زخم آئے ہیں وہ اسی نوعیت کے ہیں کہ مقتول نے اپنے بچاؤ کے لئے جدوجہد کی ہے۔ جب قاتل نے یہ دیکھا کہ اس کے وار زیادہ کارگر نہیں ہو رہے ہیں تو پھر اس نے چاقو کی نوک مقتول کے سینے میں پیوست کر دی۔ لیکن اس قسم کے مفروضات

اور قیاس آرائی کیدار ناتھ اور بھگت رام کی شہادت کے سامنے کوئی معنی نہیں رکھتی۔
کیونکہ ان دونوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے مقتول کو قتل ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔

یہ حقائق کہ قاتل پر کچھ کتابیں پھینکی گئی تھیں اس کی تائید وزیر چند (گواہ نمبر ۷) نے بھی کی ہے۔ شہادت میں اس کا فرق کہ چاقو کس طرف پڑا ہوا تھا، میرے خیال میں اہمیت نہیں رکھتا۔ مسٹر سلیم نے ان حقائق پر زور دیا ہے کہ چاقو پیچھے رہ گیا تھا اور برکت علی کے مطابق (گواہ نمبر ۱۰) چاقو کا پھل (بلیڈ) ڈیسک میں گھسا ہوا تھا جس سے پتہ چلتا ہے کہ حملہ آور نے مارنے میں وقت لیا لیکن چاقو کی اس پوزیشن کو برکت علی اور ہیڈ کانسٹیبل تارا چند نے خود اختلاف کرتے ہوئے بتایا کہ چاقو کیش بکس اور ڈیسک کے درمیان پڑا ہوا تھا لہٰذا یہ دلیل دی جا سکتی ہے کہ بھگت رام نے جو کتابیں ملزم پر پھینکی تھیں اس کے نشانات ملزم کی کمر پر نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

بھگت رام سے غلطی بھی سرزد ہو سکتی ہے کہ کتابیں ملزم کو لگی ہوں۔ ایسے موقع پر ایک معمولی گواہی کے بارے میں یہ سمجھ لینا نااہلیت ہے کہ جو کچھ اس نے بیان کیا ہے وہ درست ہے۔ اس قسم کے معاملہ میں ایک منٹ سے بھی کم عرصہ لگتا ہے۔ آیئے ایک منٹ کے لئے اس تمام واقعہ کو تصوراتی طور پر دہراتے ہیں جس سے ہم کو ایک خیال ہو جائے گا کہ اس عمل میں کتنا عرصہ لگا ہو گا۔

ملزم اپنے ہاتھ میں چاقو لئے مقتول کی دکان میں داخل ہوا، مقتول کے جسم پر دو یا تین جلدی جلدی ضربات لگائیں۔ چاقو کو رکھا یا نیچے پھینکا اور بازار میں بھاگتا ہے، اس تمام عمل میں کتنا عرصہ لگے گا۔ میرے خیال میں ایک منٹ سے زیادہ عرصہ نہیں لگے گا۔ یہ تمام معاملہ کس قدر جلدی ختم ہو گیا۔ ان حقائق سے ظاہر ہے کہ کیدار ناتھ جہاں بیٹھا ہوا تھا وہاں سے آ گیا اور بھگت رام سیڑھی سے نیچے اتر آیا اور ملزم بازار میں دوڑ رہا تھا۔ لہٰذا معزز کونسل نے یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ مقتول کو ختم کیا جا چکا تھا اور مارنے والا مسلمان تھا۔ ہندو گواہوں نے اس کو بحیثیت ایک قاتل کے پکڑا تھا۔ اس قسم

کے دلائل میں بظاہر معقولیت کی کمی ہے اور تمام معاملہ میں اثبات جرم نہیں ہے۔ وہ یہ بتانے میں ناکام رہا ہے کہ اس مخصوص اور بے گناہ مسلمان راہ گیر کے کپڑوں پر خون کے دھبے کیسے آئے ہیں۔

میں نے مختلف اختلافی نکات پر خصوصی توجہ دی ہے۔ خاص طور پر شہادتوں اور پولیس کے درمیان جو اختلاف رائے ہے اس کو بہت ہی غور سے دیکھا ہے۔ موجودہ عدالت اور سیشن کورٹ جرح کے درمیان اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ اتنی اہمیت کے حامل نہیں ہیں اور اس سے کہانی کی صداقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جرم کرنے کے بعد آدھے گھنٹے سے زائد عرصہ جرم کو کرنے، مجرم کو پکڑنے اور پولیس کا پہنچنے کے بعد تفتیش شروع کرنے میں نہیں لگتا۔

معزز کونسل نے ان الفاظ کو بھی مدنظر رکھا ہوا ہے جو اس نے پکڑے جانے کے وقت ادا کئے تھے، لیکن یقیناً اس قسم کی کہانی بناتے وقت ان کو تبدیل کیا جاسکتا ہے ۔ یہ ناممکن ہے کہ گواہ سے کہا جائے کہ وہ وہی الفاظ دہرائے جو اس نے ملزم سے سنے ہوں۔ ہم صرف یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ اس کے بیان سے ان الفاظ کی طرف صرف اشارہ یا نکتہ ہی مل سکتا ہے۔ میں اس سے اتفاق کرتا ہوں اور یہی کافی ہے۔

مجھے آتما رام کے اس بیان پر کہ ملزم نے اس کی دکان سے چاقو خریدا تھا یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی ہے کیونکہ اس نے ملزم کی پہچان بھی کی ہے۔ آتما رام بہت ہوشیار اور عقل مند بوڑھا آدمی ہے کیونکہ وہ ایک کباڑیا ہے۔ ملزم کی شناخت اور چاقو خریدنے کے درمیان صرف تین روز کا وقفہ ہے اور گواہ نے ملزم کے حلیہ کے بارے میں جو بیان انسپکٹر جواہر لال کو دیا ہے وہ بہت واضح ہے۔ میرے خیال میں ملزم کی شناخت کرنے پر کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کیا جاسکتا اور اس کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ ملزم کے بارے میں پہلے سے اشارہ کر کے بتایا گیا تھا لیکن اگر ایک لمحہ کے لئے ہم اس شک کو ایک طرف رکھ دیتے ہیں تو بتایئے یہ کس طرح مقدمہ پر اثر

پذیر ہوگی؟ میرے خیال میں اس کا ذرا بھر بھی اثر نہ ہوگا۔ ملزم کا اس قتل کے ساتھ تعلق تمام تر دو عینی شاہد بھگت رام اور کیدار ناتھ کے علاوہ نانک چند، پرماچند، ودیارتن اور وزیر چند اور خون کے دو دھبے ہیں جو اس کے کپڑوں پر پائے گئے ہیں ان سے گہرا تعلق ہے۔ یہ ایک مضبوط بنیاد ہے جس کی بناء پر ملزم کو قاتل قرار دیا جا سکتا ہے۔

میں یہ ضروری نہیں سمجھتا کہ چاقو کی نوک کے ٹوٹنے پر بحث کی جائے کیونکہ شہادت موجود ہے کہ قتل کرنے کے لئے کسی آلہ کو استعمال کیا گیا ہے آیا کہ نوک پہلے ٹوٹی یا بعد میں ٹوٹی اس سے مقدمہ پر کوئی اثر یا فرق نہیں پڑتا۔

شہادت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ملزم کو مقتول پر حملہ کرتے اور چاقو مارتے ہوئے دیکھا۔ اس کا تعاقب کیا اور جائے واردات سے دس گز کے فاصلہ پر لوگوں نے اس کو پکڑ لیا جبکہ وہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوا تھا۔ انسانی خون کے دھبے بھی اس کے لباس پر پائے گئے تھے۔

میڈیکل رپورٹ کے مطابق یہ مقتول کے خون کے دھبے تھے جو ملزم کے کپڑوں پر لگ گئے تھے لیکن میرے خیال میں یہ خون کے دھبے اس آلہ قتل کے تھے جو مقتول کے لئے استعمال کیا گیا تھا اور اس کے جسم سے جو خون اس پر لگا وہی ملزم کے کپڑوں پر بھی لگ گیا۔

تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ خون ہر صورت میں مقتول کے جسم کا ہی تھا۔ جب ملزم کو قابو کیا گیا تو اس نے اپنے فعل کو تسلیم کیا اور کہا کہ اس نے محمد ﷺ کے دشمنوں سے بدلہ لے لیا ہے۔

اس قدر واضح اور صاف اقرار کے بعد اب اس پر بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے کہ اس نے آتما رام سے چاقو خریدا تھا یا نہیں کیونکہ آتما رام نے خود اپنی شہادت میں چاقو کے خریدار کی اچھی طرح شناخت کی ہے۔ یہ مقدمہ بالکل واضح اور صاف ہے۔ میں دو اسیسر کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں کہ ملزم علم الدین نے راجپال کو

قتل کیا ہے۔ کوئی بھی شخص اس گمراہ نوجوان پر افسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جس نے تعصبانہ جذبہ کے تحت اس قدر بزدلانہ اور ظالمانہ فعل سرزد کیا۔ اس کا مقصد خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو یہ قتل ہے اور اس کے بدلہ میں اسے سخت سزا ملنی چاہیے۔

لہٰذا میں ملزم علم الدین کو دفعہ ۳۰۲ تعزیرات ہند کے تحت ملزم گردانتے ہوئے ملزم کی سزائے موت کی توثیق کرتا ہوں اور اس کو پھانسی کا حکم دیتا ہوں کہ اس کو اس وقت تک پھانسی پر لٹکایا جائے جب تک مر نہیں جاتا۔

دستخط سیشن جج

لاہور

۲۲-۵-۱۹۲۹

مجرم کو مطلع کیا جاتا ہے کہ وہ سات یوم کے اندر اندر اپیل کر سکتا ہے۔ اس کو فیصلہ کی نقل مہیا کر دی جائے گی اور مقدمہ کا ریکارڈ ہائیکورٹ میں جمع کرا دیا جائے گا تاکہ سزائے موت کی توثیق ہو سکے۔ اس میں کسی بھی قسم کی کوئی تاخیر نہیں ہوگی۔

دستخط سیشن جج

لاہور

۲۲ مئی ۱۹۲۹ء

مسلمانوں کی اشتعالی کیفیت:۔

مسلمان کورٹ کے اس فیصلے کو سن کر سخت مشتعل ہوئے اور انگریز کے تعصب کو ناروا قرار دیتے ہوئے احتجاج پر اتر آئے اور اس ضمن میں انہوں نے لاہور میں کئی جلسے منعقد کیے اور اس بات پر اصرار جاری رکھا کہ سیشن جج کے فیصلے کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل کی جائے۔

اس مقصد کے لئے عوام نے چندہ مہم بھی چلائی اور جوش وخروش سے چندہ اکٹھا کیا اور مسلم نامی گرامی وکلاء کے آگے بار بار اپیل کی کہ وہ آگے بڑھیں اور اس

نیک کام میں حصہ لیں۔

یہاں یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ اس موقع پر پنجاب کے مشہور سیاسی رہنما اور وکیل سر محمد شفیع نے اس مقدمہ کی پیروی کرنے سے صرف اس وجہ سے انکار کر دیا تھا کہ ہندو کہیں اس بات کا بُرا نہ مان جائیں اور ان کے سیاسی کیریئر میں رکاوٹ کا باعث بن نہ جائیں۔

لاہور ہائی کورٹ میں اپیل:-

سیشن عدالت کے فیصلے کے چند روز بعد طالع مند اپنے دوست پھتے شیر فروش کے ہمراہ بمبئی گئے اور وہاں قائداعظم محمد علی جناح سے ملے اور انہیں اصل صورت حال سے آگاہ کیا اور اُن سے اس مقدمہ کی ہائی کورٹ میں اپیل دائر کرنے کی درخواست کی۔ طالع مند کی ساری بات کو سن کر محمد علی جناح نے ان سے کہا کہ وہ اپنے کسی وکیل کو بلائیں تاکہ وہ قانونی صورت احوال سے انہیں آگاہ کرے تب ہی وہ اس بات کا فیصلہ کر سکتے ہیں کہ مقدمہ اپنے ہاتھ میں لیں یا نہ لیں۔

قائداعظم محمد علی جناح کی بات سن کر طالع مند لاہور واپس آئے اور پھر انہوں نے مسٹر فرخ حسین بیرسٹر کو بمبئی بھیجا جنہوں نے بمبئی پہنچ کر قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی اور انہیں مکمل صورت حال سے آگاہ کیا اور تمام معاملات طے کیے۔ اس طرح غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو سنائی جانے والی سزا کے خلاف ۱۵ جولائی ۱۹۲۹ء کو لاہور ہائیکورٹ میں اپیل دائر کر دی گئی۔

چونکہ ایک ہائی کورٹ کا وکیل دوسرے ہائی کورٹ میں پریکٹس نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے بمبئی ہائی کورٹ کے محمد علی جناح نے جب پنجاب ہائی کورٹ سے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمہ میں پیش ہونے کی اجازت مانگی تو پنجاب ہائی کورٹ کے جج مسٹر جسٹس براڈوے نے اجازت دینے کی مخالفت کی لیکن چیف جسٹس سر شادی لعل نے محمد علی جناح کو پیش ہونے کی اجازت دے دی۔

لاہور ہائی کورٹ میں مقدمہ کی سماعت:۔

بالآخر مسٹر براڈ دے اور جسٹس جانسن کے روبرو مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی وکیل صفائی کی جانب سے قائداعظم محمد علی جناح پیش ہوئے۔ انہوں نے مقدمہ کے واقعات کو سامنے رکھ کر انتہائی قابلیت کے ساتھ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی بے گناہی ثابت کی۔ سب سے پہلے قائداعظم محمد علی جناح نے عینی گواہوں کے بیانات پر جرح کی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے عدالت پر واضح کیا کہ عینی گواہ کیدار ناتھ جو مقتول کا ملازم ہے اس لئے اُس کی گواہی تامل اور غور کے بعد قبول کرنی چاہیے۔ دوسرے کیدار ناتھ نے اپنے ابتدائی بیان میں بھگت رام گواہ کا ذکر نہیں کیا حالانکہ وہ بھی مقتول کی دوکان کے ہی ایک حصہ میں کام کر رہا تھا اور کیدار ناتھ کی طرح بھگت رام نے بھی بیان کردہ قاتل غازی علم الدین پر کتابیں پھینکیں اور اس کا تعاقب کیا۔

کیدار ناتھ نے اپنے ابتدائی بیان میں ملزم کے متعلق یہ نہیں کہا کہ اس نے گرفتاری کے بعد اقبال جرم کیا ہے، بلکہ وہ سیشن کورٹ میں بیان کرتا ہے کہ ملزم نے کہا ہے کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کا بدلہ لیا ہے، ان حقائق کی رو سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عینی گواہ نمبر ۲ کیدار ناتھ جھوٹا ہے، اسی طرح قائداعظم محمد علی جناح نے دوسرے عینی گواہ بھگت رام کی شہادت کو بھی لے کر اس کی کمزوریاں واضح کیں۔ اس کے بعد انہوں نے وزیر چند، نانک چند اور پرمانند وغیرہ کے بیانات پر نقادانہ بحث کر کے ثابت کیا کہ کوئی بیان بھی اصلاً قابل اعتماد نہیں، بلکہ اس سے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاص بیان وضع کر کے مختلف آدمیوں کو طوطے کی مانند رٹا دیا گیا ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی جرح کے ذریعے سب سے اہم نکتہ یہ نکالا کہ عام بیانات کے مطابق واقعہ کے وقت مقتول کی دوکان پر ایک مقتول اور اس کے دو ملازم تھے۔ ڈاکٹر کی شہادت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مقتول کو آٹھ زخم لگے یعنی اٹھارہ

انیس سال کے ایک معمولی نوجوان نے دن دہاڑے تین مردوں میں گھس کر ایک شخص کے جسم میں آٹھ مرتبہ چھری گھونپی اور نکالی اور تین آدمی اُس کا کچھ نہ بگاڑ سکے اس کو عقل انسانی صحیح تسلیم نہیں کر سکتی۔

قائداعظم محمد علی جناح کے دلائل:۔

اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے آتما رام کباڑی کی شہادت پر جرح کی اور اس کی شہادت کا تار پود بکھیرتے ہوئے اس کے خلاف کئی دلائل قائم کیے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ آپ نے یہ ثابت کیا کہ کوئی دوکاندار اتنا باریک بین نہیں ہو سکتا کہ اپنے ہر گاہک کو یاد رکھے جو کہ اس کی دوکان پر صرف ایک ہی مرتبہ آیا ہو۔ اس کباڑی نے ملزم کو شناخت پریڈ کے دوران ملزم کے چہرے کے ایک نشان کو دیکھ کر پہچانا ہے۔ ظاہر ہے پولیس نے اسے یہ نشان بتلایا ہوگا جس کی بناء پر اس نے ملزم کو شناخت کر لیا۔

2۔ گواہ آتما رام کا دعویٰ تھا کہ وہ چاقو کو پہچان سکتا ہے لیکن جب چاقو اس کے روبرو پیش کیے گئے تو وہ پہچان نہ سکا۔

3۔ گواہ آتما رام کباڑی اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس کی نظر کمزور ہے۔ اس طرح ان حقائق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آتما رام سکھایا پڑھایا ہوا گواہ ہے استغاثہ کے یہی تین مبانی تھے، اول عینی گواہ، دوم ملزم کو گرفتار کرنے یا کرانے والے، سوئم چاقو فروخت کرنے والا کباڑیا۔

ان بیانات کی انتہائی کمزوری ثابت کرنے کے ساتھ ہی استغاثہ کو قائداعظم محمد علی جناح نے بالکل بے حقیقت کر دیا۔ بعدازاں قائداعظم محمد علی جناح نے اس امر پر بھی سیر حاصل بحث کی کہ اگر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ قاتل نہیں تھے تو اُس کے کپڑوں پر انسانی خون کے دھبے کس طرح لگے تھے انہوں نے ڈاکٹر کا یہ بیان پیش کیا

کہ مقتول کا خون فوارے کس طرح نہیں اچھلا۔ جب یہ حالت ہے تو بیان کردہ قاتل کے جسم پر دھبے نہیں پڑ سکتے۔ لیکن ڈاکٹر نے کہا کہ بیان کردہ قاتل کے کپڑے مقتول کی لاش سے چھو گئے ہونگے۔ قائداعظم محمد علی جناح جناح نے کہا کہ ڈاکٹر کی شہادت کا یہ حصہ بالکل لغو ہے اسے رائے دینے کا کوئی حق نہیں تھا۔

سیشن جج اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ ملزم کے کپڑے مقتول کی لاش سے چھوئے نہیں لیکن لکھتا ہے کہ ڈاکٹر کی رائے کے مطابق یہ خون انسانی ہے۔ اس لئے مقتول کا خون ہے اور چھری سے ٹپک کر ملزم کے کپڑوں میں گرا ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے کہا کہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ جس خون کے دھبے ملزم کے کپڑوں پر ہیں وہ واقعی مقتول کا ہے۔ میرا دعویٰ ہے کہ یہ خود ملزم کا خون ہے ملزم کا بیان ہے کہ اسے گرفتار کرنے کے بعد ہندوؤں نے مارا پیٹا اور اس مار پیٹ سے اس کی انگلی اور ران پر زخم آئے۔

قائداعظم محمد علی جناح جناح نے ایک اہم بات یہ کہی ہے کہ سیشن جج نے مسلم اسیروں کی رائے کے سلسلے میں خواہ مخواہ ہندو مسلم سوال پیدا کیا، اس مقدمے میں چار اسیر تھے دو مسلمان، دو غیر مسلم، مسلمان اسیروں نے ملزم کو بے گناہ بتلایا۔ غیر مسلم اسیروں نے جرم کا اثبات کیا سیشن جج نے لکھا ہے کہ مسلم اسیروں کے فیصلے بالکل ایماندارانہ ہیں، ان کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ وجہ بتلا دیں کہ فلاح فیصلے پر یقین نہیں کیا جا سکتا، اس لئے ہوسکتا ہے کہ ان کے دل میں فرقہ وارانہ تعصب موجود ہو۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اس پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ مسلمان اسیروں کے متعلق کیوں کہا گیا دوسرے اسیروں کے متعلق کیوں نہیں کہا گیا۔ یہ امر افسوسناک ہے کہ جج نے مسلمان اسیروں کے متعلق تعصب کا اظہار کیا۔ ملزم کے حق میں جو شہادت تھی سیشن نے اسے ناقابل قبول قرار دیا اور اس کے خلاف جو شہادت تھی اسے درست سمجھا۔

قائداعظم محمد علی جناح کے اس بیان پر جسٹس براڈوے نے کہا کہ جج کو کو اختیار ہے کہ وہ جس شہادت کو چاہے قبول کرلے جس کو چاہے مسترد کردے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا کہ یہ صحیح ہے مگر قبول و عدم قبول کرنے کے لئے دلیل بھی ہونی چاہئے۔

قائداعظم محمد علی جناح کے مزید دلائل:۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو بے گناہ ثابت کرنے کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے مقدمہ کے دوسرے پہلو پر نظر ڈالی اور کہا کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ ملزم واقعی قاتل ہے تو بھی اس کی سزا پھانسی نہیں بلکہ عمر قید ہونی چاہئے۔ اس کے لئے قائداعظم محمد علی جناح نے ذیل کے الفاظ میں دلائل پیش کئے۔

1۔ ملزم کی عمر اٹھارہ انیس سال کی ہے۔

2۔ راجپال نے ایک ایسی کتاب چھاپی جسے عدالت عالیہ نے بھی نفاق انگیز اور شرانگیز قرار دیا۔

3۔ ملزم نے کسی لغو اور ذلیل خواہش سے یہ ارتکاب نہیں کیا بلکہ ایک کتاب سے غیرت کھا کر ایسا کیا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے عدالت عالیہ کے حضور درج ذیل بحث کی اور اپنا مدعا کھل کر بیان فرمایا آپ نے عدالت عالیہ سے درخواست کی کہ وہ ملزم کو اس الزام سے بری کردے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

"سب سے پہلے میں اس پولیس آفیسر کی شہادت کی جانب عدالت عالیہ کی توجہ مبذول کراتا ہوں جس نے بیان کیا ہے کہ ہم ملزم سے یہ اطلاع پاتے ہی کہ میں نے آتما رام کباڑی سے یہ چھری خریدی ہے فوراً اس کی دوکان پر پہنچے پولیس نے بذات خود کوئی تحقیق نہیں کی اور صرف ملزم کے بیان پر اکتفا کیا لیکن

دفعہ ۲۷ قانون شہادت کی رو سے ملزم کا بیان عدالت میں بطور شہادت پیش نہیں ہوسکتا۔ میں چاہتا ہوں کہ جج صاحبان اس کا فیصلہ صادر کریں۔''

مسٹر جسٹس براڈوے نے کہا کہ شہادت کے قابل قبول یا نا قابل قبول ہونے کے سوال کا فیصلہ کرنا عدالت ماتحت کا کام ہے۔ آپ نے کہا کہ آپ اس نقطہ پر اب نہیں تو آخر میں فیصلہ کر سکتے ہیں۔

''اب غور طلب امر یہ ہے کہ ملزم کو اس مقدمہ میں ماخوذ کرنے کی کافی وجوہ موجود ہیں یا نہیں ٦ اپریل کو راجپال قتل کیا گیا لیکن سوال یہ ہے کہ جس نے راجپال کو قتل کیا وہ کون تھا؟ استغاثہ کی شہادتوں میں دو عینی گواہوں کے بیانات ہیں۔ یہ دونوں گواہ کیدار ناتھ اور بھگت رام ہیں ان عینی گواہوں کے قابل اعتماد ہونے کو پرکھنے کے لئے میں فاضل ججوں کی توجہ اس امر کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ یہ دونوں گواہ راجپال کے ملازم تھے۔ ان شہادتوں کے پرکھنے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ ان کے بیانات کے اختلافات کو دیکھا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے گواہ کیدار ناتھ کا بیان پڑھ کر سنایا اور کہا کہ یہ سخت تعجب کی بات ہے کہ اس بیان میں گواہ بھگت رام کا کہیں نام نہیں آیا حالانکہ وہ اس وقت دوکان پر موجود تھا۔ برخلاف اس کے گواہ بھگت رام کا کہنا ہے کہ اس نے ملزم کا تعاقب کیا اور کیدار ناتھ کے ساتھ مل کر ملزم پر کتابیں پھینکیں۔ جرح کے موقع پر بھی کیدار ناتھ نے بھگت رام کا نام نہیں لیا حالانکہ ایک عینی شاہد کی حیثیت سے کیدار ناتھ کو بھگت رام کا نام سب سے پہلے لینا چاہئے تھا۔ یہ ایک نہایت ہی اہم نکتہ ہے اور عینی شہادت کا سب سے بڑا جزو ہے۔

کیدار ناتھ نے ارتکاب جرم کا جس قدر وقت بتلایا ہے طبی شہادت اس کی تردید کرتی ہے طبی شہادت سے ظاہر ہوتا ہے کہ گواہ کے بیان کردہ وقت سے دو چند وقت صرف ہوا۔ گواہ کا بیان ہے کہ جب ملزم پکڑا گیا تو اس نے کہا کہ میں نے کوئی چوری نہیں کی، ڈاکہ نہیں مارا، میں نے صرف اپنے پیغمبر ﷺ کا بدلہ لیا ہے۔ ایک لمحہ کے لئے ہم فرض کر لیتے ہیں کہ ملزم بھاگنا چاہتا تھا اور اس کا تعاقب بھی کیا گیا لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص گرفتار ہوتے ہی فوراً اس طرح اقبال جرم کر لے۔ یہ شہادت بھی پیش کی گئی ہے کہ وہ متواتر اقبال جرم کرتا رہا۔ پولیس کا ایسے موقع پر فرض تھا کہ وہ مجسٹریٹ کے روبرو ملزم کے بیانات قلم بند کراتی لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ ہر ایک تجربہ کار پولیس آفیسر کے لئے ایسا کرنا ضروری تھا۔

لوگوں کا بیان ہے کہ ملزم نے راجپال کی دوکان پر آ کر بھی اقبال جرم کیا ایسا غیر ممکن ہے وہاں پولیس موجود تھی۔ یہ سب کہانی اس قدر غیر قدرتی ہے کہ اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔

یہ سب کہانی غلط ہے گواہ نے نہ صرف بھگت رام کا نام ہی ترک کر دیا ہے بلکہ وزیر چند کا نام بھی چھوڑ دیا ہے حالانکہ وزیر چند نے ملزم کا تعاقب کیا تھا۔ جرح پر گواہ نے کہا کہ میں وزیر چند کے نام کے کسی شخص کو نہیں جانتا۔ میں اس شہادت پر یہی کہوں گا کہ اگر گواہ سچ بولتا تو وہ بھگت رام کا نام ضرور لیتا۔ اس کے علاوہ پولیس کے سامنے بھی وہ الفاظ بتاتا جو اس نے بعد میں ملزم کی طرف منسوب کیے تھے۔

لیکن ایسا نہیں کیا گیا اس لئے یہ کہانی فرضی ہے۔

دیوان وزیر چند کی شہادت پڑھ کر سناتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا کہ آیا فاضل جج صاحبان اس بات پر یقین کر سکتے ہیں کہ کیدار ناتھ وزیر چند کو نہیں جانتا تھا۔ اگر اسے نام نہیں آتا تو وہ کہہ سکتا تھا کہ کوئی آدمی وہاں موجود تھا۔ اس کے بعد گواہ بھگت رام بھی ایسی ہی کہانی سناتا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ ملزم کی پیٹھ اس کی

طرف تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا۔ ہر ایک گواہ ان الفاظ کے متعلق جو ملزم نے کہے مختلف بیانات دیتا ہے۔ بھگت سنگھ نے کہا کہ ملزم نے کہا تھا!

''ہتھکڑیاں میرے لئے سونے کے کڑے ہیں۔''

گواہ سچانند نے کم وبیش وہی الفاظ کہے جو نانک چند نے کہے لیکن گواہ ودیا رتن جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس نے ملزم کو گرفتار کیا بالکل مختلف الفاظ بیان کرتا ہے۔ گواہ نے پہلے کہہ دیا ہے کہ وہ ملزم کے صحیح الفاظ بیان نہیں کر سکتا مگر اس کا ملخص بتا سکتا ہے۔

میں صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ آتما رام کباڑی ایک سکھایا ہوا گواہ ہے۔ اسے اسی روز معلوم ہو گیا تھا کہ راجپال مارا گیا ہے۔ پھر شناخت پریڈ ہوئی جس میں تین مرتبہ گھومنے کے بعد اس نے ملزم کو شناخت کیا۔ گو اس گواہ نے اپنے بیان میں کہا کہ ملزم کی ناک کے قریب ایک نشان ہے کیا چھری بیچنے والا اس قدر باریک بین ہو سکتا ہے کہ وہ اس بات کا بھی خیال رکھے کہ خریدار کی ناک کے پاس نشان بھی ہے۔

گواہ کا اپنا بیان ہے کہ ملزم کے کان میں دھاگہ پڑا ہوا تھا حالانکہ اس کی بینائی بھی اچھی نہیں۔

اس گواہ کا بیان ہے کہ میں فروخت کی ہوئی چھریوں کو پہچان سکتا ہوں لیکن بعدازاں اس نے غلط چھری کو شناخت کیا۔ چھریاں عدالت میں پیش کی گئیں۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ٹوٹی ہوئی نوک دار چھری کی طرف جج صاحبان کو متوجہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ خود ان چھریوں کو دیکھ کر بتلائیں کہ ان میں کیا تمیز ہو سکتی ہے کہ آتما رام بتلانے کے قابل ہو گیا کہ فلاں چھری ہے۔ ملزم کا بیان ہے کہ میں نے آتما رام کی دوکان سے چھری نہیں خریدی۔

سب انسپکٹر کی شہادت ہے کہ ملزم کی شلوار اور قمیض پر خون کے نشانات تھے اور اسی طرح ملزم کے جسم کے دیگر حصوں پر بھی معمولی نشانات تھے جس سے ظاہر ہوتا

ہے کہ ملزم کو بھی ضربات آئیں۔

ملزم کا بیان ہے کہ میرے ساتھ تشدد کیا گیا تھا۔ استغاثہ نے کہیں بھی یقینی طور پر بیان نہیں کیا کہ ملزم کے کپڑوں پر خون کے جو نشانات تھے وہ اسی قتل کی وجہ سے تھے۔ طبی شہادت یہ ہے کہ نشانات شاید مقتول کے نزدیک آنے سے لگ گئے۔ یہ امر واضح ہے کہ یہ مقتول کے خون کے نشانات ہیں اگر میری انگلی زخمی ہو جائے تو اس کے اندر سے کافی خون نکل آتا ہے جس سے میرے کپڑوں پر بڑے بڑے نشانات لگ سکتے ہیں۔

میں کہہ سکتا ہوں کہ فاضل جج نے فیصلے میں غلطی کی ہے۔ اُس نے کہا ہے کہ دو ہندو اسیر ملزم کو مجرم بتاتے ہیں لیکن دو مسلمان اسیر اسے بے قصور ٹھہراتے ہیں۔ اگر اس وقت ہندو مسلم فرقوں میں کشیدگی تھی تو فاضل جج کا فرض تھا کہ وہ اپنی ذاتی رائے سے فیصلہ کرتا۔ اس کا کیا ثبوت ہے کہ ہندو اسیروں کی رائے فرقہ وارانہ نہ تھی۔ اس کے علاوہ فاضل جج نے شہادتوں سے بھی غلط نتیجہ مرتب کیا۔

آخر میں قائداعظم محمد علی جناح جناح نے کہا!

"ملزم نوجوان ہے۔ راجپال نے بدنام کتاب شائع کر کے مسلمانوں کے دلوں کو مجروح کیا تھا۔ اس لئے سزائے موت سخت سزا ہے ملزم پر رحم کیا جائے۔"

قائداعظم کی اپیل نامنظور:۔

لنچ کے بعد عدالت نے سرکاری وکیل کا جواب سنے بغیر حاضرین کو باہر نکال دیا اور فیصلہ محفوظ رکھا۔ سرکاری وکیل کے جوابی دلائل کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ اپیل خارج کر دی گئی چار بجے کے قریب عدالت نے فیصلہ سنایا اور اپیل نامنظور کر دی۔

فیصلہ لاہور ہائی کورٹ:-

تاریخ سماعت: ۱۵ جولائی ۱۹۲۹ء

علم الدین ولد طالع مند۔ قوم ترکھان۔ عمر ۲۰/۱۹ سال۔ سکنہ محلّہ سریانوالہ اندرون شہر لاہور۔ بتاریخ ۶ اپریل ۱۹۲۹ء کو راجپال کے قتل کا مرتکب ہوا ہے اور تعزیرات ہند کی دفعہ ۳۰۲ کے تحت اُس کو سزائے موت دی گئی۔ اس نے سزائے موت کے خلاف اپیل کی جو ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۳۷۴ کے تحت ہمارے سامنے موجود ہے۔

مقتول ہندو کتب فروش تھا جس کی دکان ہسپتال روڈ پر واقع ہے۔ کچھ عرصہ قبل اس نے ''رنگیلا رسول'' نامی کتاب لکھ کر مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ اس ضمن میں تعزیزات ہند کی دفعہ ۱۵۳/اے کے تحت اس پر مقدمہ چلا گیا۔ جس میں اس کو جنوری ۱۹۲۷ء میں سزا ہوئی۔

مئی ۱۹۲۷ء میں ہائیکورٹ نے اس کی سزا کو معاف کر دیا۔ مذکورہ پمفلٹ اشتعال انگیز تھا۔ جس سے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچی تھی۔ مسلمان اس وقت زیادہ مشتعل ہو گئے جب ہائیکورٹ نے اس کی سزا کو معاف کر دیا۔ ہائیکورٹ سے بری ہونے کے بعد اس پر دو قاتلانہ حملے کیے گئے۔ جس کے نتیجہ میں اس کی حفاظت کے لئے پولیس کا پہرہ بٹھا دیا گیا۔

حال ہی میں جب وہ ہردوار گیا تو اس کی غیر حاضری میں پولیس کا پہرہ اٹھالیا گیا تھا وہ ہردوار سے ۴ اپریل کو واپس آیا۔ اس کی واپسی کی اطلاع پولیس گارڈ کو ہوئی یا نہیں یہ امر وضاحت طلب ہے جس کے بارے میں نہیں بتایا گیا۔ ۶ اپریل کو بوقت دو بجے دن اس پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ اس کے قاتل نے مہلک ضربات لگا کر اس کی زندگی کو ختم کر دیا جیسا کہ میڈیکل رپورٹ کی شہادت سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے آٹھ مہلک زخم لگائے جس میں سے سات کے علاوہ ایک نہایت ہی گہرا زخم تھا۔

اس دوران مقتول نے اپنے دفاع کی کوشش کی جس کے نتیجہ میں اس کے

ہاتھ پر چار زخم آئے۔ اس کے سر پر ایک زخم لگا۔ جس سے دائیں طرف کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ دو شدید زخم بائیں ہڈی پر آئے اور ایک گہرا زخم اس کی چھاتی پر آیا۔ یہ آخری زخم اس کے دل کے پار ہو گیا اور یہی زخم اس کی موت کا سبب بنا۔

اپیل کنندہ نے آتما رام (گواہ نمبر ۸) سے ۶ اپریل کی صبح کو ایک چاقو خریدا اور اسی روز دن دو بجے وہ مقتول کی دکان پر پہنچا اور مقتول پر اس وقت حملہ کیا جب وہ برآمدے کے باہر گدی پر بیٹھا ہوا خط لکھ رہا تھا۔ حملہ آور کو کیدار ناتھ (گواہ نمبر ۲) اور بھگت رام (گواہ نمبر ۳) جو کہ مقتول کے ملازم ہیں اور اس وقت وہاں موجود تھے، انھوں نے شہادت دی۔ اول الذکر برآمدے کے اندر بیٹھا کام کر رہا تھا۔ جبکہ مؤخر الذکر برآمدے کے باہر سیڑھی پر کھڑا ہوا کتابیں الماریوں میں رکھ رہا تھا۔ انھوں نے شور مچایا۔ انہوں نے درخواست گزار پر اپنی کتابیں پھینکیں جس نے اپنا چاقو پھینکا اور باہر دوڑ گیا۔ اس کا تعاقب کیدار ناتھ اور بھگت رام نے کیا۔ ان کے ساتھ باہر سے نانک چند (گواہ نمبر ۴) اور پرمانند (گواہ نمبر ۵) بھی اس کے تعاقب کرنے والوں میں شامل ہو گئے۔ درخواست گزار لکڑیوں کے ٹال کی طرف مڑا جس کا مالک ودیا رتن اپنے دفتر کے دروازے میں سے اس کا تعاقب دیکھ رہا تھا۔ جونہی وہ ٹال میں داخل ہوا اور اس نے اپیل کنندہ کو دوسرے تعاقب کرنے والوں کی مدد سے پکڑ لیا۔

اس وقت اپیل کنندہ نے بار بار اونچی آواز میں کہا نہ تو وہ چور ہے اور نہ ہی کوئی ڈاکو ہے بلکہ اس نے محمد ﷺ کا بدلہ لے لیا ہے۔ وہ لوگ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو پھر مقتول کی دکان پر لائے۔ پولیس کو مطلع کیا گیا جو اس کو تفتیش کے لیے لے گئی۔ کیدار ناتھ نے نہایت ہی مختصر رپورٹ لکھائی اس نے اپنی اس رپورٹ میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے اس اعلان کا ذکر نہیں کیا جو اس نے پکڑنے کے وقت کہا تھا اور نہ ہی اس نے اپنے ساتھی ملازم کے نام کا ذکر کیا۔

اگلے روز علم الدین کے بیان کی روشنی میں آتما رام کی دکان کا پتہ کیا گیا۔ ۹

اپریل کو شناخت پریڈ ایک مجسٹریٹ کی سربراہی میں ہوئی جس میں آتما رام نے اس شخص کو پہچان لیا جس کے ہاتھ اس نے وہ چاقو بھیجا تھا جو راجپال کی دکان سے ملا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آتما رام نے ایک ہی نمونے کے بہت سے چاقو بنائے ہوں۔ لہٰذا اس کو دو چاقو دیئے گئے جس میں ایک اس نے پہچان لیا۔ اس نے اپنے بیان میں مزید بتایا کہ اس نے یہ چاقو میڈیکل سٹور سے نیلامی میں خریدے تھے۔

مسٹر جناح نے ان کی بتائی ہوئی کہانی پر بحث کرتے ہوئے دلیل دیتے ہوئے کہا کہ کیدار ناتھ مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر قابل بھروسہ گواہ نہیں ہے کیونکہ

۱۔ وہ مقتول کا ملازم تھا اس لئے اس کا اس میں مفاد ہے۔

۲۔ اس نے ایف آئی آر میں یہ نہیں بیان کیا

الف۔ کہ بھگت رام اس کے ساتھ تھا اور

ب۔ یہ کہ اپیل کنندہ نے یہ کہا تھا کہ اس نے رسول ﷺ کا بدلہ لے لیا ہے جہاں تک بھگت رام کا تعلق ہے وہ بھی مقتول کا ملازم تھا اور اس کا مفاد تھا اور جہاں تک دوسروں کی شہادت کا تعلق ہے، وہ تفصیل میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں۔

پولیس کی اس شہادت پر اعتراض کیا گیا جو اس نے آتما رام کے پتہ چلانے میں دی اور آتما رام نے چاقو اور علم الدین کی شناخت کے بارے میں گواہی دی ہے۔ وہ بھی درست نہیں ہے اور قابل بھروسہ نہیں ہے۔

جہاں تک اس بیان کا تعلق ہے جو پولیس نے اپیل کنندہ سے آتما رام کا پتہ معلوم کرنے کے بارے میں لیا ہے، وہ سمجھتا ہوں کہ غیر ضروری ہے اور اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ یہ کہ آتما رام کی دکان پر مختلف نمونہ جات کے چاقو تھے اور اس کا وہ چاقو پہچانا جس سے مقتول پر حملہ کیا گیا۔ اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی یہ کہانی کہ اپیل کنندہ ٦ اپریل کی صبح کو اس کی دکان پر آیا۔ چاقو خریدنے پر سودا بازی کی اور پھر

ایک روپیہ میں خریدنے پر رضا مند ہو گیا اور پھر گواہ سے یہ کہا کہ اس کی ایک طرف دھار لگا دو اور تب تک میں رقم لے کر آتا ہوں۔ علم الدین ایک گھنٹے کے بعد آیا ایک روپیہ ادا کیا اور چاقو لے لیا۔ ان حالات میں یہ ممکن نہیں ہے کہ گواہ نے خریدار اور چاقو دونوں کی شناخت کر لی ہو۔ شناخت پریڈ ۹ اپریل کو شام ۵ بجے پولیس لائن میں مجسٹریٹ درجہ اول (گواہ نمبر ۱۲) کی سربراہی میں کرائی گئی جس نے شناخت پریڈ کو درست قرار دیا۔

درخواست گزار نے جواہر لال انسپکٹر (گواہ نمبر ۲۰) کے بارے میں عدالت میں یہ بیان دیا تھا کہ مذکورہ انسپکٹر نے شناخت پریڈ سے پہلے آتمارام کو مجھے (علم الدین) کو دیکھایا تھا۔ کیا یہ اہم نہیں ہے کہ اس بارے میں انسپکٹر جواہر لال سے کوئی سوال نہیں کیا گیا اور مجسٹریٹ کا یہ کہنا کہ علم الدین نے اسے یہ بات نہیں بتائی تھی درست نہیں ہے۔

دریں حالات میرے خیال میں آتمارام کا بیان کوئی حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ اس میں کوئی صداقت اور سچائی نہیں ہے۔ یہ درست ہے کہ کیدار ناتھ کا بیان مختصر ہے اور اس میں تفصیل کی کمی ہے۔ اس کا بھگت رام کے نام کا ذکر نہ کرنا جو وہاں موجود تھا اس کا تعاقب کرنا اور پھر پکڑا جانا میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

اس کا یہ ذکر نہ کرنا کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بدلہ لے لیا ہے میٹریل ہو سکتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے بارے میں بہت سی شہادتیں دی جا سکتی ہیں کیونکہ ان الفاظ کا اضافہ اس وقت کیا گیا جب مقدمہ شروع ہو چکا تھا، اس سے پہلے اس پوائنٹ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

ودیارتن (گواہ نمبر ۶) کے بیان کے حوالہ کے بارے میں اتنا کہنا کافی ہے کہ یہ صرف مثال کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ شہادت یقیناً کوئی مفاد نہیں رکھتی ماسوائے اس کے کہ یہ ہندو ہے اس نے اپیل کنندہ کو پکڑنے میں مدد دی۔ اس کو چیلنج

نہیں کیا گیا۔ وہ کہتا ہے جب اپیل کنندہ کو اس نے پکڑ لیا تو اس نے کہا ” مجھے جانے دو، میں نے کچھ نہیں کیا۔ میں نے رسول ﷺ کا بدلہ لے لیا ہے۔“

جبکہ جرح کے دوران وہ کہتا ہے کہ مجھے صحیح الفاظ یاد نہیں جو کہ ملزم نے استعمال کئے تھے لیکن جو کچھ بھی میں نے کہا ہے، وہ اپنے حافظہ کے بل پر کہا ہے۔ اس نے کہا ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے بیان پولیس کی جرح کے بعد دیا (جس کی ایک کاپی ملزم کے وکیل کو دی گئی) اور سیشن جج کے ایک نوٹ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ درخواست گزار کے بارے میں یہ بیان درست نہیں ہے۔

تمام شہادتیں اور واقعات اس امر کو تقویت پہنچاتی ہیں کہ راجپال کو ”رنگیلا رسول“ نامی کتاب لکھنے پر قتل کیا گیا۔ درخواست گزار اس کے لئے بالکل اجنبی تھا۔ اس کے علاوہ اس کا اور کوئی مقصد نہیں تھا۔ میں اس لئے شہادت کے اس بیان کو درست تسلیم کرتا ہوں۔

پھر کیدار ناتھ اور بھگت رام کی بتائی ہوئی کہانی میں مجھے کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی ہے۔ انھوں نے حلیفہ بیان دیا ہے کہ انہوں نے حملہ آور راجپال کی دکان سے لکڑی کے ٹال تک تعاقب کیا ہے اور وہ ان کی نظروں میں سے کبھی اوجھل نہیں ہوا۔

اس بیان کی تصدیق نانک چند پرما چند نے کی ہے جبکہ وزیر چند (گواہ نمبر ۷) نے بیان دیا ہے کہ اس نے ماسوائے علم الدین کے اور اس کے تعاقب کرنے والوں کے علاوہ نہیں دیکھا۔ اس لئے مقتول کے قاتل کو پہچاننے پر شک کیا جاسکتا ہے۔ درخواست گزار کے کپڑوں پر پائے جانے والے خون کے نشانات کا حوالہ دیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا مجھے اس میں کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ محترم سیشن جج یہ فرض کرلیں کہ یہ نشانات مقتول کے خون کے ہیں۔

میڈیکل رپورٹ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ راج پال نے اپنے بچاؤ کی کوشش کی ہے جس کی وجہ سے اسے چند ضربات بھی پہنچیں، لیکن اپیل کنندہ کے خلاف دی

ہوئی شہادت اس کے بالکل خلاف جاتی ہے اور نہ ہی اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ چاقو کی نوک کہاں اور کیسے ٹوٹی تھی؟ چاقو کی ٹوٹی ہوئی نوک اور اس کا نہ ملنا بھی ناقابل یقین ہے۔

مجھے عزت مآب سیشن جج کی اس رائے سے اتفاق کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ مجرم پر جرم ٹھونس دیا گیا ہے۔

آخر میں مسٹر جناح نے سزائے موت کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ یہ سزا اس لئے عائد نہیں ہوتی کہ مجرم کی عمر انیس اور بیس سال کے قریب ہے اور پھر یہ بھی کہ اس نے یہ جرم اس لئے کیا ہے کہ اس کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچائی گئی جس سے غصہ میں آ کر اس نے راجپال پر حملہ کیا۔

جیسا کہ مقدمہ امیر بنام کراؤن نمبر ۹۵۴ سال ۱۹۲۶ء میں محض یہ کہنا کہ قاتل کی عمر ۱۹/۲۰ سال ہے، یہ کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ قانون اس کو مناسب سزا دے۔ حقیقت یہ ہے کہ علم الدین کی عمر ۱۹/۲۰ سال نہیں ہے۔ اس لئے یہ کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ اس کو سزائے موت دی جائے۔ میرے نزدیک مسٹر جناح کی یہ کوئی مناسب اور معقول وجوہات نہیں ہیں کہ ایک ایسا شخص جس نے قصداً اس قسم کا گھناؤنا قتل کیا ہو، اس لئے میں اپیل کو خارج کرتا ہوں اور سزائے موت کی توثیق کرتا ہوں۔

لاہور ہائیکورٹ کے فیصلے کی تفصیل:

ریفرنس سائیڈ۔ مقدمہ نمبر ۱۰۵ سال ۱۹۲۹ء

حوالہ مقدمہ جے کے ایم شیپ صاحب سیشن جج لاہور

چٹھی حوالہ نمبر ۸۶۵ مورخہ ۲۹۔ ۶۔ ۴ دفعہ ۳۷۴ ایکٹ پنجم ۱۸۹۸ء کے تحت۔ دی کنگ ایمپرر بنام علم الدین ولد طالع مند عمر ۱۸ سال ترکھان آف لاہور

جرم: قتل دفعہ ۳۰۲ تعزیزات ہند

سیشن جج کی عدالت بمقام لاہور برائے ضلع لاہور ہائی جے کے ایم ٹیپ

سیشن جج آف لاہور مورخہ ۱۴، ۱۵، ۲۲ مئی ۱۹۲۹ء کو ساعت چار اسیر کی مدد سے کی گئی کہ علم الدین ولد طالع مند پر جرم قتل زیر دفعہ ۳۰۲ تعزیزات ہند راجپال کو قتل کرنے پر مقدمہ چلایا گیا۔ عدالت نے دیگر چار اسیر سے اتفاق کیا کہ قیدی پر قتل ثابت ہوتا ہے اور اس کو مورخہ ۱۹۲۹-۵-۲۲ کو سزائے موت کا حکم دیا۔ ہائیکورٹ نے بھی سزائے موت کو بحال رکھا۔

آڈر آف دی ہائیکورٹ

سزائے موت کی توثیق کی جاتی ہے۔

از ای ایل روبن صاحب

ڈپٹی رجسٹرار آف دی ہائیکورٹ نظام عدالت لاہور

ٹو دی سیشن جج لاہور مورخہ ۱۹ جولائی ۱۹۲۹ء لاہور

فوجداری اپیلیٹ

مقدمہ نمبر ۵۶۲ آف ۱۹۲۹ء

علم الدین ولد طالع مند۔ مجرم

بنام

دی کراؤن............ رسپانڈنٹ

جُرم۔ دفعہ ۳۰۲ تعزیزات ہند کے تحت

جناب!

بحوالہ آپ کی چھٹی نمبر ۸۶۵ مورخہ ۲۹-۶-۴ میں ہدایت جاری کرتا ہوں کہ سزائے موت جس قیدی کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اس کی توثیق عدالت کرتی ہے۔

۲۔ سزائے موت کے حکم نامہ کی توثیق منسلک ہے۔

۳۔ فیصلہ کی تین کاپیاں جلد ارسال کی جائیں گی۔

۴۔ متعلقہ جیل سپرنٹنڈنٹ کو کہا گیا ہے کہ وہ قیدی کو سزائے موت کے حکم سے

آگاہ کرے۔

۵۔ ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کا ریکارڈ واپس کیا جاتا ہے۔

دستخط ڈپٹی رجسٹرار

۱۹۲۹-۷-۱۹

کیس پر اخراجات:

طالع مند نے وکیل صفائی کی فیس کے علاوہ قائداعظم محمد علی جناح کی آمد لاہور میں قیام اور واپسی کے اخراجات بھی برداشت کیے۔ اس ضمن میں مسلمانوں نے جو کمیٹی قائم کی تھی اس نے بھی طالع مند کو مالی امداد دی تھی۔ کیس کی سماعت کے آغاز سے پریوی کونسل میں فیصلہ ہونے تک کے دوران اٹھارہ ہزار دو سو روپے خرچ ہوئے۔

بقول محمد عبداللہ چغتائی مرحوم!

''علم الدین کے والد طالع مند نے اپنے پاس سے ساڑھے تین ہزار روپے خرچ کیے اس کے علاوہ دو ہزار روپے قرض لے کر اخراجات پورے کیے۔''

لندن کی پریوی کونسل میں اپیل دائر ہونے کے تین ماہ بعد بھی نتیجہ مایوسی کے سوا کچھ نہ نکلا۔ ۱۵ اکتوبر کو پریوی کونسل میں بھی اپیل کو خارج کر دیا گیا اور اس کا فیصلہ ۵ نومبر ۱۹۲۹ء کو جاری کیا گیا۔

بعدالت بکنگھم پیلس:

سب سے زیادہ قابل احترام بادشاہت

وزیراعظم...... لارڈ چیمبرلین

لارڈ صدر...... لارڈ ساؤتھ برگ

آنریبل سرفرانس لینڈلے

آج بتاریخ ۱۵ اکتوبر کو پریوی کونسل کمیٹی جوڈیشنل کے روبرو رپورٹ ان الفاظ میں سماعت ہوئی۔ شاہ ایڈورڈ ہفتم کے حکم نامہ جاری شدہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۹ء کے تحت علم الدین کی ''رحم کی اپیل'' سماعت کی۔ اس کو سزائے موت لاہور ہائیکورٹ نے ۱۷ جولائی ۱۹۲۹ء کو سنائی تھی۔ ہائیکورٹ نے سیشن جج لاہور کی سزائے موت کو بحال رکھا۔

اس لئے کمیٹی آف لارڈ اس مقدمہ کی سماعت کے لئے ہزمیجسٹی کی جانب رجوع کرتی ہے کہ وہ اس اپیل کے بارے میں اپنی رائے سے آگاہ کرے۔

ہزمیجسٹی نے اس رپورٹ پر غور کیا ہے اور وہ پریوی کونسل کو حکم جاری کرتی ہے کہ سزائے موت کے حکم پر عمل کیا جائے۔

لہٰذا اس حکم نامے کی اطلاع لاہور ہائیکورٹ اور دیگر متعلقہ افراد کو بھی دی جائے۔

دستخط

ایم۔ بی اے ھینکی

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلے پر اظہارِ اطمینان:۔

ہائی کورٹ کے فیصلے کو سن کر غازی علم الدین شہید رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا!

''شکر الحمد للہ! میں یہی چاہتا تھا بزدلوں کی طرح قیدی بن کر جیل میں گلنے سڑنے کے بجائے تختہ دار پر چڑھ کر رحمت للعالمین، پیغمبر خدا، ہادی برحق، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر اس حقیری سی جان کو قربان کر دینا موجب صد ہزار ابدی سکون و راحت ہے، خدا میری اس ادنیٰ اور پرخلوص قربانی کو قبول فرمائے۔''

اسی طرح پریوی کونسل کے فیصلے پر غازی علم الدین یوں گویا ہوئے۔

''کاتب تقدیر نے شہادت کا رتبہ پانا میری قسمت میں روز ازل سے لکھ دیا ہے، یقیناً میری قربانی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی ہے۔ انشاء اللہ اب مجھے دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری دینے سے کوئی طاقت نہیں روک سکے گی۔''

ہندو اخبارات کی قائداعظم محمد علی جناح پر تنقید:۔

جب عدالت عالیہ نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کیس میں سیشن کے فیصلہ کو برقرار رکھا اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی سزائے موت برقرار رکھی تو ہندو اخبارات نے قائداعظم محمد علی جناح کے خلاف زبردست ہرزہ سرائی شروع کر دی۔ مشہور ہندو اخباروں نے اس مسئلہ پر متعدد بار ہرزہ سرائی کی۔ اس سلسلے میں دو مشہور کالم گپ شپ اور چلنت چھاپے گئے۔ ان میں قائداعظم محمد علی جناح کو بُری طرح رگیدا اور واضح طور پر تمسخرانہ انداز میں لکھا!

''قائداعظم محمد علی جناح کی قابلیت بھی علم الدین کو موت کے منہ سے نہ چھڑا سکی۔ قائداعظم محمد علی جناح کو ایسا کمزور مقدمہ قطعاً لینا ہی نہیں چاہئے تھا کیونکہ ہندوؤں کو ان کے خلاف ناواجب شکایات پیدا ہو گئی ہیں۔''

جوابی اخباری حملہ:۔

اس ہرزہ سرائی کے جواب میں ۲۶ جولائی ۱۹۲۹ء کو روزنامہ جمیت دہلی نے ''مسٹر جناح کی باطل شکن تقریر'' کے عنوان سے ایک مضمون چھاپا اور قائداعظم محمد علی جناح کو ان الفاظ سے اخراج تحسین پیش کیا!

''لاہور ہائی کورٹ سے بھی علم الدین کی اپیل کا فیصلہ صادر ہو گیا اور پھانسی کا جو حکم سیشن عدالت سے ہوا تھا وہی بحال رہا۔

قائداعظم محمد علی جناح کی مدلل اور موثر تقریر کو پڑھنے کے بعد اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے دلائل کس قدر وزنی تھے اور انہوں نے ماتحت عدالتوں کی شہادتوں میں جن نقائص کا ذکر کیا تھا ان سے مقدمہ کس درجہ کمزور ہو گیا تھا مگر ہائی کورٹ کے ججوں نے خدا معلوم کن وجوہ کی بناء پر ان دلائل کو قابل اعتناء نہیں سمجھا، اس وقت ہائی کورٹ کا فیصلہ موجود نہیں ہے۔ اس لئے ہم اس پر مفصل تنقید نہیں کریں گے۔ جب تک ہمارے سامنے اصل فیصلہ کے دلائل نہ آ جائیں ہم یہ نہیں سمجھتے کہ قائداعظم محمد علی جناح کی تقریر کے بعد پھانسی کی سزا کس طرح بحال رہ سکتی تھی؟''

اس سارے قصے کا حیران کن پہلو یہ تھا کہ ہندو جرائد و رسائل نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کئی کہانیاں بنانی شروع کر دیں۔ بعض اخبارات و رسائل اپنے خاص صفحات ان لطیفوں کے حوالے کر دیتے تھے کہ علم الدین اب اپنے فعل پر (معاذ اللہ) پچھتا رہا ہے اور ہر وقت افسوس کرتا رہتا ہے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کیفیت:۔

ہندو اخبارات و رسائل کی ان بے بنیاد باتوں کے جواب میں وقار اللہ عثمانی نے ۴ ستمبر کو روزنامہ انقلاب میں اپنا ایک مضمون تحریر کیا جس میں وقار اللہ عثمانی نے کہا!

''میں کل شام تین بجے سنٹرل جیل لاہور میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ملا۔ وہ ماشاء اللہ خوش و خرم ہیں اور اُن کی صحت قابل رشک ہے۔ میری اُن سے ملاقات قریباً بیس سے پچیس منٹ تک جاری رہی۔ میں نے کبھی بھی پھانسی کے مجرم کو اس قدر اطمینانی کیفیت میں نہیں دیکھی۔''

باب 17:

میانوالی جیل میں

ہائی کورٹ کے اس فیصلہ کے بعد ہندو مسلم کشیدگی میں بے پناہ اضافہ ہو گیا اور ہر وقت اس بات کا خدشہ موجود رہنے لگا کہ کہیں فسادات نہ پھوٹ پڑیں۔ اس بات کے پیش نظر حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو سنٹرل جیل لاہور سے میانوالی جیل منتقل کر دیا جائے۔ لہٰذا یہ سارا کام رازداری کے ساتھ ۱۴ اکتوبر ۱۹۲۹ء کی رات ساڑھے نو بجے ہوا اور انہیں بس پر بٹھا کر گوجرانوالہ پہنچا دیا گیا جہاں سے ساڑھے بارہ بجے رات ریل گاڑی پر میانوالی روانہ کیا گیا۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو ریل کے فسٹ کلاس ڈبے میں محصور کیا گیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ چار سپاہی اور دو سارجنٹ اور ایک چھوٹا کپتان تھا۔ میانوالی گاڑی بروز جمعہ اڑھائی بجے پہنچی اور وہاں سے پولیس بعجلت غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو میانوالی ڈسٹرکٹ جیل میں لے گئی۔

گھر والے میانوالی جیل میں:-

طالع مند کو کسی ذریعہ سے اطلاع ملی کہ اس کے بیٹے کو اب میانوالی جیل منتقل کر دیا گیا ہے تو انہوں نے اس بات کی تصدیق کی۔ جب اُن کو پتہ لگا کہ واقعی اُن کے بیٹے کو میانوالی جیل منتقل کر دیا گیا ہے تو وہ بھی گھر والوں اور دوسرے عزیز و اقارب کے ہمراہ میانوالی جیل پہنچے۔ میانوالی میں وہ اہل خانہ کے ہمراہ داروغہ جیل میاں اکبر کے گھر مقیم رہے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ جب جیل میں ملاقات کے لئے گئیں تو اس وقت ان کی آنکھوں سے لگاتار آنسو بہہ رہے تھے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات پر شدید افسوس کا اظہار کیا اور واضح الفاظ میں کہا!

''جس نے مجھے رو کر ملنا ہے وہ مجھ سے قطعی طور پر نہ ملے۔''

مختلف لوگوں سے ملاقاتیں:-

میانوالی جیل میں منتقلی کے بعد کئی لوگ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے میانوالی جاتے رہے جن میں کئی مشہور شخصیات بھی شامل تھیں۔

۳۰ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو رونما ہونے والے چند واقعات کا اعادہ کیا جاتا ہے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا جیل میں کیا حال تھا؟

مشہور شاعر عشق لہر کی ملاقات:-

پنجابی کے مشہور شاعر عشق لہر نے میانوالی جا کر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی تو اس وقت غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ ایک عجب سرشاری کے عالم میں تھے۔ انہوں نے ان سے اپنے حسب حال اشعار سنانے کی خواہش ظاہر کی تو عشق لہر نے فرمایا!

''علم الدین تم نے اپنی روتی والدہ کو صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ جس نے مجھے رو کر ملنا ہے وہ میرے پاس نہ آئے اور اب اگر میرے اشعار سنانے کے دوران میرے آنسو نکل آئے اور میں اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا تو تم مجھ سے بھی ناراض ہو جاؤ گے۔''

جس پر غازی علم الدین یوں بولے!

''حوصلہ رکھیں، میرا دل مطمئن ہے یقین کرو جو کچھ میں دیکھ رہا

ہوں اگر بخدا! تم بھی دیکھو تو تم کبھی غمگین نہ ہو۔"

غازی علم الدین نے کچھ توقف کے بعد پھر کہا!

"مجھے حسب حال کچھ اشعار آپ سے سننے ہیں اور میری آپ سے التجا ہے کہ بخل سے کام نہ لیں۔"

اس پر استاد عشق لہر نے فرمایا!

"سناؤں گا اور ضرور سناؤں گا۔ مگر میں آج کے دن پہلے کچھ آپ سے سننا چاہتا ہوں۔"

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا عشق:۔

استاد عشق لہر کی اس فرمائش پر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے فارسی کے اشعار ذیل بڑے ہی سوز عشق کے انداز میں سنائے۔

من عاشق سرمستم از داد میندیشم
پروانۂ جان بازم از ناز میندیشم
چوں طالب دیدارم از غیار چہ دارم
چوں عاشق گلزارم از خار میندیشم
باد دست چو مشغولم دشمن چہ کند برمن
چوں تیغ بدست آمد از مار میندیشم
من دار بلائش را چوں تخت شہی دانم
حلاج وہم عاشق از دار میندیشم

بعد میں حضرت غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ان اشعار کا اردو ترجمہ بھی سنایا!

کب عاشق سرمست ہوں، میں وار سے ڈرتا نہیں
جانِ باز پروانہ جو ہوں، میں نار سے ڈرتا نہیں

میں طالب دیدار ہوں، اس کا نہیں غم مجھے
جب عاشق گلزار ہوں میں، خار سے ڈرتا نہیں
مشغول ہوں میں دوست سے دشمن کا اندیشہ نہیں
حاصل خزانہ ہو گیا، میں مار سے ڈرتا نہیں
پھانسی کا تحفہ واسطے میرے ہے، اک تخت شہی
ہاں عشق میں حلاج ہوں میں دار سے ڈرتا نہیں

ان اشعار کو سن کر استاد عشق لہر جذب و مستی کے عجب خمار میں ڈوب گئے اور پھر دریافت کیا!

''اے فخر دین وملت! اے پروانۂ شمع رسالت! آپ کی کوئی آخری خواہش ہو؟''

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا!

''میرے دل میں صرف یہی ایک تمنا ہے کہ یہ ناپائیدار رشتۂ حیات کہیں جلد از جلد ٹوٹ جائے تا کہ مضطرب روح جسد خاکی سے رہائی پا کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔''

استاد عشق لہر کا اظہارِ عقیدت:۔

بعدازاں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مسلسل اصرار پر استاد عشق لہر نے ذیل کے پنجابی اشعار اپنے مخصوص لہجے میں سنائے!

علم الدین! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دے نام اتوں، میاں جان جوانی نوں واریائی
آفرین غازی! تیرے حوصلے دا مارا راجپال کمبخت نوں ماریائی
جیہڑا چکیا بوجھ محبتاں دا، چڑھکے دار تے سروں اتاریائی
بیڑا ڈوب کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دے دشمناں دا، علم الدین توں کل نوں تاریائی

بقول پیر غلام دستگیر نامی!

"عشق لہر کا حقائق پر مبنی کلام سن کر غازی علم الدین بہت خوش ہوئے ان کا چہرہ اور بھی شگفتہ ہو گیا اور طبیعت بے حد ہشاش بشاش ہو گئی۔"

غازی الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی درافتگی:-

اور پھر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ذیل کے اشعار مستانہ لہجے میں استاد عشق لہر کو سنائے جو ایک تاریخی حیثیت کے حامل ہیں۔

دن ہفتے دا میں قربان جاواں اللہ بخشی سی ایہہ مراد مینوں
قسم رب دی بندہ نہ نال کوئی، مدد دتی سی اللہ جلال مینوں
خنجر ماریا سی حکم رب دے نال ایہو دل دے وچہ مراد مینوں
علم الدین ڈرنا موت تھیں نہیں جھنڈے نبی دے نال پیار مینوں

پیر سیال شریف کی ملاقات:-

میانوالی جیل میں منتقلی کے چند یوم کے بعد سیال شریف کے سجادہ نشین نے بھی غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی۔ پیر صاحب نے جب غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے چہرہ مبارک پر نگاہ ڈالی تو ایک عجیب جلال و جمال اس کے چہرے پر موجود پایا اور بے حد مرعوب ہوئے اور کوئی خاص بات ہونے کے باعث منہ سے کوئی بات نہ نکال سکے۔ حکم ربی انہوں نے سورہ یوسف کی تلاوت شروع کر دی چونکہ پیر صاحب ایک اچھے قاری اور حافظ تھے لیکن وہ اپنے اندر سورۂ یوسف پڑھنے کا یارا نہ پاتے تھے اور وفور جذبات سے ان کی آواز بار بار رک جاتی تھی۔ اس پر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا!

"بسم اللہ شریف پڑھ کر ایک دفعہ پھر سے شروع کریں۔"

پیر صاحب نے دوبارہ تلاوت کا آغاز کیا لیکن اس دفعہ بھی روانی نہ آسکی

اکثر گلوگیر ہو کر رک جاتے اور کسی اور عالم میں پہنچ جاتے گو غازی علم الدین قرآن پاک نہیں پڑھے ہوئے تھے اور انہیں سورۂ یوسف ہرگز نہ آتی تھی لیکن وہ پیر صاحب کو صحیح لقمے دیتے رہے اور سورۂ یوسف پڑھنے میں پوری پوری مدد کی۔

پیر صاحب ملاقات کر کے باہر آئے تو فرطِ حیرت سے ان کی زبان گنگ تھی انہوں نے صرف اتنا فرمایا!

"میں علم الدین کے لبادے میں کوئی اور ہستی پاتا ہوں، کون کہتا ہے کہ غازی علم الدین ان پڑھ اور جاہل ہیں، انہیں علم لدنی حاصل ہے اور وہ کائنات کے اسرار و رموز سے واقف ہیں۔"

دوست شیدے سے ملاقات:۔

شہادت سے دو روز قبل غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لئے ان کا دوست شیدا میانوالی گیا بوقت ملاقات آپ بڑی گرم جوشی سے شیدے سے ملے اور صاف الفاظ میں کہا!

"دوست! راجپال کا قاتل میں ہوں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ میں نے موت سے ڈر کر عدالت میں ارتکاب فعل سے انکار کیا ہے یہ سراسر غلط ہے۔ مسلمان کا عقیدہ ہے کہ حیات دنیا مستعار ہے اور ہم سب کو ایک نہ ایک دن اس دارِ فانی سے گزرنا ہے۔ پھر میں کیونکر موت سے ڈر سکتا تھا۔ عدالت میں میرے جو بیانات ہوئے وہ میں نے اپنے بزرگوں کے کہنے کے مطابق بادل ناخواستہ دیئے ہیں۔ میرے نزدیک عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کٹ مرنا وہ بلند ترین رتبہ ہے جو کسی مسلمان کو مل سکتا ہے اس لئے موت پر غمگین ہونا تو درکنار میرے لئے یہ خبر کہ پریوی کونسل میں میری اپیل نامنظور ہو گئی ہے انتہائی مسرت کا

موجب ہے اور میں خوش ہوں کہ مشیت الٰہی نے اس زمانہ میں چالیس کروڑ مسلمانوں میں سے مجھے اس سعادت کے لئے منتخب کیا۔تمام مسلمانوں کو میرا یہ پیغام دینا کہ وہ میرے جنازہ پر آنسو نہ بہائیں۔“

ہے جس کی خلوتوں کا سہارا غم رسولؐ
وہ گوشۂ لحد میں بھی تنہا نہیں ہوا کرتا

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت:۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ان دنوں اپنے عزیز و اقارب کو میانوالی جیل میں ذیل کی وصیت کی!

”میرے پاس جو بھی میرا عزیز و رشتہ دار آئے، وہ مجھے روتا ہوا نہ ملے بلکہ وہ صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتا ہوا ملے۔میری سزائے موت پر عمل درآمد کے بعد مجھے غسل اور کفن یہیں سے ہی دیا جائے اور میری نماز جنازہ بھی یہیں سے پڑھائی جائے تاکہ میانوالی کے مسلمان بھی اس سے فائدہ اٹھائیں۔لاہور نعش لے جانے کے بعد وہاں بھی غسل دیا جائے۔اگر ہو سکے تو وہ چارپائی استعمال میں لائی جائے جس پر حضرت مولانا مولوی خلیفہ تاج الدین رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ بانی قدیمی اسلامی درس گاہ دارالعلوم انجمن نعمانیہ اندرون ٹیکسالی گیٹ لاہور کی نعش لے جائی گئی تھی اسے ضرور مہیا کرلیا جائے۔میانوالی سے لاہور تک جس گاڑی میں بھی میری نعش لے جائی جائے اور وہ گاڑی جس وقت جس اسٹیشن پر رکے وہاں بلند آواز سے کلمہ طیبہ کا ورد کیا جائے۔میرا جنازہ چوبرجی عیدگاہ گراؤنڈ میں رکھا جائے اور وہیں اہلیان لاہور کے

مسلمان میری نماز جنازہ پڑھیں اور میرے حق میں دُعائے خیر کریں۔ میری قبر کے چاروں کونوں میں گلاب کے چار گملے لگائے جائیں۔ قبر ننگی رکھی جائے تاکہ اس پر بارانِ رحمت کی بوندیں ٹپکتی رہیں۔ مجھے صندوق میں بند کر کے قبر میں نہ رکھا جائے مجھے بطریق سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دفن کیا جائے میری قبر کو پختہ نہ بنایا جائے۔ اس کی حفاظت کے لئے اس کے گرد اکھڑا بنایا جائے اور قبر کے گرد کٹہرا میرے والد اپنے ہاتھ سے تیار کر کے لگائیں۔"

سپرنٹنڈنٹ جیل کو تحریری وصیت:۔

جب غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی آخری ملاقات ہوئی اُس کے بعد غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جیل سپرنٹنڈنٹ کو بلایا اور اس کو مندرجہ ذیل وصیت لکھوائی تاکہ بعداز شہادت اس پر عمل ہو سکے اور اس وصیت کو پڑھ کر تسلی کرنے کے بعد انہوں نے اسے بذریعہ کمشنر اپنے والد طالع مند تک پہنچایا وصیت کے مطابق!

"میرے تمام عزیز واقارب کو تاکید کر دی جائے کہ میرے پھانسی لگ جانے کے بعد ان کے گناہ بخشے نہیں جائیں گے بلکہ ہر ایک کو روز آخرت اپنے عمل کا جواب دینا ہوگا اور اپنے عمل سے ہی وہ دوزخ سے چھٹکارا پائے گا۔ نماز قائم کریں اور احکام شرعیہ کی مکمل پابندی اختیار کریں زکوٰۃ دیں۔ بھائی محمد دین اور بھائی غلام محمد! تم پر جب بھی کوئی مصیبت نازل ہو تو آغاز کے بعد یامزمل کا ورد ضرور کریں۔

مزار کی تیاری کے بارے میں لکھوایا کہ میری قبر کا فرش دو فٹ اونچا اور تین فٹ مربع ہو۔ میری قبر کا کٹہرا جو سارے تھڑے کا

احاطہ کیے ہوئے ہو، سوا دو فٹ اونچا ہو۔ تمام سنگ مرمر کا بنایا جائے۔ ایک جانب سے ۲۱۰۲ یا ۳۱۰۲ فٹ کی جگہ کچی رکھی جائے۔ یہ جنگلہ لکڑی کا میرے والد بزرگوار اپنے ہاتھ سے بنا کر لگائیں۔ قبر اندر سے کچی رکھی جائے۔ مجھے صندوق میں دفن کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نیچے صرف ریت بچھائی جائے۔

میرے خاندان میں سے جو آدمی بھی وفات پائے۔ اُس کی قبر میرے دائیں ہاتھ بنائی جائے۔ بڑے تھڑے کے چاروں کونوں پر گلاب کے پودے لگائے جائیں۔ باہر کی طرف دو کوٹھڑیاں بنائی جائیں اور کنواں بھی تعمیر کیا جائے اور مسجد وہاں بنائی جائے اور اس کا فرش میری قبر کے فرش سے کسی حالت میں کم نہ ہو۔

جب مجھے دفن کر دیا جائے تو دو رکعت نفل نماز شکرانہ ادا کریں اور دو نفل میری مغفرت کے واسطے ادا کیے جائیں۔ میری لاش کے ہمراہ دنگا وفساد نہ کیا جائے اور امن و امان کی تلقین کی جائے میری نعش کے ہمراہ ذکر الٰہی کا ورد رکھا جائے اور اس دوران کوئی بھی اپنے سر سے پگڑی نہ اتارے۔

میری جو قمیض عدالت میں پڑی ہوئی ہے وہ میرے ماموں سراج دین کو دی جائے اور میری شلوار بھائی محمد دین کو دی جائے۔

یہاں جیل میں جو میرے کپڑے ہیں ان میں سے میری پگڑی میرے تایا کو دی جائے اور قمیض چھوٹے تایا نور الدین کو اور کرتی جھنڈو برادر بھیجے کو دی جائے اور بھائیوں کو السلام علیکم کہا جائے۔"

کیفیت خوشی و سرشاری:۔

۳۰ اکتوبر ۱۹۲۹ء کا دن جو پھانسی پانے والے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا آخری لمحہ تھا۔ یہ وہ لمحہ تھا جب اس قید خانے سے باہر کی دنیا کا رابطہ بالکل کٹ جاتا ہے اور تختہ دار پر چڑھنے تک صرف اور صرف اپنے رب کے سوا بندہ ہر ایک سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ورثاء کو جیل میں بلایا گیا اور انہیں پانچ دستوں میں تشکیل دیا گیا ہر دستہ چودہ افراد پر مشتمل تھا۔

والد طالع مند کی ملاقات:۔

پہلا دستہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے والد طالع مند کے ہمراہ دس بجے صبح ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ملاقاتیوں کو استقبال دل آویز مسکراہٹ سے کیا اور باری باری ہر ایک کی خیریت دریافت کی اس وقت اس کے چہرے پر عجیب سی خوشی و سرشاری رقصاں تھی۔ جب طالع مند نے اس بارے میں استفسار کیا تو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا دلی راز خوشی یوں بیان کیا!

''میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا مانگی تھی کہ مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دیدار نصیب ہو جائے جس کے تحت آج رات کو خواب میں مجھے ان کا دیدار ہوا اور انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا چاہتے ہو؟ جس کے جواب میں میں نے کہا کہ آپ کلیم اللہ (اللہ تعالیٰ کے کلیم) ہیں اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ میں نے اپنے والد کے کہنے پر عدالت میں جو جبراً جھوٹ بولا تھا کہ میں نے راج پال کو قتل نہیں کیا ہے، اللہ تعالیٰ عزوجل میرا وہ گناہ معاف کر دیں، اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مجھے یہ خوشخبری سنائی ہے کہ

اللہ تعالیٰ عزوجل نے تیرا یہ گناہ معاف کر دیا ہے اور تجھے اس معاملے میں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس بناء پر میں آج بے حد خوش ہوں اور اللہ تعالیٰ عزوجل کا بار بار شکر ادا کرتا ہوں۔''

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تمام عزیز و اقارب کو اپنے ہاتھ سے تھوڑا تھوڑا پانی بھی پلایا اور اپنے والد طالع مند سے التجا کی کہ وہ خوب سیر ہو کر پانی پی لیں جب وہ پانی پی کر سیر ہو چکے تو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے دریافت کیا کہ کیا اس پانی سے ان کے دل کو تسکین اور ٹھنڈک بھی ہوئی ہے؟ اس پر انہوں نے اس بات کی تصدیق کی تو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا!

''اللہ تعالیٰ عزوجل کی قسم! میرا کلیجہ بھی ایسا ہی سرد اور پُرتسکین ہے۔ میرے بعد آپ میں سے جو بھی مجھ پر روئے گا وہ میرا دشمن ہوگا۔''

والدہ کی ملاقات:۔

دوسرے دستے کی قیادت غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ کر رہی تھیں۔ اس دستے میں صرف عورتیں ہی عورتیں تھیں۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی والدہ سے فہمائش کی کہ مجھے اپنا لبادہ بخش دیں تاکہ میں پرسکون ہو کر مر سکوں۔ ماں کی آنکھوں میں تیرتے ہوئے آنسو دیکھ کر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں حوصلہ دیتے ہوئے کہا

''ماں تو تو خوش نصیب عورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے مجھ جیسا خوش قسمت بیٹا دیا ہے اور تیرے لئے تو یہ خوشی کا موقع ہے کہ تیرے بیٹے کو ایسی موت نصیب ہو رہی ہے جس کی آرزو ہر مسلمان کرتا ہے یہ تو اللہ تعالیٰ عزوجل کی خاص عنایت ہے۔''

بھائی محمد دین کی ملاقات:۔

تیسرا دستہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی میاں محمد دین کے ساتھ آپ رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ پہلے کی طرح کھڑے ہو گئے۔ سب عزیزوں سے اُن کی خیریت دریافت کی اور بڑے بھائی سے میٹھی میٹھی باتیں کرتے رہے۔ پھر اپنے بھائی کو اپنی منگیتر فاطمہ بی بی کے متعلق وصیت فرمائی!

''اسے ہر ممکن طریقے سے خوش رکھنے کی ہمیشہ کوشش کرتے رہنا اور اس کی شادی میں ایک بھائی کی حیثیت سے شامل ہو کر تمام حقوق ادا کرنا۔''

ہمشیرہ معراج بیگم کی ملاقات:۔

چوتھے دستے کی قیادت غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ معراج بیگم نے کی اُن کے ساتھ بھی صرف عورتیں تھیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ پھر سب سے فرداً فرداً مخاطب ہوئے۔ اس کے بعد بہن کے ساتھ محبت بھری باتیں کیں اور فرمایا!

''میری بہن! تو بہت خوش نصیب ہے آج کے بعد تو ہمشیرہ شہید رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے جانی جائے گی۔ کسی بہن کے ارمانوں کی دنیا قید حروف میں نہیں آسکتی۔''

عزیز و اقارب کی ملاقات:۔

پانچواں اور آخری دستہ ملاقات کے لئے حاضر ہوا اس میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے دور و نزدیک کے رشتے دار شامل تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔ دوستی کے لہجے میں ان سے گفتگو ہوئی۔ ماضی کی یادیں تازہ

کیں اور آخر میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اُن سے کہا!

"منشی طاہر الدین اور ان کے ملنے والوں کو میرا سلام دے دینا۔"

اور یوں دو بجے اس آخری ملاقات کا وقت ختم ہوا۔

عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کوٹھری کی طرف لوٹ گیا اور اس وقت کا انتظار کرنے لگا کہ کب وہ گھڑی آئے جب اسے وصال الٰہی اور قرب و دیدارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہو جائے اور وہ امر ہو جائے۔

جیل میں آخری ملاقات:۔

وارڈن نواب دین مرحوم سپاہی پھگواڑہ جو اُن کی نگرانی پر مامور تھا۔ اُس نے انکشاف کیا کہ

"غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو تختہ دار پر چڑھانا تھا۔ ۳۰ اور ۳۱ کی درمیانی شب کو میں ان کے کمرے کا نگراں تھا۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے وہ ساری رات سجدوں اور تلاوت میں گزاری۔ صبح کو چار بجے میں نے دیکھا کہ کوٹھڑی بدستور بند ہے؟ لیکن غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اندر موجود نہیں تھے۔

میں پریشان ہو گیا کہ انہیں اس کوٹھری سے کون نکال کر لے گیا ہے؟ اب میں جیل حکام کو کیا جواب دوں گا؟ میں نے دل کڑا کر اپنے ساتھیوں اور جیل حکام کو اطلاع دی اور کہا کہ اگر سازش ہوئی ہے تو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کہیں دور نہیں جا سکتے کیونکہ ابھی ابھی وہ سربسجود تھے۔ میں جونہی ایک چکر لگا کر آیا تو انہیں غائب پایا۔ اس پر سب نے اندر غور سے جھانکا لیکن کوٹھری خالی تھی۔

ابھی ہم انہیں ادھر اُدھر تلاش ہی کر رہے تھے کہ اچانک اُن کا کمرہ روشنی سے منور ہو گیا اور ہم نے دیکھا کہ وہ مصلے پر بیٹھے ہیں اور ایک نورانی صورت بزرگ اُن کے سر پر ہاتھ پھیر رہے ہیں۔

اب ہم نے جونہی اندر جھانکا تو وہ بزرگ غائب تھے اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ تسبیح پڑھ رہے تھے۔''

بقول نواب دین!

''میں نے اُن بزرگ کے واضح الفاظ سنے جو اُنہوں نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے کہے کہ بیٹا حوصلہ رکھنا اور گھبرانا نہیں۔''

تکمیل آرزو:۔

۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء کی صبح۔ یہ دن برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ یہی وہ صبح ہے جس وقت آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت پر قربان ہونے کے لئے اور شہادت کی آرزو کی تکمیل کے لئے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ پھانسی کے تختے پر چڑھے۔

تختہ دار جانے کی تیاری:۔

۳۰ اور ۳۱ اکتوبر کی درمیانی شب کو بوقت تہجد غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے نماز تہجد ادا کی اور بعد از نماز تسبیح و تہلیل میں مصروف ہو گئے۔ فجر کا وقت شروع ہوا تو نمازِ فجر ادا کی اور ہاتھ بارگاہِ الٰہی میں دُعا کے لئے اٹھا دیئے۔ ابھی غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ دُعا میں مصروف ہی تھے کہ کوٹھری سے باہر سے بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی اور پھر کمرہ جیل کے دروازے کے پاس کوئی آ کر رُکا۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے دروازے کی جانب نگاہ دوڑائی تو داروغہ جیل کے ہمراہ ایک اور شخص کو بھی دروازے پر موجود پایا جس کے ہمراہ چند مسلح جوان

پولیس کے بھی کھڑے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی جانب دکھا تو مجسٹریٹ نے جو داروغہ جیل کے ہمراہ آیا تھا اُن کی آنکھوں میں منڈلاتے سوال کو دیکھ کر کہا!

''وہ گھڑی آگئی ہے تیار ہو جاؤ۔''

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سنا تو چہرہ خوشی سے کھل اٹھا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے والہانہ فرمایا!

''میں تیار ہوں۔''

۲۶ جمادی الثانی ۱۳۴۸ھ بمطابق ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء بروز جمعرات کو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ اُس وقت غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی حالت دیدنی تھی۔ مقتل گاہ میں موجود ہر شخص حتیٰ کہ مجسٹریٹ بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حالت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ مجسٹریٹ نے اسی حیرت کی عالم میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے کہا!

''آخری خواہش یا کوئی وصیت وغیرہ؟''

غازی علم الدین نے کہا!

''مجھے دو رکعت نماز نفل شکرانہ ادا کرنے کی اجازت دی جائے۔''

جس پر مجسٹریٹ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اجازت دے دی۔

ایسے وقت داروغہ جیل کی آنکھیں آنسوؤں سے معمور ہوگئیں اور اُس کی آنکھوں میں آنسو ٹپکنے لگے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اُس کی طرف ایک نگاہ ڈالی اور کہا!

''تم اس بات کے گواہ رہنا کہ عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری آرزو کیا تھی؟''

اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی پُرسکون انداز میں دو رکعت نماز نفل شکرانہ ادا کیئے۔ لیکن نماز ادا کرنے کی بے تابی اور جلدی کا اظہار واضح تھا جس سے مجسٹریٹ

ایک مرتبہ پھر حیران و پریشان تھا۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ تختہ دار کی جانب:۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نماز سے فارغ ہوئے۔ داروغہ جیل نے کوٹھری کا دروازہ کھولا اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اس اثناء میں مسکراتے ہوئے مصلے سے اٹھے اور دروازے کی جانب لپکے۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا دایاں پاؤں کوٹھری سے باہر نکالا تو مجسٹریٹ نے کہا!

"جلدی چلیں اور دیر نہ کریں۔"

اس کے ساتھ ہی آپ نے تیز تیز قدم اٹھانے شروع کئے اور کشاں کشاں تختہ دار کی جانب بڑھے۔ جیل میں بند دوسرے قیدی بھی حیرانی سے اس عاشق زار کی چال کو دیکھ رہے تھے ایک کوٹھڑی کے سامنے سے گزرتے ہوئے آپ نے اپنا دایاں ہاتھ اٹھایا اور اس قیدی کو سلام بھی کیا اور خدا حافظ بھی کہا جواب میں اس نے نعرۂ رسالت بلند کیا۔ اس بات سے داروغہ جیل اور مجسٹریٹ بھی حیران رہ گئے کہ دوسرے قیدی غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو خوش آمدید کہنے کے لئے کتنے بے تاب ہیں۔ کلمہ شہادت کی فضاء سے ساری جیل گونج اٹھی۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ ذرا دیر کے لئے رُکے۔ پولیس اور مجسٹریٹ کی جانب نگاہ دوڑائی اور زیر لب کچھ پڑھا اور تختہ دار کے قریب جا پہنچے۔

تختہ دار کے قریب متعلقہ حکام مسلح پولیس جوانوں کے ہمراہ مستعد کھڑے تھے۔ سب کی نگاہیں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے وجود کا طواف کر رہی تھیں اور حیران ہو رہی تھیں کہ کوئی بھی ملزم اس آن بان اور شان سے تختہ دار کی جانب نہیں بڑھتا اور نہ ہی بے تاب ہوتا ہے لیکن وہ بے چارے اس بات سے بے خبر تھے کہ سچے مسلمان کی یہی وہ شان ہے جس کے سہارے وہ ہر وقت شہادت کی آرزو میں تڑپتا رہتا ہے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ تختہ دار پر:-

ایسے وقت ہر شخص اپنی جگہ ساکت و صائم کھڑا تھا۔ پھر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے قدم تیزی سے تختہ دار پر چڑھے اور اس مقام پر جا کھڑے ہوئے جہاں پھندا پھانسی موجود تھا۔

آخری خواہش:-

اس وقت مجسٹریٹ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مرتبہ آخری خواہش دریافت کی جس کے جواب میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا!

''میری خواہش ہے کہ پھانسی کا پھندا میں اپنے ہاتھوں سے اپنے گلے میں ڈالوں۔''

مجسٹریٹ نے جواباً کہا!

''علم الدین یہ خودکشی کی بات ہوگی اور اس کی اجازت نہیں ہے۔''

مجسٹریٹ کی اس بات پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے خاموشی اختیار کر لی اور اصرار بالکل نہ کیا۔ پھر اتنا کہا!

''میرے ہاتھ اور پاؤں نہ باندھے جائیں تاکہ شدید اذیت سے دوچار ہوں اور اسی کی طفیل مجھے اگلے جہاں میں محبوبِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا قرب حاصل ہو سکے۔''

لیکن متعلقہ حکام نے اس آرزو کو سختی سے کچل دیا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پاؤں حسب روایات باندھ دیئے گئے۔ آنکھوں پر سیاہ پٹی اور سر پر کپڑا چڑھایا گیا۔ اس عرصے میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں موجود حکام اور مسلح پولیس نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا!

''میں نے ہی حرمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے راجپال کو قتل کیا ہے۔تم گواہ رہو کہ میں عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلمہ شہادت پڑھتا ہوا اپنی جان دے رہا ہوں۔''

اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے باآواز بلند کلمہ شہادت پڑھا اور پھر تختہ دار کے رسہ کو بوسہ دیا۔

اس وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے پر عجیب سی مستی بھری کیفیت طاری تھی اور ہر وہ شے جو انہیں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں سرخروئی بخش سکے وہ پیاری لگ رہی تھی۔

پھانسی کا اشارہ:۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے گلے میں رسہ ڈال دیا گیا۔مجسٹریٹ نے اپنا ہاتھ بلند کیا۔ معمولی اشارے کے ساتھ ہی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں تلے سے تختہ دار کھینچ لیا گیا۔ چند لمحوں بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کا وجود دوسروں کی طرح بالکل نہ تڑپا اور فرشتہ اجل نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو تختہ دار پر لٹکنے سے قبل ہی اس زحمت سے نجات دے دی۔

ڈاکٹر نے موت کی تصدیق کی اور نعش کو تختہ دار سے اتارنے کی اجازت دے دی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مردہ جسم تختہ دار سے اتار لیا گیا۔

اس یادگارہ موقع پر حضرت پیر غلام دستگیر نامی نے ذیل کے شعر سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کو یوں خراج تحسین بخشا!

برائے سال وفاتش بگفت ہاتفِ غیب
شہیدِ عشق محمد کبیر علم الدین

تاریخ شہادت کے لئے غیب سے یہ آواز آئی!

''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے شہید علم الدین کا رتبہ بہت بڑا ہے۔''

باب 18:

فضائل و کرامات

کسی بھی ولی اللہ کی عظمت و شان کا اندازہ اس کی فضیلتوں اور کرامات سے ہی لگایا جاسکتا ہے اسی طرح کسی شہید کے راز خونچکاں کا پیمانہ بھی اس کی فضیلت یا کرامت ہی ہوتا ہے جس سے اس کے عشق کی گیرائی و گہرائی کا اندازہ لگایا جاتا ہے اور اس کی عظمت کی ضوفشاں کرنوں سے مستفید ہوا جاتا ہے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسا جوان مرد اور عاشق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، جو مانند آفتاب افق عشق پر روشن ہوا اور اپنے عشق کی بے مثال کرنیں بکھیرتا ہوا اس دنیا کو عجب سرمستی اور سرشاری کی لازوال نعمتیں بخش گیا اور جس نے ایک سوئی ہوئی قوم کو پھر سے زندہ کر کے دنیا والوں کو، آریہ سماج والوں کو، عیسائیت اور یہودیت کے ہرزہ سراؤں کو یہ بتا دیا کہ مسلم قوم ابھی مردہ نہیں ہوئی۔ اس کی رگوں میں بہنے والا خون تمام سازشوں اور ہرزہ سرائیوں سے منجمد نہیں ہوا بلکہ اس کے اندر تم نے جو زہر سرایت کیا تھا اس زہر کو نکال کر پھر اسی آب و تاب سے اس کے بہاؤ کو رواں دواں کرنے کا فن مسلمانوں کو آتا ہے۔ تمہاری خباثتوں کی وجہ سے اس پر جو غنودگی چھا گئی تھی اس غنودگی کا توڑ قربانی ہے اور دیکھو کہ ناموس رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہونے سے وہ غنودگی دور ہو کر پھر سے جذبہ حریت سے سرشار قوم بن گئی ہے اور اس کی یہی سرشاری تمہاری تمام خباثتوں، رذالتوں اور ہرزہ سرائیوں کی موت ہے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے گنبد خضریٰ کو مرکز دل و دماغ بنا کر حقیقی محبت کا وہ سبق سکھایا جس کی روشن مثال قبل ازیں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور

ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے روشن دور میں ملتیں ہیں کہ عاشقان رسول اللہ ﷺ کس طرح اپنے پیارے آقا کی ناموس پر اپنی جان قربان کرنا فخر تصور کرتے ہیں اوران کے ذہن میں ایک ہی بات سمائے رہتی ہے کہ

خوشا چشمے کہ دید آں روئے زیبا
خوشا دل کہ دارد خیال محمدؐ

بہرحال غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی چند فضیلتیں یا کرامات کاذکر حسب ذیل ہے۔

خاص قسم کی روشنی:۔

جن دنوں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کومیانوالی جیل میں منتقل کیا گیا انہی دنوں وہاں سیّد احمد شاہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ اور شیخ خورشید اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ جیل تعینات تھے۔ان حضرات کے بیان کے مطابق!

> ''ایک رات ہم سپرنٹنڈنٹ جیل کے ہمراہ جیل میں گشت کررہے تھے کہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کوٹھڑی سے ایک خاص قسم کی روشنی نظر آئی جس سے ہم بہت متاثر ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں سربسجود ہو گئے۔''

صبر و استقلال:۔

جیل آنے سے پہلے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا وزن ۱۲۸ پونڈ تھا لیکن بوقت شہادت آپ رحمۃ اللہ علیہ کا وزن ۱۴۰ پاؤنڈ تھا حالانکہ موت کی سزا کا حکم اکثر قیدیوں کو حواس باختہ کر دیتا تھا اور اسی حواس باختگی میں اُن کا وزن بہت زیادہ گر جاتا تھا جبکہ یہاں صورتحال یکسر مختلف تھی۔کمال صبر و استقلال سے چہرے پر رونق اور ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی جس سے وزن میں اضافہ ہوا۔

قلب کو سکون:۔

جن دنوں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ لاہور جیل میں قید تھے انہیں دنوں انہوں نے اپنے لواحقین کو بتایا کہ

> ''مجھے ایک سفید پوش نورانی بزرگ کی زیارت ہوئی ہے انہوں نے میرے سر پر دست شفقت پھیرا اور فرمایا! بیٹا! مطمئن رہو تجھے جلد ہی بلا لیا جائے گا اسی وقت سے میرے قلب کو کمال درجہ سکون میسر ہے۔''

روحانی طاقت:۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی طاقت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لئے جو کوئی آتا آپ کی کوٹھری کے باہر برآمدے میں پانی کا ایک گھڑا رکھا تھا آپ رحمۃ اللہ علیہ اُس سے اپنے ملاقاتی کو پانی پلاتے تو اُس پانی کے پینے سے پینے والے کو عجیب سرور اور لطف حاصل ہوتا۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی پیشین گوئی:۔

سپرنٹنڈنٹ جیل سیّد نور حسین شاہ نے چونکہ ڈپٹی کمشنر راجہ زمان مہدی خان کو مشورہ دیا تھا جس پر انہوں نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو لاوارثوں کی طرح قبرستان میں دفن کیا جائے اور پر امن ہجوم پر سنگ باری کرائی جائے۔

چونکہ وہ جہلم شہر کے رہنے والے تھے اس لئے وہ اس بات کے چشم دیدہ گواہ ہیں کہ اُس کی بیوی کو بلیاں پالنے کا جنون سوار ہوگیا اور وہ اسی کھیل میں رات دن مستغرق رہنے لگی۔

اُس کا بیٹا جو پولیس کا اعلیٰ آفیسر تھا مخبوط الحواس ہو کر مرا اور خود ایس پی نور

حسین شاہ نے موت کے پنجہ استبداد میں سسک سسک کر جان دے دی اور اس طرح غازی علم الدین شہید کی یہ پیشین گوئی پوری ہوگئی کہ میری میت کے حصول میں دشواری پیش آئے گی اور جب مجھے لحد میں اتارا جائے گا تو رم جھم ہو رہی ہوگی۔

سکھ سول سرجن کا قبولِ اسلام:-

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی نعش جب گڑھے سے نکالی گئی تو اس میں نہ تو کوئی تعفن پیدا ہوا تھا اور نہ ہی اسے کوئی نقصان پہنچا تھا۔ اس منظر سے متاثر ہو کر بہت سے غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے جن میں میانوالی جیل کا سکھ سول سرجن بھی شامل تھا۔ بعدازاں وہ سرجن عزیز و اقارب کے غضب سے بچنے کے لئے لندن جا کر مقیم ہوگیا۔

والدہ کو دلاسا دینا:-

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ اکثر ان کے غم میں پریشان رہا کرتی تھیں۔ ایک رات غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پڑوسن چراغ بی بی کو خواب میں آ کر فرمایا!

''میری والدہ ماجدہ سے کہہ دینا وہ رویا نہ کرے میں جلد ہی گھر آ جاؤں گا۔''

اور پھر کچھ عرصہ کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ کی میت ہی لاہور واپس آئی۔

لنگوٹیے یاروں کا انجام:-

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے دو سابقہ لنگوٹیے یار دینا پالن فروش اور حاجی صدیق کسی وجہ سے ان سے ملنے نہ آئے۔ جس پر غازی موصوف نے اپنے عزیزوں سے کہا کہ ان کا انجام اچھا نہ ہوگا، پھر دینا تو ایسا غائب ہوا کہ اس کا کچھ پتہ نہ چل

سکا۔ جبکہ حاجی صدیق ایک مدت کے بعد بیمار ہوا اور بستر مرگ پر سسک سسک کر جان دے دی اور کئی گھنٹوں تک کسی کو بھی اس کے مرنے کی خبر نہ ہوئی اور جب اس کی نعش میں تعفن پیدا ہوا تو تب محلہ والوں کو پتہ چلا اور انہوں نے از راہ ہمدردی اسے سپرد خاک کیا۔

دیدار حضرت موسیٰ علیہ السلام:۔

۳۰ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو آخری ملاقات میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عزیزوں کو بتایا کہ آج میں بہت زیادہ خوش ہوں اور مجھے خواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دیدار نصیب ہوا ہے اور انہوں نے مجھے خوشخبری سنائی ہے کہ

"اے علم الدین! تجھے مبارک ہو۔ رب غفور نے تیری قربانی قبول فرمالی ہے اور نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں تیرا تذکرہ بکثرت ہوا کرتا ہے۔"

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا!

"میں اس بات سے خوش ہوں کہ عنقریب دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچ جاؤں گا۔"

وہ عشق جس نے ناتواں کو زورِ حیدری دیا
وہ عشق جس نے بے نوا کو تاجِ قیصری دیا

فیصلے کا علم:۔

پریوی کونسل سے اپیل کے اخراج کی خبر لے کر جب کارندۂ جیل ان کے پاس آیا تاکہ ان کو مطلع کر سکے کہ اس کے بولنے سے پہلے ہی آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا!

"مجھے یہ خبر دینے آئے ہو کہ اپیل خارج ہو گئی ہے پرسوں جب یہ فیصلہ ہوا تو مجھے اسی وقت علم ہو چکا تھا۔"

وہ ملازم دوڑتا ہوا اپنے دفتر گیا اور حیرت واستعجاب سے کہنے لگا کہ غازی علم الدین کوئی عام قیدی نہیں ہے۔ یہ سن کر جیل کے اعلیٰ ارکان اس کا منہ تکتے ہوئے کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

کائنات کے اسرار ورموز:۔

میانوالی جیل میں منتقلی کے چند یوم کے بعد سیال شریف کے سجادہ نشین نے بھی غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی۔ پیر صاحب نے جب غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے چہرہ مبارک پر نگاہ ڈالی تو ایک عجیب جلال و جمال اس کے چہرے پر موجود پایا اور بے حد مرعوب ہوئے اور کوئی خاص بات ہونے کے باعث منہ سے کوئی بات نہ نکال سکے۔ حکم ربی انہوں نے سورہ یوسف کی تلاوت شروع کر دی چونکہ پیر صاحب ایک اچھے قاری اور حافظ تھے لیکن وہ اپنے اندر سورۂ یوسف پڑھنے کا یارا نہ پاتے تھے اور وفور جذبات سے ان کی آواز بار بار رک جاتی تھی۔ اس پر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا!

''بسم اللہ شریف پڑھ کر ایک دفعہ پھر سے شروع کریں۔''

پیر صاحب نے دوبارہ تلاوت کا آغاز کیا لیکن اس دفعہ بھی روانی نہ آسکی اکثر گلوگیر ہو کر رک جاتے اور کسی اور عالم میں پہنچ جاتے گو غازی علم الدین قرآن پاک نہیں پڑھے ہوئے تھے اور انہیں سورۂ یوسف ہرگز نہ آتی تھی لیکن وہ پیر صاحب کو صحیح لقمے دیتے رہے اور سورۂ یوسف پڑھنے میں پوری پوری مدد کی۔

پیر صاحب ملاقات کر کے باہر آئے تو فرطِ حیرت سے ان کی زبان گنگ تھی انہوں نے صرف اتنا فرمایا!

''میں علم الدین کے لبادے میں کوئی اور ہستی پاتا ہوں، کون کہتا ہے کہ غازی علم الدین ان پڑھ اور جاہل ہیں، انہیں علم لدنی

حاصل ہے اور وہ کائنات کے اسرار و رموز سے واقف ہیں۔"

روزِ محشر، عزت کی تمنا:۔

جب غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو حکم پھانسی سنا کر کال کوٹھری میں بند کر دیا گیا تو آخری رات کو آپ رحمۃ اللہ علیہ کی کوٹھری پر جمعدار کی حیثیت سے نواب دین پہریدار تھا۔ اسی رات صبح فجر سے پہلے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو پھانسی پر لٹکایا جانے والا تھا۔ رات گئے کئی آوازیں کوٹھری سے آتی رہیں جیسے بہت سے لوگ باتیں کرتے ہیں وہ یہ آوازیں سن کر بوکھلا سا گیا اور غازی علم الدین رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ تم کس سے باتیں کر رہے تھے؟ لیکن جواب نہیں ملا۔ میں نے غصے میں نہ جانے کیا کیا باتیں کیں چونکہ صبح چھ بجے انہیں پھانسی دی جانا تھی۔

تین بجے کے قریب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک روشنی کی لہر آئی جس نے میری آنکھوں کو چندھیا دیا بلکہ میری آنکھیں روشنی کے سامنے نہ ٹھہر سکیں اور بند ہو گئیں۔ پھر وہ روشنی اچانک غائب ہو گئی اور میری انتہا نہ رہی جب غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے کوٹھری میں نہ پایا۔

میں غم سے نڈھال ہو گیا اور رونے لگا کہ اب تو غازی کی بجائے انگریز مجھے پھانسی پر لٹکا دیں گے۔ صبح چار بجے پھر وہی روشنی نمودار ہوئی اور جب میں نے کوٹھری کی طرف دیکھا تو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے۔ میں روتے روتے ان کے پاؤں پر پڑا اور کہا!

"مجھے خدا کے لئے معاف کر دو میں نہ جانے آپ کو کیا کیا کہتا رہا؟

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا!

"بزرگو! میں نے آپ کی باتوں کا بالکل برا نہیں مانا، اللہ تعالیٰ

آپ کو سلامت رکھے اور خوش رکھے۔"

نواب دین بولے!

"بیٹا! تم نے وہ کام کیا جو کوئی نہیں کر سکتا۔ تم پر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ ہے۔ میں تمہارے پاؤں پڑتا ہوں مجھے بتاؤ کہ تم کہاں گئے تھے۔"

غازی علم الدین نے کہا!

"میں تو یہیں پر تھا۔"

نواب دین نے التجا کرتے ہوئے کہا!

"میں تمہیں نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر کہتا ہوں مجھے بتلا دو۔"

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا!

"بزرگوار! حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم آئے اور مجھے اپنے ہمراہ لے گئے ایسے مقام پر جہاں میں کبھی خواب و خیال میں بھی نہیں پہنچا تھا اور میرے پاس وہ الفاظ نہیں جو میں بیان کر سکوں۔ اُس مقام پر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا گیا۔ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا!

"اب تم آزادی چاہتے ہو تو اپنے آپ کو آزاد سمجھو۔ اگر قیامت کے روز عزت بھی چاہتے ہو تو پھر وہاں پہنچا دیا جائے۔ لہٰذا میری مرضی پر حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے یہاں چھوڑ گئے ہیں۔"

غیبی علوم:۔

حاجی میاں نیاز احمد ایم اے کہتے ہیں!

''اسیری کے دوران غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے حسن کو مزید نکھار گیا تھا۔ اُن کے ہاتھوں کے وہ داغ اور چھالے جو پیشے کے کام سے ہتھیلیوں پر ابھرے تھے یکسر مٹ گئے اور ہاتھ سنگ مرمر کی طرح ملائم و شفاف ہو گئے کہ ان کو دیکھ کر عقل انسانی دم بخود رہ جاتی ہے۔ گو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے لیکن اس وقت جیلوں میں بھی ان مشاغل پر ایک طرح کی پابندی ہوتی تھی وہ ملاقاتیوں کو قرآنی آیات پڑھ کر سناتے اور بڑے بڑے مشکل نکات کو فلسفیانہ انداز میں بڑی آسانی سے سلجھا کر پیش کرتے کہ انسان خود حیران و ششدر رہ جاتا انہیں پورا قرآن حفظ ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں کہ انہیں یہ علم کون سکھا گیا۔''

باب 19:

طلوع سحر

۳۰ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل چکی تھی کہ کل صبح سویرے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو شہید کر دیا جائے گا۔ چنانچہ بدھ کی رات سے ہی لوگ جوق درجوق نزدیکی شہروں سے میانوالی پہنچنا شروع ہو گئے اور اُنہوں نے میانوالی جیل کے باہر موجود میدان میں ڈیرہ جمالیا۔

صبح ہوتے ہی جیل سے شہر کی طرف کا قریباً دو سے تین میل تک کا علاقہ وجودِ انسانی سے بھرا ہوا سمندر تھا۔ پورا میدان اللہ اکبر اور درودِ پاک کے ورد سے گونج رہا تھا۔ ہر شخص کی یہ تمنا تھی کہ صبح ہوتے ہی جیسے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا جسد خاکی جیل سے باہر آئے تو وہ اُن کے چہرہ مبارک کو دیکھ کر اپنی روح اور ایمان کو تازہ کریں۔ یہ اُن کا شہید کے لئے خراج عقیدت پیش کرنے کا ایک جذبہ تھا جس کی جتنی تعریف کی جائے کم تھی۔

اعلیٰ حکام کی ہٹ دھرمی:۔

جیل سے باہر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد طالع مند و دیگر مسلمان اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ جیل حکام آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مردہ جسم اُن کے حوالے کریں گے اور وہ باقاعدہ غسل اور کفن دفن کا انتظام کریں۔ لیکن حکام بالا اس بات سے شدید ہراساں تھے کہ کہیں ایسے وقت کوئی ہنگامہ نہ ہو جائے اور جلسے جلوس نکلنے شروع ہو جائیں اور حالات شہر خراب ہو جائیں۔

اسی خطرہ کے پیش نظر جیل کے حکام نے نعش اُن کے حوالے کرنے سے سختی سے انکار کر دیا اور عجلت میں تمام نعش کو غسل اور کفن دیئے بغیر قیدیوں کے قبرستان میں ایک گڑھا کھود کر دفن کر دیا۔ اُن کی عجلت پسندی کا یہ عالم تھا کہ لحد کھودنے کے لئے جو گھڑے منگوائے گئے تھے وہ بھی ویسے کے ویسے باہر ہی پڑے رہ گئے اور صرف ایک کمبل ڈال کر گڑھا مٹی سے پر کر دیا گیا۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو اس طرح حیوانوں کی مانند گھڑے میں دفن کرنے کی سازش دراصل گورنر پنجاب کے حکم پر کی گئی تھی۔ اُس نے یہ قدم اس لئے اٹھایا تھا کہ وہ اس بات سے حد درجہ خوفزدہ ہو گیا تھا کہ کہیں نعش مسلمانوں کے قبضہ میں جانے سے خوفناک فساد نہ اٹھ کھڑا ہو۔ ایسے میں ایک نمبردار قیدی نے بڑی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے میت کو دفناتے ہوئے با آواز بلند کلمۂ شہادت اور درود شریف پڑھا اور اپنی چادر کاندھے سے اتار کر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے اوپر ڈال دی۔

مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر:۔

جیل سے باہر طالع مند اور دوسرے مسلمان چونکہ نعش کے حصول کے لئے جمع تھے۔ انہیں جب یہ علم ہوا کہ جیل حکام نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو بلا غسل و کفن دفن بری بے دردی سے قیدیوں کے قبرستان میں دفن کر دیا ہے تو اُن میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ جیل سے باہر موجود مسلمانوں نے نہایت بلند آواز سے نعرہ رسالت، یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نعرے لگانے شروع کر دیئے جس پر پولیس کے جوانوں نے ان کو منتشر کرنے کے لئے آگے بڑھ کر کاروائی کرنا چاہی۔ لیکن اُس وقت ڈپٹی کمشنر زمان مہدی آگے بڑھے اور بڑی مشکل سے مسلمانوں کے اس اجتماع کو مطمئن کیا اور ہجوم سے منتشر ہونے کی اپیل کی جس پر ہجوم بڑی مشکل سے منتشر ہوا۔

''اخبار زمیندار'' کی خبر:۔

طالع مند نے اس صورت حال اور جیل حکام کی بے بسی کے بارے میں فوری طور پر ایک تار لاہور بھیجا۔ جس پر لاہور کے تقریباً تمام مسلمان نوجوان سڑکوں پر نکل آئے۔ ایسے موقع پر ''اخبار زمیندار'' نے ایک خصوصی ضمیمہ شائع کیا جس سے صورتحال لاہور میں ازحد مخدوش ہوگئی!

''اخبار زمیندار'' کے مطابق خبر یوں شائع کی گئی!

''میاں علم الدین جنت میں جا پہنچے۔ حکام نے اُن کی نعش اُن کے والد کی اجازت کے بغیر ہی جیل کے احاطہ میں دفن کر دی۔
نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی گئی۔
سرکار کی فرعونیت اور حکام کے عدم تدبر کا شرمناک مظاہرہ۔''

اس ضمیمہ نے مسلمانوں کے دلوں پر جلتی کا کام کیا اور ایک طوفان بے پناہ احتجاج کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ ماتمی جلوس نکالے گئے۔ احتجاجی قراردادیں منظور کی گئیں اور اس بات کا مطالبہ کیا گیا کہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی میت کو صندوق میں بند کر کے لاہور پہنچایا جائے تاکہ آبرومندانہ شرعی طریقے سے ان کی تجہیز و تکفین کے انتظام کیے جائیں اور انہیں باقاعدہ نماز جنازہ پڑھا کر دفن کیا جائے اور اس بات کا اعادہ کیا جائے کہ اگر میت مسلمانوں کے حوالے نہ کی گئی تو احتجاج جاری رکھا جائے گا اور کسی بھی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے گا۔

اس سارے واقعہ کے دوران ہزاروں لوگ میانوالی جیل پہنچ گئے۔

پولیس کا پہرہ:۔

جیل حکام اس ساری صورتحال سے اس بُری طرح گھبرا گئے اور اس بات سے شدید خوف زدہ ہو گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان لاش کو قبر کھود کر لے جائیں۔

اس مقصد کے لئے قبرستان پر پولیس کے مسلح نوجوانوں کا پہرہ لگا دیا اور رات کو روشنی کی خاطر گیسوں کی روشنی کی گئی تا کہ رات کے اندھیرے میں کوئی ایسی کاروائی اگر ہو تو اس کا فوری تدراک کیا جائے۔

دوسری طرف جیل کے تمام مسلمان قیدیوں کو اس بات سے شدید صدمہ پہنچا اور انہوں نے باہم مل کر درود شریف لاتعداد مرتبہ پڑھ کر شہید کی روح کو ایصال ثواب پہنچایا۔ ایک اخبار کی رپورٹ کے مطابق!

"جیل کے اندر ۳۵ قرآن پاک اور ۲۱ ہزار مرتبہ درودِ پاک پڑھ کر شہید کی روح کو ایصالِ ثواب کیا گیا۔"

تمہارے مرتبہ تک فکر کی پرواز کیا پہنچے
تو پھر میں کس طرح کہہ دوں کہ تم کیا ہو کہاں تم ہو

میّت کا حصول:-

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی میت کے حصول کے لئے مسلمانوں کی طرف سے جلسے جلوسوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ اسی طرح کا ایک جلسہ لاہور میں بھی ہوا جس کی قیادت امیر بخش پہلوان نے کی۔ جلوس جب بھاٹی چوک میں پہنچا تو وہاں پر مولانا ظفر علی خان نے ایک ایمان افروز تقریر کی جس کا متن کچھ یوں تھا!

"اسلام کے سپاہیو! تم نے دیکھ لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیرت پر مر مٹنے کا کیا انجام ہے؟ مردہ قومیں زندہ ہو جاتی ہیں۔ یہ وہ طاقت ہے جس کے مقابلے میں کوئی طاقت نہیں ٹھہر سکتی۔"

احتجاج کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور مسلمانوں کے مطالبے میں روز بروز شدت آتی جا رہی تھی۔ روزانہ ایک نہ ایک جلوس نکلتا جس میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی میت کے حصول کا مطالبہ کیا جاتا تھا۔

اکابرین کا وفد:-

اس اثناء میں مسلم اکابرین جن میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ، مولانا غلام محی الدین قصوری، سر شفیع اور میاں عبدالعزیز جیسے معززین شامل تھے نے باہمی صلاح مشورے کے بعد ایک وفد تشکیل دیا جو کہ ۴ نومبر ۱۹۲۹ء کو گورنر پنجاب سے جا کر ملا اور اُس سے میت کی واپسی کا مطالبہ کیا۔

ڈپٹی کمشنر لاہور اور ڈپٹی کمشنر پنجاب دونوں نے مسلمانوں کے جذبات کو ملحوظ رکھتے ہوئے گورنر نے اس فیصلہ پر نظر ثانی کی درخواست کی تاکہ امن و امان کا کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو۔

گورنر نے وفد سے سب سے پہلا سوال ہی یہ کیا کہ اگر نعش لاہور آئی اور ہندو مسلم فساد شروع ہوئے تو اس کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟

گورنر کی اس بات پر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً جواب دیا!

''اگر ایسی کوئی بات ہوگئی تو آپ میری گردن اڑا دیجئے گا۔''

یہ بات کرتے ہی علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں سے جلال برسنے لگا۔

نعش کی حوالگی کے لئے شرائط:-

گورنر پنجاب نے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی بات سنتے ہی نعش کی حوالگی کے لئے کچھ شرائط پیش کیں۔

۱۔ موجودہ احتجاج ختم کیا جائے۔

۲۔ اخبارات ایسی خبریں اور مضامین شائع نہ کریں جس سے فضا خراب ہو اور صورت حال بگڑ سکے۔

۳۔ جلسے، جلوس بند کئے جائیں۔

۴۔ نعش لے کر لاہور شہر کے اندر جلوس نہ نکالا جائے۔

۵۔ جنازہ میں شریک سوگواران کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں گے جس سے دوسرے فرقوں کے لوگوں پر کوئی بُرا اثر پڑے اور فسادات پھیل سکیں۔

وفد کا جواب:۔

وفد نے اس کے جواب میں کہا کہ اگر حکومت نعش کی حوالگی اور لاہور لا کر دفنانے کی اجازت دینے کا مکمل یقین دلاتی ہے تو ہم مسلمانوں سے اپیل کریں گے کہ وہ اپنا احتجاج بند کر دیں اور حالات کو پُر امن رکھیں۔ اس پر گورنر نے نعش کی حوالگی کا یقین دلایا۔

نعش کے لاہور لانے کے انتظامات:۔

گورنر کی یقین دہانی کے بعد اب وفد نے نعش کے لاہور لانے کے تمام انتظامات کے بارے میں اور راستوں کی نشاندہی اور دیگر شرائط پر غور و خوض کے لئے ۷ نومبر کی شام تک کا عرصہ مانگا تا کہ تمام معاملات طے ہو سکیں۔

لاہور میں تمام سر کردہ مسلمان تنظیموں اور افراد کا اجلاس وفد نے طلب کیا۔ جس میں تمام امور پر بحث کے بعد جو فیصلہ کیا گیا اُس کے مطابق وفد نے ۷ نومبر شام چھ بجے گورنر پنجاب سے پھر ملاقات کی جس میں یہ طے پایا کہ مسلمانوں کو نعش کی حوالگی کی اطلاع چوبیس گھنٹے قبل دی جائے اور مسلمان مجسٹریٹ نعش میانوالی سے لاہور اپنی نگرانی میں لائے اور لاہور میں وفد کے حوالے کی جائے۔

نعش کی حوالگی:۔

گورنر پنجاب سے طے شدہ پروگرام کے مطابق ۱۳ نومبر ۱۹۲۹ء کو لاہور سے مسلمانوں کا ایک وفد میانوالی پہنچا۔ اس کے علاوہ لاہور کے دو میونسپل کمشنر اور ایک مسلمان مجسٹریٹ بھی بحکم حکومت پنجاب میانوالی گئے تا کہ اپنی نگرانی میں نعش کو لاہور

لانے کا بندوبست کریں۔

دوسرے دن علی الصبح دونوں مسلمان میونسپل کمشنروں اور مجسٹریٹ کی موجودگی میں میانوالی کے قیدی قبرستان کے کھودے گڑھے سے نعش کو نکلوایا گیا اور بصد احترام ڈپٹی کمشنر کے بنگلے پر لایا گیا۔ جہاں سے اسے لاہور لے جانے کے لئے ایک صندوق بنوایا گیا اور اس صندوق میں بند کر دیا گیا۔ یہ صندوق سیّد مراتب علی شاہ گیلانی نے بنوایا تھا۔ اس کے اندر جست لگا ہوا تھا اور جست پر روئی کی موٹی تہہ بچھی ہوئی تھی۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے جسم کو کسی بھی قسم کی تکلیف سے بچاؤ کے لئے سرہانے نرم و ملائم تکئے رکھے ہوئے تھے۔ روئی کو کافور سے خوشبودار کیا گیا تھا۔ نعش گیلانی صاحب نے اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر صندوق میں رکھی اور کلمہ شہادت کے ورد کے ساتھ نعش کو صندوق میں بند کر دیا گیا۔

عینی شاہدین کا بیان:۔

جن لوگوں کے سامنے نعش کو اس گڑھے سے نکالا گیا ان کا بیان ہے!

''غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شہادت کے دو ہفتے گزر جانے کے بعد اور نعش کو اس بے دردی سے گڑھے میں دفنانے کے باوجود بھی جسم مبارک سے کوئی تعفن نہ تھا۔ جسم صحیح سالم تھا اور چہرے پر جمال و جلال کی کیفیت تھی۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی جو اُن کی شہادت کی آرزو کی گواہی تھی۔ جس گڑھے میں نعش کو دفنایا گیا تھا اُس گڑھے میں سے مسحور کن خوشبو فضا میں چاروں طرف پھیل کر ایک مستانی کیفیت پیدا کر رہی تھی۔''

میّت کا سفر لاہور کی جانب:-

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے صندوق کو کلمہ شہادت کے ورد کے ساتھ گاڑی میں رکھ کر ریلوے اسٹیشن میانوالی پہنچایا گیا جہاں پر ایک خصوصی ٹرین میت کو لاہور لے جانے کے لئے تیار کھڑی تھی۔

اس خصوصی ٹرین میں ایک ڈبہ فرسٹ کلاس کا، ایک سیکنڈ کلاس کا اور دو بوگیاں لگائی گئی تھیں۔

شام ساڑھے چار بجے یہ خصوصی ٹرین میانوالی سے روانہ ہوئی اور راستے میں کسی مقام پر نہ ٹھہرتے ہوئے رات ایک بج کر چالیس منٹ پر لالہ موسیٰ اسٹیشن سے گزری۔ ۱۴ نومبر ۱۹۲۹ء کو صبح کے وقت لاہور چھاؤنی کے اسٹیشن میاں میر نہر کے پل پر سنٹرل جیل لاہور کے پاس روک دی گئی۔

سنٹرل جیل کی دو گاڑیاں پہلے سے پل کے نزدیک تیار کھڑی تھیں۔ وہاں سے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی میت سنٹرل جیل حکام نے وصول کی جنہوں نے شام پونے سات بجے وہ میت مسلم لیگ کے ایک وفد جن میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور سر محمد شفیع شامل تھے کے حوالے کر کے اُن سے رسید لی۔ اُس وقت وہاں پر چند میونسپل کمشنر بھی موجود تھے۔

سنٹرل جیل سے میت کو لے کر یہ وفد عیدگاہ واقع میانی صاحب چوبرجی لے گئے جہاں پر سات بجے کے نزدیک جنازہ اٹھایا گیا۔

نمازِ جنازہ کی تیاری:-

۱۵ نومبر ۱۹۲۹ء کو بوقت شام لاہور میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی میت کل صبح کسی بھی وقت عیدگاہ چوبرجی جو کہ اس زمانے میں چاند ماری کا میدان بھی کہلاتا تھا میں پہنچے گی اور لوگوں سے جنازے میں شرکت اور پُر امن

رہنے کی درخواست کی گئی تھی۔

۱۴ نومبر ۱۹۲۹ء کی صبح لاہور میں ایک نئے سرمستانہ انداز میں طلوع ہوئی تھی۔ پنجاب کی تاریخ میں بالعموم اور برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں بالخصوص یہ ایک انتہائی غیر معمولی دن تھا۔ لوگ نماز فجر کے بعد ہی عیدگاہ چوبرجی میں اکٹھے ہونا شروع ہو گئے تھے تاکہ عاشقِ رسول اللہ ﷺ کی نمازِ جنازہ میں شریک ہو سکیں۔ جس نے بلا کسی تامل مانند پروانہ شمع رسالت، حرمت رسول اللہ ﷺ پر اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا تھا۔

وہ اس قدر شان و شوکت، شوق و ذوق، جوش و جذبہ، نفس و شیطان کو روندتا ہوا میدان میں آیا تھا کہ شیطان لعین بھی اس سے گھبرا گیا تھا کہ حرمت رسول اللہ ﷺ پر جانثار پروانے کس رنگ و انداز میں اپنی جان کا نظارہ بلا کسی تامل اور تاخیر کے اور کسی بھی شے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پیش کرتے ہیں اور ابلیس کے غرور و تکبر اور فخر کو خاک میں ملا کر اس سے بھی بڑھ کر رتبہ بارگاہ ایزدی میں پاتے ہیں اور وہ لعین اپنا سر پیٹنے اور ماتم گزاری کرنے کے کچھ بھی نہیں کر سکا۔ یہ ایک ایسا غازی تھا جس کے چرچے تا روز محشر گونجتے رہیں گے اور شیطان لعین کے سینے پر تازیانہ لگاتے رہیں گے۔

اُس دن اللہ عزوجل پر ایمان رکھنے والے تمام کلمہ گو ایک عجیب سی سرشاری و مستی کے عالم میں ایک عجیب انداز میں، ایک عجیب کشمکش کے ساتھ اس میدان کی جانب کلمہ شہادت کا ورد کرتے ہوئے اکٹھے ہو رہے تھے۔ اس دن لاہور کے تقریباً چھ لاکھ سے زائد مسلمان اس میدان میں آقائے دوجہاں حضور رسول کریم ﷺ کی ناموس پر اپنی جان کا بے تابانہ نذرانہ پیش کرنے والے "غازی اور شہید" کے نماز جنازہ میں شرکت کے لئے اکٹھے ہوئے بہت سے ضعیف العمر اور بچے ایسے بھی تھے جو وہاں تک نہیں پہنچ سکے لیکن دلی لحاظ سے انہوں نے بھی شرکت کی۔

لاہور میں سیکیورٹی کی حالت:۔

اس سب سے ہٹ کر فرنگی حکومت کے اعلیٰ کارپردازان کی حالت دیدنی

تھی۔ اُن پر عجیب سی سوگواری پھیلی ہوئی تھی اور وہ کسی انجانے خطرے سے گھبرائے گھبرائے سے لگ رہے تھے۔ اسی طرح لاہور کے تمام ہندوؤں پر بھی ایک عجیب قسم کی دہشت پھیلی ہوئی تھی اور وہ اس خیال سے لرزاں وترساں تھے کہ اُن کے ساتھ جانے کیا ہو؟

حالات کو کنٹرول کرنے کے لئے اعلیٰ حکام نے تمام بڑی شاہراؤں، چوراہوں اور شہر کے تمام اہم مقامات پر پولیس اور فوج کی بھاری جمعیت متعین کر رکھی تھی۔ دیسی فوج کے علاوہ گورا فوج سول لائن اور شہر کے اہم ترین مقامات پر کسی بھی قسم کے خطرہ سے نپٹنے کے لئے تیار بیٹھی تھیں۔ بڑے ڈاک خانہ، ٹیلی گراف آفس کے باہر چوک میں مشین گنیں نصب کی گئی تھیں۔ سرکاری گاڑیوں پر مسلمان نوجوانوں کو جو سرکاری ملازمین، پولیس اور فوج سے تعلق رکھتے تھے وہ گشت پر مامور تھے۔

قانون حفظ امن کے تحت تمام اہم چورستوں (انارکلی، مزنگ، لکشمی چوک، شاہ عالمی، بھاٹی، لوہاری، میکلوڈ روڈ، سوتر منڈی، چوک بتی، پاپڑ منڈی، رنگ محل، لنگے منڈی، ڈبی بازار، کشمیری بازار، پرانی کوتوالی، بڑی کوتوالی، راج گڑھ، پریم نگر، کرشن نگر، ٹیکسالی، موچی دروازہ، دہلی دروازہ وغیرہ میں پولیس کے دستوں کے ساتھ ساتھ ہندو مسلم اتحاد کمیٹی کے معززین کی بھی ڈیوٹی لگائی گئی تھی تاکہ کسی بھی قسم کی شرارت نہ ہو سکے اور اگر ہو تو اس پر فوری قابو پایا جاسکے۔

شاید لاہور نے اپنے جنم دن سے لے کر اس وقت تک تاریخی لحاظ سے ایسا منظر کبھی نہیں دیکھا ہوگا جیسا منظر اس وقت لاہور کے گلی کوچوں، محلوں، بازاروں، چوکوں، شاہراؤں پر نظر آرہا تھا اور جسے بڑے سے بڑا منظر نگار بھی الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر نظر آرہا تھا۔

مختصر طور پر چند الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاید ہی کوئی ایسا مسلمان ہوگا جس کے دل وآنکھوں سے آنسوؤں کی شکل میں حرمت ناموس سرور کونین آقائے دوجہاں حضور نبی کریم ﷺ پر جان نچھاور کرنے والے پر عقیدت ومحبت سے اشکبار نہ ہوں۔

اے صبا! آج ہمیں راکھ سمجھ کر نہ اڑا
ہم نے جل جل کے تیرے راستے چمکائے ہیں

نمازِ جنازہ:-

۱۶ نومبر ۱۹۲۹ء کی صبح کو مسلم اکابرین جن میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ جیسے نابغہ روزگار بھی تھے ایک میٹنگ میں اس بات کو پیش کیا گیا کہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی نمازِ جنازہ پڑھانے کا شرف کسے حاصل ہو۔ اس موقع پر اخبار ''روزنامہ سیاست'' کے مدیر اعلیٰ اور مالک سیّد حبیب اللہ صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ اُنہوں نے کہا کہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی نمازِ جنازہ پڑھانے کا حق اُن کے والد بزرگوار میاں طالع مند کا ہے۔

سیّد حبیب اللہ کی بات سن کر میاں طالع مند نے کہا کہ اگر یہ حق مجھے حاصل ہے تو میں اپنا حق علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو دیتا ہوں کہ وہ نمازِ جنازہ پڑھائیں۔ اس کے بعد علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے سیّد حبیب اللہ اور دیگر اکابرین کے مشورہ سے اُس وقت کے نابغہ روزگار عالم دین حضرت مولانا سیّد دیدار علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام تجویز کیا لیکن وہ موقع پر تشریف نہ لا سکے جس کی وجہ سے پہلی نمازِ جنازہ مسجد وزیر خان کے خطیب قاری شمس الدین صاحب نے پڑھائی۔

قاری شمس الدین صاحب جب نمازِ جنازہ پڑھا کر فارغ ہوئے تو اتنے میں مولانا سیّد دیدار علی شاہ الوری، مولانا سیّد احمد شاہ صاحب کے ہمراہ تشریف لے آئے۔

چنانچہ مولانا سیّد دیدار علی شاہ صاحب نے دوسری مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھائی جس کے بعد مولانا سیّد احمد شاہ صاحب نے تیسری مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اس کے بعد مختلف علمائے کرام نے بھی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ بعدازاں جنازہ اٹھانے کی تیاری کی گئی۔

جنازہ کی روانگی:-

ساڑھے دس بجے کے قریب جب جنازہ اٹھایا گیا تو لوگ کندھا دینے کے لئے دیوانہ وار آگے بڑھ رہے تھے لیکن بے شمار لوگوں کو اس سعادت سے محروم ہونا پڑا۔ کئی لوگوں نے اپنی گاڑیاں جنازہ کے بانسوں میں پھنسا رکھی تھیں اور لوگ ان گاڑیوں کو اس تصور سے پکڑے چل رہے تھے جیسے انہوں نے میت کے جنازہ کے بانسوں کو پکڑ رکھا تھا۔ فضاء کلمہ شہادت سے گونج رہی تھی جنازے کا جلوس تقریباً ساڑھے پانچ میل لمبا تھا۔

کچھ بد باطن لوگوں نے اس دوران جلوس کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی لیکن اس مقصد کے لئے قائم کردہ رضا کار کمیٹی کے قائدین مولانا ظفر علی خان، حکیم احمد حسن اور دیگر رہنماؤں نے بروقت اس پر قابو پالیا اور اس طرح جنازہ آہستہ آہستہ کلمہ شہادت اور درود شریف کی پُرشکوہ گونج میں اپنے اصل مقام کی طرف بڑھتا ہی چلا گیا اور اس طرح انتہائی امن وسکون سے میانی صاحب قبرستان میں اپنے مقام مدفن میں پہنچ گیا۔

اس کے باوصف شدت بے تابی کا یہ عالم تھا کہ لوگ دور دور سے بھاگے چلے آرہے تھے۔ جس طرف بھی انسانی نگاہ اٹھ رہی تھی اور حد نظر لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آرہا تھا۔ جنازگاہ سے لے کر قبرستان میانی صاحب جائے مدفن تک ہزاروں کی تعداد میں مستورات بھی اونچے اونچے ٹیلوں پر بیٹھیں کلمہ شہادت پڑھ رہی تھیں۔

سب سے پہلے طالع مند جائے مدفن پر تشریف لائے۔ لوگوں کا ایک ہجوم اُن کے گرد پروانہ وار گھوم رہا تھا اور ان کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈال رہا تھا۔ جس سے اُن کی گردن ہاروں سے بھری ہوئی تھی۔ سارے راستے میں لوگ پھولوں سے لدی

ہوئی چھابیاں لئے کھڑے تھے اور دیوانہ وار پھول اٹھا اٹھا کر میت پر نچھاور کر رہے تھے۔ اُس روز پھول فروشوں نے پھول مفت تقسیم کیے۔

قبر مبارک:۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک نہایت صاف ستھری اور بہت نفیس تیار کی گئی تھی۔ لوگ پھول لا لا کر قبر میں پھینک رہے تھے جس سے قبر کے اندر پھولوں کا ایک فرش سا بچھ گیا تھا۔ اب نعش کو قبر میں اتارنے کا مرحلہ آیا۔ سارا مجمع کلمہ شہادت کے ورد سے گونجنے لگا۔

حاضرین میں سب سے پہلے حضرت مولانا سیّد دیدار علی شاہ الوری اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قبر مبارک میں اترے اور پھر میت کو بصد احترام اپنے ہاتھوں سے لحد مبارک میں اتارا۔ لوگوں نے فرط عقیدت سے اس قدر پھول قبر کے اندر پھینکے کہ میت اُن میں چھپ گئی۔ پھر اوپر اینٹوں کے تعویذ سے قبر مبارک کو بند کر دیا گیا اور کلمہ شہادت کے ورد کی گونج میں لحد مبارک پر مٹی ڈالی گئی اور دُعائے فاتحہ ادا کی گئی۔

علم الدین رضا کار کمیٹی کی جانفشانی:۔

اس دوران علم الدین رضا کار کمیٹی کے جوانوں نے تمام راہ بڑی جانفشانی اور صدق دل سے اپنے فرائض انجام دیئے۔ راستے میں لوگوں کی گمشدہ اشیاء کو اپنے قبضہ میں لیا اور سارے مجمع میں اعلان کروایا کہ جس کی کوئی شے گم ہو گئی ہو تو وہ علم الدین کمیٹی کے دفتر سے آ کر اپنی گم شدہ اشیاء پہچان کر لے جائیں۔ اس طرح لوگوں کو اس ہجوم میں گرنے والا مال بھی انہیں واپس مل گیا۔

نماز جنازہ میں شرکت کے لئے لاہور کے باہر سے بھی لوگ تشریف لائے تھے۔ ان میں حکیم احمد حسن بھی بڑی مشکل سے لاہور پہنچے۔

اس سارے انتظام کے سلسلہ میں سر محمد شفیع، ڈاکٹر سر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ

تعالیٰ علیہ، مولانا ظفر علی خان، ملک لال خان قیصر، غلام مصطفیٰ حیرت اور کئی دوسرے اہم افراد نے بہت جانفشانی اور خوش اسلوبی سے معاملات نپٹائے تاکہ لاہور کی فضاء ہندو مسلم فسادات کی لپیٹ میں نہ آسکے اور اہلیان شہر محفوظ و مامون رہ سکیں۔

۱۶ نومبر ۱۹۲۹ء کا دن وہ یادگار دن ہے کہ اس روز شہر لاہور کے تمام مسلمان چھٹی پر تھے، تمام مسلمان دوکانداروں نے اپنی دوکانیں بند کر رکھیں تھیں میوہ منڈی، سبزی منڈی، قصاب منڈی بالکل بند رہیں، تمام سکولوں کے مسلمان طلباء اور دفاتر کے مسلمان ملازمین نے بھی چھٹی کی اور جنازہ میں شرکت کی۔

مسلمان رہنماؤں کا پریس نوٹ:۔

۱۶ نومبر ۱۹۲۹ء کو سر محمد شفیع اور بعض دیگر ممتاز مسلمانوں نے ایسوی ایٹ پریس کو ذیل کا پریس نوٹ جاری کیا۔

> "غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی میت حکام بالا نے ہمارے حوالہ کر دی تھی۔ شہید کی وصیت کے مطابق امن اور بغیر کسی ناگوار واقعہ کے میانی صاحب میں سپرد خاک کر دی گئی۔ ہم مسلم قوم کی طرف سے سر جافرے ڈی مونٹ مورنس کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے وفد کی اس درخواست کو منظور کر لیا اور میت کو لاہور میں دفن کرنے کے لئے ہمارے حوالے کر دیا جائے۔ حکومت پنجاب کی طرف سے دور اندیشانہ یہ فعل نہ صرف اہل وفد بلکہ تمام مسلم قوم کے لئے گہرے اطمینان کا موجب ہوا ہے۔ جنازہ کے موقع پر مسلمانوں کے اس عظیم الشان اجتماع نے جس بردباری کا ثبوت دیا ہے تمام جماعتوں اور فرقوں کے لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں۔"

اس اعلان پر سر محمد شفیع، سر ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، خلیفہ شجاع

الدین، میاں عبدالعزیز، میاں امیر الدین، سیّد محسن شاہ، ملک محمد حسین، مولوی غلام محی الدین کے دستخط موجود تھے۔

مزارِ مبارک کی تعمیر:۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی تعمیر کے لئے حضرت پیر سیّد جماعت علی شاہ قبلہ علی پوری رحمۃ اللہ علیہ نے بصورت نقدی عطیہ پیش کیا۔

نقشہ مزار منشی واجد علی صاحب ڈرافٹ مین نے تیار کیا۔

شہید مرحوم کی قبر ۱۹۲۹ء میں تعمیر ہوگئی تھی جبکہ مزار چند سال بعد تعمیر ہوا۔

مزار مبارک کا پہلا مجاور نواب دین تھا۔ جس کی رحلت کے بعد اب اُس کی اولاد مزار کی نگران ہے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پُر انور پر ایک شمع دان موجود ہے۔ جو ایک نو مسلمہ خاتون حسن آرا بیگم عرف مسز بیگ نے بطور عطیہ پیش کیا۔ یہ نو مسلمہ مستورہ انجمن حمایت السلام لاہور کے زنانہ یتیم خانہ کی مہتمم تھیں۔

لوح مزار بھی اس نیک عورت نے ہی بنوایا۔ اس پر کشمیری اور گجراتی لہجے میں قافیہ و ردیف کی قید سے آزاد چند اشعار بھی موجود ہیں۔ یہ موزوں اشعار بھی نو مسلمہ موصوفہ کی طبع آزمائی کا نتیجہ ہیں۔

مزار کا دروازہ جنوب کی طرف ہے۔ اس دروازے کی مشرقی حصے کی دیوار میں چار جالیاں ہیں جن کے مندرجات یہ ہیں۔

> ''عاشق رسول غازی علم الدین شہید آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس سے گریز کرنے والو! کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر شہید ہونے کی عزت کا نظارہ اس کے جنازے سے نہیں ہوا۔ اگر دین و دنیا میں بھلائی چاہتے ہو تو محبوب خدا پر جان قربان کردو اور

عاشقان مصطفیٰ ﷺ کی چوکھٹ پکڑو۔ جو منکر ہے وہ کافر ہے۔"

اسلام کے جھنڈے کو جب غازی اٹھالیں گے
تکبیر کے نعروں سے دنیا کو ہلا دیں گے
اسلام زمانے میں دبنے کو نہیں آیا
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے
مسلم کو حقیقت میں کمزور نہ تم سمجھو
یہ مٹتے مٹاتے بھی دنیا کو مٹادیں گے

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا مزارِ پاک بہاولپور روڈ نزد عیدگاہ قبرستانی میانی صاحب لاہور میں آج بھی مرجع گاہ خلائق خاص و عام ہے۔ ہزاروں لوگ مزارِ پاک پر حاضر ہو کر عاشق رسول ﷺ سے فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں۔

باب 20:

عالم اسلام کی زینت

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ عالم اسلام کی زینت' اِک پروانہ' اِک گمنام' اِک پردہ نشین عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' وہ اِک مجاہد عزیمت' وہ اِک عظیم شہید جو ۶ اپریل ۱۹۲۹ء کے روز سے پہلے نہ صرف لاہور بلکہ سارے عالم اسلام کے لئے گمنام تھا جس کے بارے میں کوئی بھی یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کون ہے؟ اور اس کے ذہن میں کیا خیالات مستور ہوئے ہیں ؟جو بظاہر ان پڑھ' سیدھا سادھا' نے جوش' خاموش طبع' شرمیلا جوان تھا جس کی بظاہر سرگرمیوں سے کچھ بھی عیاں نہ ہوتا تھا کہ باطن سے یہ شخص کیسا ہے اور اپنے اندر عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے بڑے انمول جذبے کو چھپائے بیٹھا ہے اور اس عشق کی شمع پر قربان ہونے کے لئے روز اول سے ہی اپنے اندر جذبۂ شہادت کے ننھے منھے بیج کو سمو کر اس کی آبیاری اپنے خون اور اپنی روح کی مقدس تانوں سے کر رہا ہے اور یہی وہ کونپل جب پروان چڑھ کر ایک تومند درخت کی شکل اختیار کر کے پردۂ نہاں سے پردہ ظاہر میں اظہار پذیر ہوئی تو اس کی شاخوں سے پھوٹنے والے آفتاب کی ضیاء پاشی سے وہ کرن پھوٹی کہ جس نے شہادت کے مرجھائے ہوئے گلاب کو تا روز محشر حیات جاودانی اور تاب لازوال' حسن بے مثال بخشی کہ سارا عالم اس کی مہک سے جگمگا اٹھا اور تا روز محشر جگمگاتا رہے گا۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ وہ پروانہ عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا جس نے نہ تو گفتار کے میدان میں زور آزمائی کی تھی اور نہ ہی سیاست کے خار زار میں قدم رکھا تھا۔ جس نے نہ تو ملاؤں سے درس لیا تھا اور نہ ہی فرنگیوں سے داؤ پیچ سیکھے تھے۔ جو

ایک سیدھا سادھا بندہ تھا جو گفتار کی بجائے کردار کا غازی تھا۔ جس نے ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے سے لے کر تادم مرگِ شہادت کبھی بھی یہ عیاں نہیں ہونے دیا کہ دعویٰ عشق رسول اللہ ﷺ کیا ہے؟ کیسا ہے اور اس کے اظہار کا ذریعہ کیا ہے؟ اس پر قربان ہونے کے حضرت اسماعیل علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کے اصول کیا ہیں؟ اور ان اصولوں پر کس طرح چلا جاتا ہے؟ اور کس طرح آگے قدم بڑھا کر خوشنودی رب ذوالجلال والاکرام حاصل کی جاتی ہے؟ اس کے ظاہری اعمال سے تو یہ بھی ظاہر نہ ہوتا تھا کہ دوسروں کو جذبۂ جہاد پر کیسے ابھارا جاتا ہے؟ اور قربانی کے لئے کون سے لوازمات نہایت ضروری ہیں تاکہ اس جذبۂ عشق کو حاصل کیا جا سکے؟ اس کو تو یہ بھی علم نہ تھا کہ دوسروں کو نصیحت اور خود میاں فضیحت کیسے بنا جا سکتا ہے اور ظاہریت میں کس طریقے سے شہرت حاصل کی جا سکتی ہے؟ اور اس کی بلندیوں تک کیسے پہنچا جا سکتا ہے؟

وہ ایک ایسا نوجوان تھا جو ہر بات کو اپنے دل کے نہاں خانوں میں چھپائے اور اپنے جذبۂ عشق کی آبیاری عجب سرمستی کے عالم میں کر رہا تھا اور جب وقت آیا تو اس نے دیوانہ وار اپنی جان کی قربانی پیش کر کے مسلمانانِ عالم کو بالعموم اور مسلمانانِ برصغیر کو یہ سبق دیا کہ قربانی کے اصول اسماعیل علیہ السلام کیا ہیں؟ اور کیسے بارگاہ ایزدی اور اس کے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ میں سرخروئی پا کر شہادت کی عظیم ترین بلندی پر پہنچا جا سکتا ہے اور پھر عظمت کی بلندیاں حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اس نے علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی اس شعر کی زندہ تفسیر دنیا کے سامنے پیش کی:

عشق کی اِک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسمان کو بے کراں سمجھا تھا میں نے

پھر عشق بھی وہ جو خالصتاً حضور خاتم الانبیاء' آقائے دوجہاں' محسن انسانیت' حضور نبی کریم ﷺ ہو' جس کے بغیر مسلمان نہ تو مسلمان کہلا سکتا اور نہ ہی مومن کیونکہ یہی عشق ایمان کی بنیاد ہے اور جس کا من ایمان حقیقی سے خالی ہو وہ مسلمان اور ایمان

والا کہلا ہی نہیں سکتا۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے عشق کے مرجھائے ہوئے اس پودے کی اپنے خون سے آبیاری کی جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے پروان چڑھایا تھا اور جو فرنگیوں' یہودیوں' نصاریٰ اور کفار کی ریشہ دوانیوں کے جال تلے پھنسے ہوئے نامی گرامی مسلمانوں کے ہاتھوں نہ صرف مرجھا چکا تھا بلکہ اپنے دمِ آخری کے لئے بمشکل سانسیں لے رہا تھا۔

یہ بات روزِ اول کی طرح روشن اور واضح ہے کہ باغی کا وجود کوئی بھی معاشرہ قبول نہیں کرتا۔ کسی بھی معاشرے کی سلامتی کا دارومدار اس بات پر ہوتا ہے کہ وہ اپنے وجود پر حملہ آور ہونے والی شخصیت کا خاتمہ کر کے اس کو صفحہ ہستی سے مٹا دے۔ چنانچہ اسلامی معاشرے اور ریاست کا بھی یہی قانون ہے کہ جو اس معاشرے کے سربراہِ اعلیٰ' رحمت اللعالمین' حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت کو تنقید کا نشانہ بنائے تو معاشرے کی سلامتی کے لئے اس شخص کو واصل جہنم کر دیا جائے اور اس کو قیامت تک کے لئے نشانِ عبرت بنا دیا کہ جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے گا اس کا انجام یہ ہوگا۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ جس نے یہ ثابت کر دیا کہ حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام عابدوں' زاہدوں کا دل ہی نہیں ہے بلکہ یہ ان افراد کے لئے سب سے افضل و ارفع ہے جن پر رحمت اللعالمین' سیّد الانبیاء حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کرم ہو جائے اور اس کے اندر چھپے ہوئے جذبہ عشق کو جلا بخش کر پوری کائنات کو منور اور حیران کرتا ہوا اپنا نشان ہمیشہ کے لئے چھوڑ جائے اور یہی وہ جذبہ ہے جس کے بارے میں ارشاد ربانی ہوتا ہے:

"جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں' انہیں مردہ نہ کہو وہ تو زندہ ہیں لیکن تمہیں خبر نہیں۔"

باب 21:

کتابیات

☆ قرآن مجید
☆ تفسیر کنز الایمان از اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ
☆ صحیح مسلم شریف
☆ شرح مشکوٰۃ شریف
☆ سیرتِ پاک غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ از محمد جاوید قادری رحمۃ اللہ علیہ
☆ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ از محمد حسیب القادری
☆ کلامِ اقبال از ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ
☆ کشف المحجوب از سیّد علی بن عثمان الہجویری الجلابی رحمۃ اللہ علیہ
☆ مکاشفۃ القلوب از حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ
☆ شہادت نواسہ سیّد الابرار از حضرت مولانا محمد عبدالسلام قادری رضوی
☆ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ از رائے محمد کمال
☆ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ از منشی عزیز الدین
☆ کتابچہ پیر غلام دستگیر نامی
☆ پنجاب کی سیاسی تحریکیں
☆ عدالتی ریکارڈ
☆ مقالاتِ کاظمی
☆ تاریخ مسلم لیگ

☆ سیارہ ڈائجسٹ ''رسول نمبر''

☆ روزنامہ سیاست

☆ روزنامہ نوائے وقت

☆ روزنامہ جنگ

☆ روزنامہ پاکستان

☆ روزنامہ مشرق

☆ روزنامہ کوہستان

☆ روزنامہ انقلاب

☆ روزنامہ زمیندار

سیرت کے موضوع پر جامع کتب
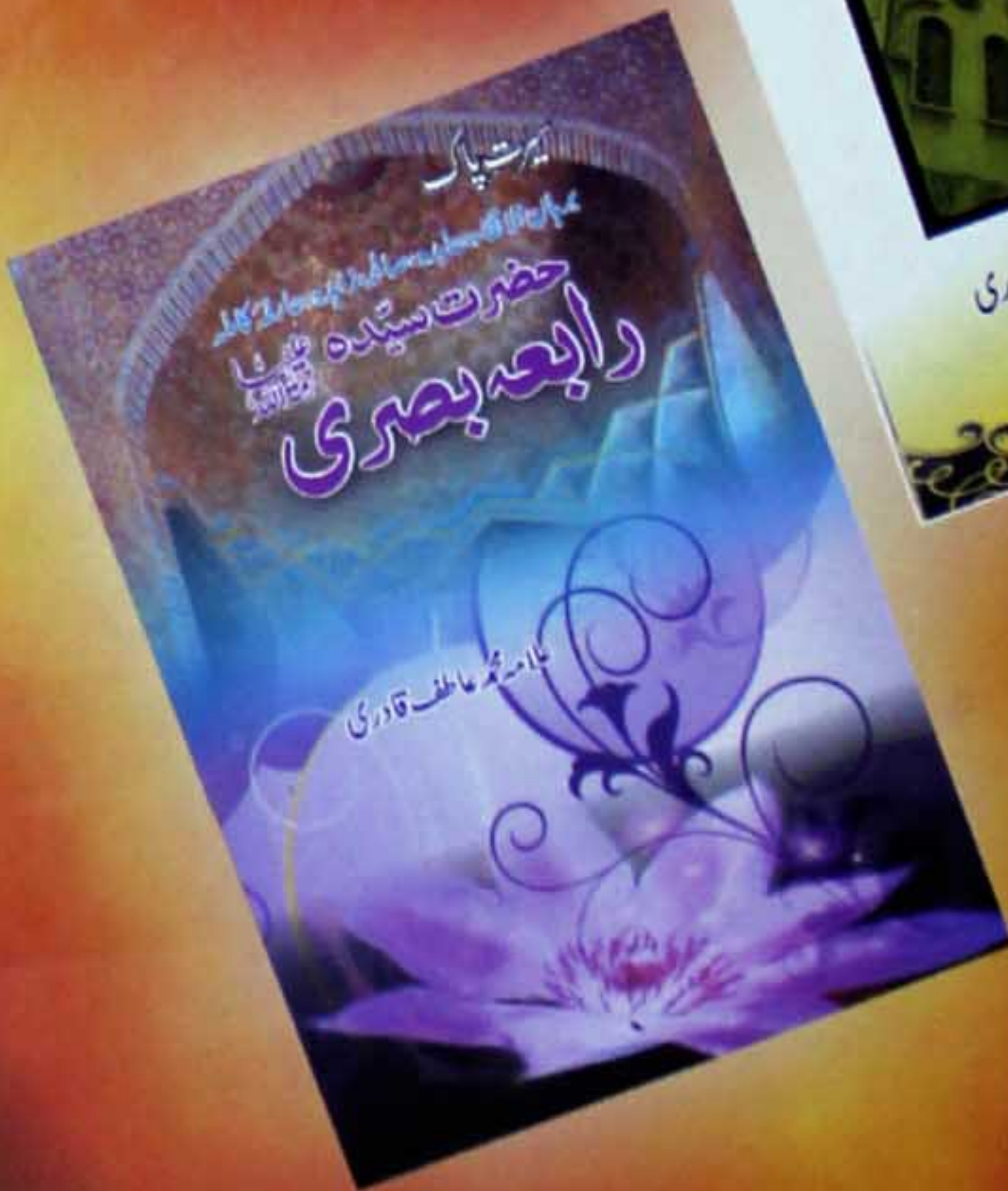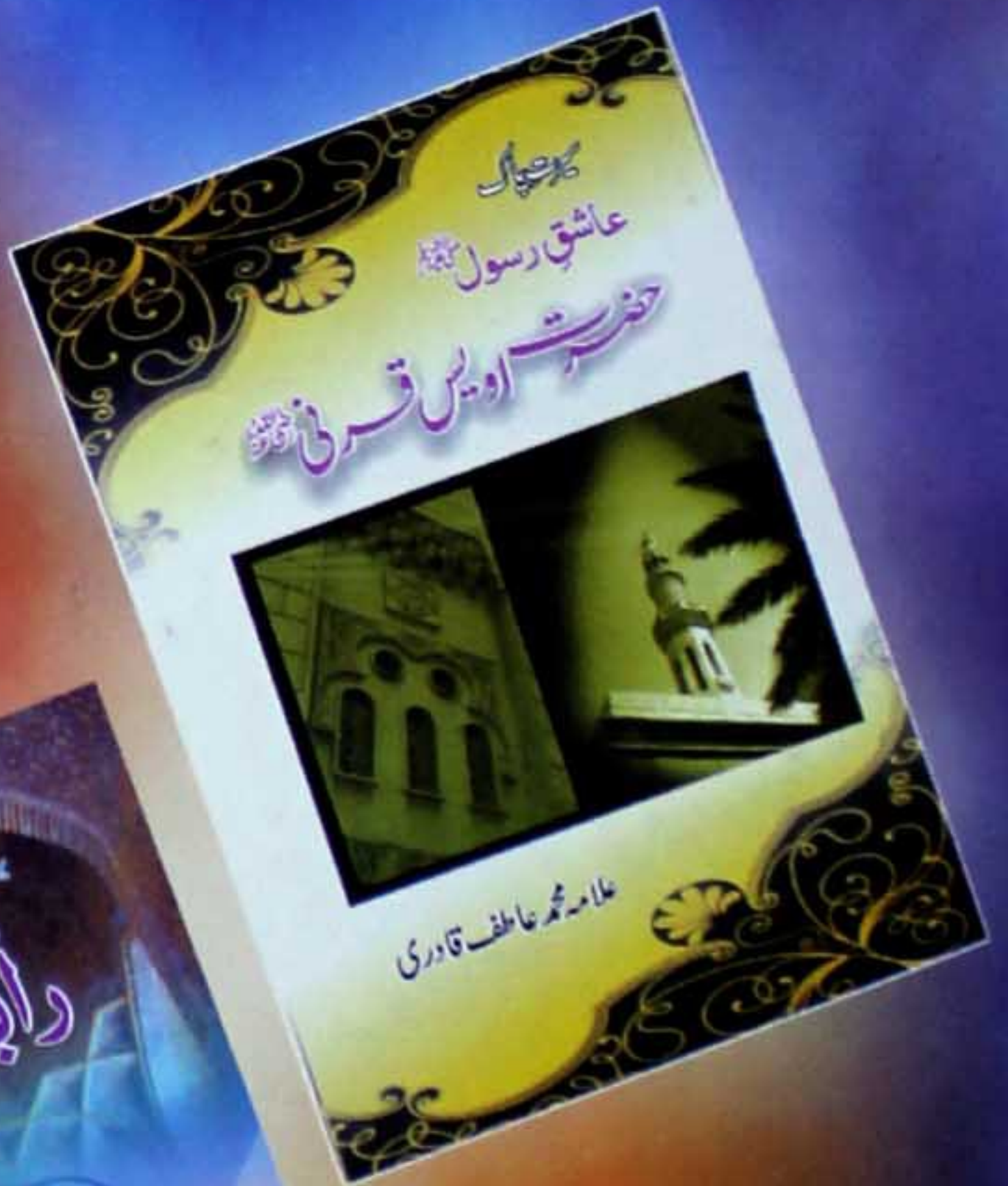
خزینہ علم و ادب
الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور
37211468-37314169